تُوبُوا اِلَى اللّٰہِ تَوبَۃً نَصُوحًا

توبۃ النصوح

از تصنیفات فاضل اجل جناب مولوی حافظ نذیر احمد خاں صاحب بہادر سابق
ڈپٹی کلکٹر و ممبر بورڈ آف ریونیو ریاست حیدرآباد دکن و حال وظیفہ خوار سرکار عالی نظام

جس کے صلے میں

پورا ایک ہزار روپیہ بموجب اشتہار نمبری ۹۱ الف مورخہ ۲۰۔ اگست سنہ ۱۸۶۸ء
گورنمنٹ عالیہ ممالک مغربی و شمالی نے مصنف کو انعام میں مرحمت فرمایا
مصنف کی نظر ثانی اور ترمیم اور اصلاح اور تحشیہ و قرارداد فصول اور تجدید رجسٹری کے بعد اول بار

مطبع انصاری واقع دہلی میں طبع ہوئی

سنہ ۱۳ھ

فہرست کتب بلا محصول موجوده دوکان نذیر حسین کتب فروش دہلی بازار دریبہ کلان

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
صراح	عہ ٨ر	شافیه	٦ر	تقویة الایمان مطبع فاروقی		تصنیفات قدیم وجدید جناب	
منتخب اللغات	عہ ٨ر	مراح الارواح	٢ر	معه خط مولوی اسمعیل شهید	١٠ر	مولوی محمد نذیر احمد خانصاحب	
الفاظ عزیزیه	٣ر	سیر الاولیا	عار	ناصر الابرار فی مناقب		مرآة العروس ترمیم شده معه	٨ر
مصدر فیوض	٣ر	بحر الحقیقت	٢ر	اهل بیت	٨ر	حواشی وغیره جو که مطبع انصاری	
مفید نامه	٣ر	دلیل العارفین	٣ر	تحفة الحرمین	٦ر	دهلی مین طبع هوئی هی صفحه ٢٤	
کافیه	٥ر	انوار التهذیب	٢ر	اسرار کربلا	٢ر	کاغذ ولایتی	
رساله مجموعه منطق	٦ر	احکام المرید باحکام التوحید	٨ر	مبهمات ابن حجر عسقلانی	٨ر	بنات النعش	زیر طبع
منطق کا ابتدائی رساله	٥ر	سراج السالکین	٨ر	جواهر القران	٨ر	مطبع انصاری	
مختصر شرح قصاید بدر چاچ	٨ر	در المعارف	١٢ر	دلائل الخیرات معه		توبة النصوح ترمیم شده	١٠ر
حواشی التهذیب یعنی		مکتوبات خواجه حضرت معصوم	١٢ر	ارشاد مرشد	٨ر	ابن الوقت	١٢ر
مولوی ظهور الله	١٢ر	مکتوبات حضرت شیخ عبد الحق		اوراد احسانی	٤ر	محصنات یعنی فسانه مبتلا	
تسهیل الکافیه	٨ر	محدث دهلوی	عہ	مجموعه ده درود	٥ر	نظر ثانی شده مصنف صاحب	١٠ر
حاشیه خیالی	٨ر	سرچشمه رحمت	٨ر	فضایل بسم الله	٢ر	منتخب الحکایات اردو	٥ر
شرح مواقف	عہ	رموز العارفین	٢ر	حکایات الصالحین	٥ر	موعظه حسنه	١٠ر
ملا حسن ستة ضروریه	عہ ١ر	انیس الارواح	٢ر	مقاصد الصالحین	٨ر	نصاب خسرو	زیر طبع
ایساغوجی	١ر	رموز الفقرا	٦ر	قانون شریعت محمدی	٦ر	چند پند	زیر طبع
قطبی	٧ر	ستة ضروریه	٨ر	فتوی میلاد	١ر	مبادی الحکمت	زیر طبع
میر قطبی	٥ر	سالک طریقت	٢ر	قصیده عظمی فارسی حال		رسم الخط	زیر طبع
تحفه شاهجهانی	١٢ر	حدایق البلاغت	٨ر	پیدائش تا وفات	٥ر	صرف صغیر	زیر طبع
شرح مائة عامل کلان	٨ر	مخزن احمدی	٨ر	نبی نامه	عہ ٨ر	مایغنیک فی الصرف	٨ر
شرح ملا جامی	١٥ر	مکتوبات صیدری	٨ر	عجائب القصص فارسی	١٠ر	اتمام حجة	١ر
فصول اکبری	٨ر	تزکیة القلوب	٨ر	عجائب القصص اردو	عہ ٨ر	مجموعه لیکچر	زیر طبع
زنجانی	١ر	مثنوی بوعلی قلندر	١ر	تاریخ حبیب الله	٦ر		

صاحب ڈائرکٹر بہادر سررشتۂ تعلیم ممالک شمالی و مغربی کی چٹھی

نمبری ۱۰۲۸ ۱۸۷۳ع صاحب سکریٹری گورنمنٹ ممالک شمالی و مغربی کے نام

توبۃ النصوح کتاب اردو تصنیف مولوی نذیر احمد

یہ کتاب مراۃ العروس کے مصنف کا تصنیف کیا ہوا ایک قصہ ہے مسلمانوں کے خاندانی حالات کا۔ اور اس سے غرض یہ ہے کہ اس ملک کے لوگ اپنے اطفال کو علم اخلاق اور دین کے تعلیم کرنے میں زیادہ شوق کے ساتھ متوجہ ہوں اور بخلاف اُس قاعدہ مروّجہ کے کہ لڑکوں کے واسطے تعلیم کے بارے میں اُستاد بجائے والدین کے ہوتا ہے مصنف نے ثابت کیا ہے کہ والدین کی کوشش اور خود اُن کا چال چلن ہی تعلیم کی بڑی بنا ہے اور مصنف نے اس بات کی تمثیل میں صرف اُن ہی نتائج قبیحہ کے بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا جو والدین کی غفلۃ کا ثمرہ ہیں بلکہ جو نعمتیں اور برکتیں خاندانی حسن تربیۃ سے میسّر ہوتی ہیں اُن کو بھی بخوبی ظاہر کر دیا ہے اور اُس کا مقصود اصلی یہ ہے کہ تربیۃ خاندانی جو فی الواقع درست اور اصول کے ساتھ ہو گویا عین دینداری اور خدا پرستی ہے لیکن اس بات کے کہنے میں اُس نے یہ احتیاط کی ہے کہ مبادا ایسے ملک میں اُس کی نسبۃ کوئی غلط فہمی واقع ہو جہاں بقول مصنف ہر شخص کا عقیدہ جداگانہ معلوم ہوتا ہے اور تعصّبات مذہبی اس درجے بڑھے ہوئے ہیں کہ عادات اور خیالات گو کیسے ہی فی نفسہا معقول ہوں جس حال میں کہ غیر مذہب والوں سے پیدا ہوں لوگ اُن کو وہم و وسواس کی نظر سے دیکھتے ہیں اسی لئے مصنف نے لکھا ہے کہ خانگی تعلیم کا مضمون لکھنے میں اگرچہ مذہبی ذکر سے گریز کرنا ممکن نہیں لیکن اس کتاب میں کوئی ایسی بات بھی نہیں ہے کہ جو مسلمان نہ ہوں اُن کے دل کو بُری معلوم ہو اور جہاں مذہب کا ذکر آیا ہے وہاں وہ ذکر اس طور پر ہے

کہ سب نیک آدمی اُس کو پسند کریں گے اور مصنف نے یہ بات بے کم و کاست سچ
ہی اور میں کہہ سکتا ہوں کہ دین اسلام کی خالص وحدانیۃ مصنف کے مطلب سے
خوب مناسبت رکھتی ہی۔ اس قصے میں اتنے اشخاص کا ذکر ہی یعنی خاندان کا بزرگ
نصوح۔ اُس کی زوجہ فہمیدہ اور اُس کے تین بیٹے کلیم۔ علیم۔ سلیم اور دو بیٹیاں
اور حمیدہ اور ایک بھانجی صالحہ اور کئی اَور اشخاص کے نام بھی قصے کے سلسلے میں
آئے ہیں۔ قصے کا آغاز اس بیان سے ہی کہ ایک مرتبہ دلّی میں ہیضہ پھیلا اور نصوح جس کے
دل کو اپنے چاروں طرف موت کی دست برد دیکھ کر بڑا صدمہ پیدا ہوا تھا اُسی بلا میں
مبتلا ہوا اُس نے جانا کہ میری موت بھی آپہنچی۔ اُسی حالۃ میں اُس کو ایک غفلۃ کی نیند
آگئی اور انجام کار اُس بیماری سے اُس کو صحۃ بھی ہو گئی اُسی نیند میں یہ خواب دیکھا
کہ اُس عالم میں ہی جہاں یہ سب روحیں جاتی ہیں تمام حال اپنی عمر کا اور دین سے جو اُس کی
بے پروائی رہتی تھی اور اُس کی خود پرستی اور اہل و عیال کے حقوق ادا کرنے کی غفلۃ یہ سب
باتیں اُس کے روبرو پیش آئیں اور اپنے خالق کے سامنے وہ عاصی و مجرم ٹھیرا بعد صحۃ کے
بھی یہی خیال اُس کے دل پر غالب رہا اور اگلے حال سے بالکل اُس کی طبیعۃ بدل گئی اسی کے
معنی توبۃ النصوح ہیں۔ اور آگے قصے میں بیان کیا ہی کہ اپنے امورات خانگی کی اصلاح
اور اُن دشواریوں کے رفع کرنے میں جو اُس کو پیش آئیں اُس نے کیا کیا تدبیریں کیں
اور اس کتاب کی بندش میں انواع و اقسام کا بیان اور مکالمہ ہی اور شاید مکالمہ حد سے
زیادہ ہی۔ لیکن یہ بات کچھ قباحۃ کی نہیں ہی کیوں کہ طلاقۃ اور محاورہ اردو روز
بول چال کی زبان ہی اس سے پہلے کسی نے اس خوبی کے ساتھ قلم بند نہیں کی
بیان اس قصے کے مضامین کا فصلاً فصلاً یہ ہی۔

فصل اول میں آغاز اُس ہیضے کے بیان سے کیا ہی جو دہلی میں چند سال پیشتر٭ ہوا تھا ویرانی شہر کی اور ہیبتہ لوگوں کی اور کثرۃ یاد الٰہی کی جو پہلے سے بھولی ہوئی تھی خوبی کے ساتھ بیان کی ہی جو لوگ کہ اب تک رمضان میں بھی عبادۃ نہیں کرتے تھے وہ لوگ پانچوں وقت کی نماز کے لیئے سب سے پہلے مسجد میں جانے لگے۔ نصوح نے نہایۃ فکر و تردد میں ہو کر ہر نہج کی احتیاط کی۔ باورچی خانے کے برتنوں پر قلعی کرائی صفائی کا خوب لحاظ رکھا اور ہوا کی اصلاح کی دوائیں ہر طرف رکھیں باورچی کو تاکید کی کہ کھانے میں مصالح ڈالے اور سرکے اور پیاز کی افراط کرے اور جو معمولی دوائیں ہندوستانی اور انگریزی ہیں وہ بھی مہیا کیں اور ایک بنگالی طبیب کی طرف رجوع کی جس کا حال اخبار میں لکھا تھا کہ اُس نے دس ہزار روپیے سرکار سے ہیضے کے مریضوں کا معالجہ کرنے کے لیئے انعام پائے ہیں مگر باوجود اس کے نصوح کے گھر کو بھی ملک الموت نے نہیں چھوڑا چنانچہ اُس کا باپ اور ماما اور خالہ تینوں مر گئے آخر اُس مرض وبائی میں تخفیف ہوئی۔ لیکن نصوح نے بے احتیاطی سے چاول کھا لیئے اور آخر کو وہ بھی بیمار پڑا اور سمجھا کہ میں بھی اب اس جہان سے چلا مگر ڈاکٹر نے ایک قوی دوا اُمنّوم دی اور بیماری نے رنگ بدلا اور اُس کو نیند آ گئی اُسی حالۃ میں ایک خواب دیکھا یہ خیال بعینہ مطابق اُس عقیدے کے ہی جس میں کہ خدا کو بصورۃ انسان ہونا مانتے ہیں۔ لیکن اس میں کوئی بات لغو اور بے معنی نہیں ہی اور آدمی کا اپنے خالق اور حاکم عادل کے روبرو ہونا اور اپنی عمر گزشتہ کے ہر فعل اور ہر خیال کا ظاہر کرنا اور اُس کا بالکل ناچیز ثابت ہونا نہایۃ عمدہ اور مؤدبانہ الفاظ سے بیان کیا گیا ہی۔ اس بیان سے مصنف کا یہ مقصد نہیں ہی کہ ہولناک باتوں سے لوگوں کو خوف زدہ کرے۔ بلکہ خدائے تعالےٰ کی علام الغیوبی اور عدل اور رحمۃ

٭ اس کتاب کے حالات سے معلوم ہوتا ہی کہ اُس زمانے سے غدر کے بعد کا زمانہ مراد ہی۔

کا اظہار مقصود ہی اور انسان کا ناچیز ہونا بلکہ جو لوگ دنیا میں صفۃ عبادۃ اور زہد کے ساتھ مشہور تھے اُن کا بھی وہاں محض بے حقیقۃ ہونا ظاہر کیا ہی نصوح نے خواب میں دیکھا کہ وہ احکم الحاکمین کی بارگاہ عدالۃ میں گیا ہی اور وہاں ہزاروں آدمی منتظر حکم خوف سے سکوت کیئے ہوئے کھڑے ہیں۔ اور اُن کی مدد کے لئے نہ وہاں کوئی مختار ہی نہ وکیل نہ ایسا عملہ کہ جس سے کچھ کار برآری ہو سکے بارگاہ ایسے حاکم کی جس کے حکم کا کہیں اپیل نہیں ہر مقدمہ اپنے وقت معین پر پیش ہوتا ہی اور گواہ ایسے جن پر کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا اور فیصلہ ایسا کہ جس میں تزلزل اور غلطی کی گنجائش نہیں قیدیوں کی یہ کیفیۃ کہ بعضے حوالات میں سزا انتظار ہیں اور بعضے اپنی شامۃ اعمال کی سزا میں بطور تادیب گرفتار محنۃ و مشقۃ اور اس سے بڑھ کر ایک جیل خانہ ہی جہاں بڑے بڑے مجرم بھیجے جاتے ہیں نصوح کا باپ بھی حوالاتی قیدیوں میں تھا نصوح کو اُس کا حال دیکھ کر نہایۃ تعجب ہوا کہ ایسا مقبول اور ذی عزۃ شخص اور یوں گرفتار ہو اُس کے باپ نے اپنا نامۂ اعمال دکھلایا جس میں ایک فہرست طویل گناہوں کی لکھی ہوئی تھی مثلاً بے دینی۔ نافرمانی۔ ناشکری۔ بے وفائی۔ تکبر۔ دغابازی۔ حسد۔ طمع وغیرہ اور ہر جرم کے محاذی بجائے دفعات مجموعۂ تعزیرات ہند کے آیات قرآنی لکھی ہیں اور وہ مقر ہی کہ میں مجرم ان سب گناہوں اور اُس نے مقدمے کی سماعۃ اول کا حال بھی بیان کیا کہ جب حاکم نے پوچھا کہ دنیا میں تیرا کلّی اعتماد اور بھروسا کس پر تھا تو اُس نے جواب دیا کہ صرف خدا پر۔ لیکن خدا کی طرف سے عتاب ہوا۔

اس عتاب کا مضمون فصل دوم تک اصل کتاب میں دیکھ لیا جائے۔

فصل دوم

نصوح خواب سے جاگا تو اب اثر عظیم اُس کے دل پر ہوا اُس نے اپنی بے دینی اور اہل و عیال کے ادائے فرائض سے اپنی غفلۃ اور اُس نادانی اور بے پروائی پر جو اب تک بال بچوں کی نسبتہ ظہور میں آئی تھی نظر کی تو ایک حالۃ غم اور ناامیدی کی

اُس پر طاری ہو گئی اس عرصے میں اُس بیماری سے بھی صحۃ پائی اور اُس کے بعد اُس نے
دین کے کاموں میں پھر غفلۃ نہ کی۔ اور یا تو ایسا جابر تھا کہ گھر والے اُس سے ارزاں
اور ترساں اور ہر دم اُس کی رضا جوئی کی فکر میں رہتے تھے اور یا یکایک
ایسا ہو گیا کہ نہ کسی کو بُرا بھلا کہنے سے کچھ کام نہ کسی پر حکم چلانے سے مطلب
جو کچھ سامنے آیا کھا پی لیا کچھ کام بگڑ بھی گیا تو فہمیدہ وغیرہ کسی پر کچھ عتاب نہیں
آخر کار نصوح نے اپنی بی بی فہمیدہ کو اپنا ہم راز بنایا اُمورات خانہ داری
کی اصلاح کی جو تدبیریں سوچتا وہ اُس سے کہہ دیتا اور اُس کو اپنا شریک اور مددگار
سمجھتا اُس کی زوجہ نے کچھ تعلیم بھی پائی تھی کیوں کہ اُس وقت تک مرآۃ العروس رواج
پا چکی تھی اور اکثر گھرانوں میں اُس کتاب کی نصیحۃ پر اس قدر عمل ہونا شروع ہو گیا تھا
کہ لڑکیوں کی تعلیم ہونے لگی تھی۔ نصوح نے اس خواب کا اور اُس سے اپنی طبیعۃ
بدل جانے کا حال اپنی زوجہ فہمیدہ سے کہا اور اُس کے دل پر بھی اس کا نہایۃ
اثر ہوا لیکن لڑکوں کی عمر جو بڑی ہو گئی تھی اُن کی اصلاح سے اُس کو ایک نوع
کی مایوسی تھی اس باب میں آگے شوہر و زوجہ کا مباحثہ ہے کہ اُس اصلاح کی کیا
تدبیریں کرنی چاہیئیں۔

فصل ۸۔ فہمیدہ نے اپنے شوہر کے روبرو وہ گفت گو بیان کی جو اُس کی بیٹی
حمیدہ کے ساتھ اُسی دن صبح کو ہوئی تھی اور وہ گفت گو یوں شروع ہوئی تھی کہ لڑکی نے
اپنی ماں سے پوچھا کہ ابّا جان آج کل عبادۃ کے طور پر سر جھکائے اکثر کیوں کھڑے رہتے
ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے درجے والے کے ساتھ جو نظر سے غائب ہے مخاطب
ہیں ماں نے چاہا کہ کچھ ایسے ویسے ہی جواب دے کر ٹال دے لیکن حمیدہ کے بھولے بھولے

سوالوں پر خدا کی شفقۃ جو بندوں پر ہی اور عبادۃ کے فرائض کے بیان میں جو کچھ بن پڑا
بیان کیا لڑکی نے پوچھا کہ تم بھی کبھی عبادۃ کرتی ہو اور اگر خدا ایسا رحیم و کریم ہی تو مجھے بھی
چاہیئے کہ اُس کی عبادۃ اور بندگی کروں ماں نے کہا کہ خدا چھوٹے چھوٹے بچوں سے یہ نہیں
چاہتا کہ ایسے بڑے فرائض کو ادا کریں جب تم بڑی ہوگی تو وہ اَور بات ہی لڑکی نے جواب دیا
کہ کیا میں اُس کی عنایۃ اور شفقۃ کا شکر بھی نہ ادا کروں شاید وہ خفہ ہو جائے اور پھر کوئی
چیز کھانے پینے کی ہم کو نہ دے۔ مصنف نے یہ گفتگو بہت لطف کے ساتھ لکھی ہی ماں کے
ان باتوں کا اتنا اثر ہوا کہ آنسو ٹپکنے لگے مشہور ہی کہ بچوں کی زبان بہت پیاری ہوتی ہی
چنانچہ یہ کتاب اُس کے لیئے ایک عمدہ نمونہ ہی یہ ذکر سُن کر نصوح کے دل پر بڑا اثر ہوا اور اُس نے
کہا خدا نے یہ بچہ ہماری غفلۃ اور نادانی ظاہر کرنے کے لیئے ایک فرشتہ بھیجا ہی دونو
نے عزم بالجزم کیا کہ اب پچھلی بھول چوک کی اصلاح حتی الامکان نہایۃ ضرور ہی۔

فصل ۴۔ اُس پر نصوح نے موقع پا کر اپنے چھوٹے بیٹے سلیم سے جو دس
برس کا تھا ایسی گفتگو کی جس سے اُس کی مکتب کی پڑھائی اور شوق اور عادتوں کا حال معلوم
ہوا اور اُس کو اس بات کے دریافت ہونے سے بڑی تسکین ہوئی کہ اگرچہ گھر میں کچھ خبر
نہیں لی جاتی تھی لیکن اُس کو صحبۃ اچھی ملی ہی اور اُن نادانیوں میں سے جو لڑکپن میں ہوا
کرتی ہیں اکثروں سے پرہیز کرنا سیکھا ہی سلیم نے ایک نیک بی بی سے جس کا نام حضرۃ
بی تھا اپنا ملنا اور اُس سے نصیحۃ اور دین کی تعلیم پانا بیان کیا اور اخیر میں اس بات کا
افسوس ظاہر کیا کہ میں اب اُس بی بی سے نہیں مل سکتا اُس کے باپ نے پوچھا کہ کیا سبب ہی
لڑکے نے جواب دیا کہ میرے بڑے بھائی کلیم نے منع کر دیا ہی اور میں نے والدین سے شکایۃ اس خوف سے
نہیں کی کہ وہ تمیز حق و باطل کے باب میں میری سمجھ پر ہنسیں گے نصوح نے اُس کی تسکین کی

اپنی پچھلی غفلت کا اقرار کیا اور کہا کہ میں حضرۃ بی کی شفقت کا شکریہ خود اُن کے پاس جاکر ادا کیا چاہتا ہوں۔

فصل ۵ - اتنے میں فہمیدہ اور نعیمہ ماں بیٹیوں میں کچھ لڑائی جھگڑا ہو گیا اس نعیمہ کا بیاہ ہو چکا تھا اور دو سال کی بیاہی سسرال سے لڑکر چلی آئی تھی اور پانچ مہینے کا بچہ اُس کی گود میں تھا ماں بیٹیوں میں لڑائی اس بات پر ہوئی کہ حمیدہ نعیمہ کے بچے کو گود سے نیچے بٹھا کر نماز صبح پڑھنے لگی نعیمہ بچے کو روتا دیکھ کر نماز ہی میں آکر حمیدہ کو مارنے لگی کچھ اُس کو بُرا بھلا کہا نعیمہ نے ماں کی دینداری کی نسبت کچھ گفتگو بے ادبانہ شروع کی فہمیدہ جو نصوح کے خیالات سے بھری ہوئی تھی غصے میں آکر نعیمہ کو مار بیٹھی نعیمہ نے وہ واویلا مچائی کہ پڑوسی تک چونک اُٹھے نصوح نے جب یہ حال سُنا نہایت خفہ ہوا اور کہا ابھی تو اپنی سسرال چلی جا فہمیدہ نے درمیان میں آکر قصہ رفت و گزشت کیا اور نعیمہ کی خالہ زاد بہن صالحہ کو اُس کے منانے کے لیے بلا بھیجا جو نعیمہ کی ہم عمر تھی اور نعیمہ اُس کا کہا بھی بہت مانتی تھی۔

فصل ۶ - نصوح نے اپنے منجھلے بیٹے علیم کو جو چودہ پندرہ برس کی عمر کا تھا بُلوایا اور پوچھا کہ تم امتحان دینے کی طیاری کے لیے مکتب میں کیا پڑھتے ہو اُس نے جواب دیا کہ میں خوب محنت کرتا ہوں لیکن گھر میں چونکہ بہت شور وغل ہوتا ہے اس لیے میں اپنے ایک ہم مکتب کے گھر جاکر پڑھا کرتا ہوں تب باپ نے پوچھا کہ تم نے اب تک کچھ بڑے امتحان کی طیاری کی بھی فکر کی ہے لڑکا اُس کی بات نہ سمجھا اور سمجھائی گئی تو اُس نے جواب دیا کہ گھر میں علم دین کے سیکھنے کا کوئی موقع نہیں ہے اگرچہ میں نے قرآن شریف کی کچھ سورتیں یاد کرلی ہیں لیکن اُن کے معنی نہیں سمجھا ہاں پادری صاحب نے ایک کتاب مجھے دی تھی اُس کی کچھ کچھ نصیحتیں یاد ہیں مگر بھائی صاحب نے جو سُنا تو شب برات کے دن اُس کتاب کو پھاڑ کر پٹاخے بنا ڈالے اور کہا کہ اس کتاب کا نہ پڑھنا ہی بہتر

حق میں بہتر ہوا ور نہ تو عیسائی ہو جاتا باپ نے کہا کہ دین اسلام اور دین عیسوی میں اگر
فرق ہے لیکن مطابقتیں بھی ایسی ہیں کہ دونو دین والوں میں اتفاق رہنا چاہیئے اور بے شک
پادری صاحب کی کتاب سے تجھے فائدہ ہوتا چنانچہ علیم نے لوگوں کے ساتھ سلوک و شفقت وغیرہ
کے ساتھ پیش آنے کا جو کچھ حال اُس کتاب میں سے یاد کر لیا تھا وہ اپنے باپ کو سُنایا اور یہ بھی
کہا کہ اُس کے مطابق مَیں نے ایک دن اپنی نئی ٹوپی بیچ کر چند غریبوں کی خبرگیری کی تھی
یہ ایک دلچسپ قصہ ہے اور خوب لکھا ہے نصوح کو اب اپنے منجھلے بیٹے کی
نیک طینتی کی طرف سے اطمینان ہوا اور جو تدبیریں اپنے خاندان کی اصلاح کی اُس نے سوچی
تھیں اُن میں اُس سے مدد چاہی اور کہا کہ اپنے بڑے بھائی کلیم کو بلا لو۔

فصل ۷ ۔ کلیم کی شادی ابھی ہوئی تھی کہ اپنی بی بی سے لڑ کر جدا ہو گیا تھا
اور سوائے شعر و غزل و قصیدہ گوئی اور تاش کھیلنے کے کوئی اور اُس کو مشغلہ نہیں تھا
الغرض باپ کے بلانے سے نہیں آیا یہ اپنے بھائیوں کو طعنہ دیا کرتا تھا کہ تم ولی ہو گئے ہو اور
باپ کو کہتا تھا کہ اُن کے دماغ میں کچھ خلل آ گیا ہے اور اپنے کو بیاہا اور جوان سمجھ کر اطاعت قبول
نہ کرتا تھا بھائیوں میں جو طول و طویل گفتگو ہوئی ہے وہ بڑی معقول ہے اور اُس کو خوب
نباہا ہے اور بڑے بھائی نے جن چند اشعار فارسی سے اپنے کلام کو نمک مرچ لگایا ہے وہ برجستہ
اور دلچسپ ہیں اُس کی ماں نے بھی اُسے سمجھانا چاہا کہ اپنے باپ کے پاس جا۔ لیکن اس نے
کچھ نہ سُنا اس عرصے میں اُس کے باپ نے ایک لمبا چوڑا خط اُس کو بھیجا
اور اُس میں وہ فرائض مندرج کیے جو بزرگ خاندان پر واجب ہیں اور خاندان کی اصلاح کی نسبت
بھی اپنا ارادہ ظاہر کیا۔

فصل ۸ ۔ نعیمہ ایسی روٹھی کہ کھانا پینا چھوڑ دیا اور اپنے پاس تک کسی کو

ی ہیں اگر سگ آنہ دیا بلکہ بچے کی بھی شام تک خبر نہ لی شام کو صالحہ آئی اور ماں بیٹیوں کے حال سے ایسی
ور بے ...ن جان بن گئی کہ گویا کچھ خبر ہی نہیں اور بتدریج نعیمہ کے غصے کو فرو کر کے اُس سے ایسی
شفقۃ وغیرہ باتیں کرنی شروع کیں کہ خود بخود اُس نے سارا حال اپنے مُونہ سے کہہ دیا
پھر تو نعیمہ ایسی راہ پر آئیں کہ کھانا بھی کھایا اور بچے کو دودھ بھی پلایا اُس کے بعد پھر
وہی گفتگو شروع ہوئی نعیمہ کی ضد سے جی گھبراتا ہی صبح اُٹھ کر صالحہ نے چند روز کے
واسطے نعیمہ کو اپنے گھر لے جانے کی اجازۃ چاہی ابھی وہ اپنی خالہ سے یہ باتیں کر رہی تھی
کہ نعیمہ اس خیال سے کہ شاید اجازۃ نہ ملے گھر سے باہر چلی گئی اس باب میں ہندوستانی عورتوں
کے عادات وخیالات کو خوب ہو بہو بیان کیا ہی اُس نیک نہاد خالہ زاد بہن کا شفقۃ سے
اصرار اور غرور اور بدمزاجی سے اس بہن کی ہٹ یہ دونو ضدیں اچھی طرح بیان کی ہیں اور چند
حالات جو ذکر کیے گئے ہیں اُن سے ہندوستانیوں کے اوضاع واطوار زیادہ تر روشن ہوتے ہیں

فصل ۹۔ اس باب میں آگے کلیم کا ذکر ہی یہاں تو صالحہ سے یہ گفتگو ہو رہی تھی
کلیم نے میدان خالی پاکر چپکے سے بازار کی راہ لی نصوح نے جو دوسرے روز مطلع ہو کر اُس کے
شب باشی کے مکان اور حالات کی تفتیش کی تو آثار فضولی اور عیش کے نظر آئے اور فحش آمیز
کتابیں اور تصویریں جو وہاں رکھی تھیں اُن سے اُس کا میلان خاطر خرابات کی طرف پایا گیا اس
مصنف کے ہم عصر یہ دیکھ کر چونکیں گے کہ اُن کتابوں میں نام فسانہ عجائب گل بکاولی بہار دانش
آرائش محفل وغیرہ اور چند نامی شاعروں کے دیوان کا بھی ہی جن کا خلاف تہذیب ہونا پوشیدہ
نہیں ہی چنانچہ نصوح اور اُس کے چھوٹے بیٹوں نے اس مزخرفات کو آگ میں جلا دیا اور اپنی
زوجہ کو سمجھانے میں نصوح نے جو ممالک مشرقی یعنی فارس وہند وغیرہ شاعروں کی
دناءۃ طبع ظاہر کی ہی وہ خوب برجستہ تقریر ہی۔

فصل ۱۰ - گھر سے نکلنے کے وقت کلیم کا ارادہ ایک دوست مرزا ظاہر دار بیگ کے ساتھ رہنے کا تھا جس کو اُس نے متموّل اور اچھے گھرانے کا سمجھا تھا مگر وہ شخص ان باتوں میں محض دم باز نکلا بڑی مہمان داری اُس کی یہ تھی کہ ایک مٹھی بھر چبینا حاضر کیا اور بچھانے کو ایک دری عاریۃً دی اور ایک مسجد جو خالی پڑی ہوئی تھی رات کے سونے کو بتا دی اور صبح ہوتے ہی آپ غائب ہو گیا اور پولیس والوں نے دری کی چوری لگا کر کلیم کو گرفتار کیا کوتوال اُس کے خاندان کا دوست تھا اُسے پولیس کی حراستہ میں اُس کے باپ کے پاس بھیج دیا اور وہاں اُس کی رہائی ہو گئی نصوح نے اُس کی نافرمانی پر ایک نصیحتہ سُنائی مگر بیٹے نے پھر بھی اطاعۃ میں رہنے سے انکار کیا اس کے بعد کلیم اپنے گھرانے کے ایک قرابتی فطرۃ نامی سے ملا جس کی نصوح سے ان بن رہتی تھی اور اُس کے گھر گیا یہاں آن کر اُس کو معلوم ہوا کہ میری کتابیں جلا دی گئی ہیں تب اُسی دوست کی صلاح سے انتقام لینے کے لئے اپنے باپ کا ایک گاؤں جو اتفاقاً اُس کے نام سے درج رجسٹر تھا اُس اپنے دوست فطرۃ کے ہاتھ ہزار روپے پر بیع کر دیا اور روپیہ لے کر جلد یار باشی میں اُڑا پڑا ڈالا دو مہینے گزرے تھے کہ قرضے کی علۃ میں گرفتار ہوا جیل خانے میں گیا وہاں اُس نے اپنے باپ کو ایک خط توبہ آمیز لکھا اور امداد چاہی باپ نے سات سو روپے قرضہ ادا کرنے کے لئے بھیجا کلیم نے اُس میں سے دو سو روپے بچا کر باپ سے بے ملاقاۃ کئے دولۃ آباد کی راہ لی۔

فصل ۱۱ - مصنف نے لکھا ہی کہ یہ شہر چھوٹا لکھنؤ ہی اور لوگ مثل فرہی مینوں کے رہتے ہیں اور وہاں جانے سے اُس نے یہ سوچا تھا کہ اپنی شاعری کی لیاقۃ سے دربار میں رسائی پیدا کروں گا مگر اتفاق ایسا ہوا کہ اُسی زمانے میں صاحب پولیٹکل ایجنٹ نے انتظام کمیٹی کے سپرد کر دیا تھا اور بجائے ایک نادان رئیس کے جو غزلوں اور قصیدوں سے دم میں

آجاتا تھا کلیم نے دیکھا کہ دربار میں مولوی بھرے ہوئے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم شاعروں کو نہیں چاہتے ہم کو کام کے آدمی چاہییں جو مال گزاری کی تحصیل کے وقت اُن لڑاکے ٹھاکروں سے لڑائی بھڑائی کو خیال میں نہ لاویں سو اہل قلم میں تو اس کی کچھ پیش نہ گئی مگر کچھ عرصے کے بعد پولیس میں نوکری ہو گئی کلیم نے اپنی خوش نصیبی اور یاوری طالع کے خطوط اُسی وقت دلّی روانہ کیے لیکن ٹھاکروں کے ساتھ پہلی ہی لڑائی میں زخمی ہوا اور ایک ٹانگ کھو کر آخر اپنے باپ کے پاس دلّی میں بھیج دیا گیا تب اُس کی بہن نعیمہ کے گھر اُسے لے گئے جس کا ذکر اب اس قصّے میں لکھا جاتا ہے نعیمہ کا اپنی خالہ کے گھر جا کر اصلاح پر آنا اور اپنے گھر میں آ کر میل جول کرنا اور خوش و خرم اپنے شوہر کے گھر جانا بیان کیا گیا ہے۔

نعیمہ نے کلیم کو اپنے گھر رکھا لیکن کلیم اپنے باپ نصوح سے مصالحۃ کے بعد اُن زخموں سے مر گیا۔ آخر میں یہ مضمون اُکھڑا اُکھڑا ہے باپ بیٹے کی ملاقاۃ میں کچھ اَور زیادہ کہنا چاہیئے تھا۔ الحاصل ہماری دانست میں یہ کتاب لائق ہر طرح کی تعریف کے ہے مولوی نذیر احمد پر ایسی کتاب کے لکھنے کے لیئے آفرین جس کو اُس ملک کے لوگ بغیر کسی نوع کی کراہیۃ دینی کے پڑھ کر خوش ہوں گے اور اُس کے ساتھ ہی اُن کو اس سے صاف ظاہر ہو گا کہ پستی آداب صحبۃ و اخلاق کا چارہ خود اُن کے ہی اختیار میں ہے اور مصنف نے جو ان دونوں کے شاعروں کی تحقیر لکھی ہے وہ اسی لائق ہیں اور اس قصے کی سنجیدگی کے مقابلے میں ایک نوع کا تفنن اور تفریح طبع اُس ظرافۃ سے حاصل ہوتی ہے جو ظاہر دار بیگ کی دم بازی اور دولۃ آباد کے مولویوں کے سامنے کلیم کے حیران اور بے دست و پا رہ جانے کے بیان میں ہے۔

جو نصیحتیں کہ صراحۃً یا ضمناً اس کتاب سے نکلتی ہیں وہ غالباً ہندوستانیوں کے لیئے بڑی فائدہ مند ہوں گی اور خاص اُن میں سے یہ ہیں۔

۱- بے دینی کی خرابیاں۔
۲- لڑکوں کا ابتدائی عمر میں تعلیم پانا اور والدین کا نیک ہونا اچھے چال چلن کی بنیاد ہی۔
۳- عورتوں کی تعلیم کی ضرورۃ صالحہ کی نیکی و زعیمہ کی جہل سے خوب ظاہر کی گئی ہی۔
۴- صحبۃ نیک اور کتب پسندیدہ کا نتیجہ نوعمر لڑکوں کی اوضاع کی درستی کے باب میں۔
۵- اخلاق کی نسبۃ صحبۃ بد کی قباحۃ اور معمولی کتب درسیۂ فارسی کی مضرۃ۔
الغرض اس کتاب کی نسبۃ یہ کہنے کی ضرورۃ نہیں ہی کہ ایک شخص تعلیم یافتہ دہلی کی زبان کا ماہر کیوں کر اپنی زبان کو فصاحۃ اور محاورے کے ساتھ نہ لکھے گا۔
کہیں قصد نمائش نہیں کیا گیا ہی اور نہ کہیں نشان علمیۃ کے اظہار کا پایا جاتا ہی اس مولوی کی عبارۃ سادگی کی صفۃ رکھتی ہی عربی اور فارسی الفاظ بول چال میں بلا تکلف مستعمل ہوئے ہیں نہ اس طور پر کہ بے محل معمے کے طور پر رکھ دیئے گئے ہوں اور ہندی الفاظ خانگی روزمرہ کے ایسے موقع موقع پر ہیں کہ ہندو اور مسلمان دونوں اُن پر مساوی ملکیۃ رکھتے ہیں اور ایسے الفاظ اس کتاب میں تھوڑے نہیں آئے ہیں جو دیسی زبان کے مروجہ لغات میں نہ ملیں پس جو طالب علم جی لگا کر پڑھے گا اُس کو فائدۂ عظیم حاصل ہوگا اور اکثر مقامات میں قصہ بطور مکالمے کے ہی اور یہ ایک ایسا طریق بیان کا ہی کہ ایک تو اُردو میں کم یاب ہی دوسرے اُس زبان کے طلبا کے واسطے ایک بڑا فائدہ زبان صاف و مسلسل کا بخشتا ہی محاورات ایسے ایسے ہیں جن سے غیر ملک کے لوگ آگاہ نہیں لیکن اُن سے دیسی زبان میں قوۃ و بلاغۃ پیدا ہوتی ہی مثلاً تالی دونو ہاتھوں سے بجتی ہی۔ کوئی اویر کوئی سویر۔ تانت بلجی رااگ پایا۔ جی بُرا کیا تھا۔ بوٹیاں توڑ توڑ کر کھانا اور اسی طرح کے اور بہت سے محاورے ہیں کہ جن کا لکھنا یہاں فضول ہی میں اس کتاب کو مصنف کی مرآۃ العروس اور بنات النعش سے افضل سمجھتا ہوں اس میں طرز عبارۃ اور قوۃ

بیان کی خوبی اُن دونوں کی بہ نسبت زیادہ ہی گو بعض اشخاص نصوح کی نصیحت کے منشا اور باب ہشتم
کی طول گفتگو کی نسبت جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا اعتراض کریں لیکن خیال کرنا چاہیئے کہ
یہ طریقہ اس ملک کے مصنفوں کا ہی اور کسی وجہ سے دلیل قوۃ و زور کی کمی کی نہیں ہی
کہیں کہیں میری دانست میں ایسا مضمون ہی جو اہل یورپ کی نظر میں ضعیف معلوم ہوگا مثلاً
جس مدعا میں ثبوت کی حاجۃ نہیں اُس میں ثبوت پیش کرنا اور جس میں حاجۃ ہی اُس کے لیے
ایسی دلیل گزرانی جس کے تسلیم کیئے جانے میں کلام ہی لیکن یہ ایک
ایسی مخصوص عادۃ ہندوستانیوں کی ہی کہ ان ہی چند مقالات سے جو
اس کتاب میں ہیں اصل حقیقۃ اس بات کی ظاہر ہوتی ہی ۔ *
غرض یہ ایک ایسی کتاب ہی جس سے اردو پڑھنے والوں کیا مسلمان
کیا ہندو اور کیا عیسائی سب کو فائدہ اور حظ حاصل ہوگا اور مجھ کو یقین ہی
کہ ہندوستانی مولوی نذیر احمد نہ صرف اس لیئے مشکور ہوں گے کہ اُن کے
نقص اُس میں عموماً ظاہر کیئے گئے ہیں بلکہ اس واسطے بھی کہ اُن نقصوں کے رفع کرنے کا چارہ کار
بھی بتا دیا گیا ہی۔ میری رائے میں مصنف مستحق انعام اوّل درجہ یعنی ایک ہزار روپے کا ہی۔

* واضح ہو کہ اصل کتاب کے حاشیئے پر عند الملاحظہ جناب صاحب ڈائرکٹر بہادر اور جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے اپنے دست خاص سے اکثر جگہ کچھ کچھ عبارۃ خط پنسل سے لکھ دی تھی چنانچہ مصنف نے چھپنے سے پہلے کتاب پر نظر ثانی کر کے جہاں تک ممکن ہوا ایما و ارشاد کے مطابق کتاب میں ترمیم کر دی۔

مِن مقام نینی تال
۱۱ ستمبر سنہ ۱۸۶۹ء

میتھیو کیمپسن
ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم ممالک مغربی و شمالی

چٹھی نمبر ۲ مورخہ ۱۷ جنوری سنہ ۱۸۷۰ء مقام الہ آباد

صاحب سکرٹری گورنمنٹ ممالک شمالی و مغربی کاتب
صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم ممالک شمالی و مغربی مکتوب الیہ

دفعہ ۱ حسب ارشاد نواب لفٹنٹ گورنر بہادر جواباً قلمی کیا جاتا ہی کہ آپ کی چٹھی نمبر ۳۸

مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۸۷۳ء مع کیفیۃ انگریزی توبۃ النصوح کتاب زبان اُردو تصنیف مولوی نذیر احمد موصول ہوئی۔

دفعہ ۲۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے اس کتاب کو نہایۃ شوق سے ملاحظہ کیا اور آپ نے جو اُس کے مضامین کی تصریح کمال تکمیل اور صحۃ کے ساتھ کی اُس سے نواب ممدوح آپ کے مشکور رہوئے۔

دفعہ ۳۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر بالاجمال اس کتاب کو ازبس پسند کرنے میں آپ کے ساتھ متفق الرائے ہیں۔

البتہ بمقابلہ مرآۃ العروس کمتر درجے کی ہی یعنی باعتبار بندش اور حالات کے اس میں وہ بے ساختگی نہیں ہی جو مرآۃ العروس میں ہی اور چند اشخاص کا ذکر ایک مرتبہ کیا گیا ہی مگر پھر اُن پر نظر نہیں رکھی گئی مکالمے میں اور نصائح میں بہت طول ہی اور کہیں کہیں بے محل بھی ہی مگر ساتھ ہی اس کے یہ بات بھی ہی کہ کتاب کا مقصد اور زبان دونو نہایۃ قابل تعریف ہیں۔ واقع میں بیان کی قوۃ اور جودۃ اور عبارۃ کی سادگی اور بے ساختگی اور محاورات کی مناسبۃ اور عمدگی جو اس کتاب میں ہی شاید اُردو کی اَور کسی کتاب میں نہ ہو۔ اور بڑی صفۃ یہ ہی کہ ہندی فارسی عربی الفاظ کی آمیزش اُسی بے تکلفی کے ساتھ ہی جو دلّی کی زبان میں پائی جاتی ہی اور اُس کے ساتھ ہی ضرب المثل باتیں اور خصوص روزمرّہ کی گفتگو کے مستعمل فقرے اس کثرۃ سے ہیں کہ اُن کے سبب سے کتاب مذکور بہت ہی فائدہ مند معلوم ہوتی ہی اور ایک بات نہایۃ عمدہ یہ ہی کہ مسلمانوں کے خانگی حالات بھی اس میں مشرح بیان کیئے گئے ہیں جس کے سبب سے مثل مرآۃ العروس کے اہالیانِ یورپ کے لیئے بھی جو اس کا مطالعہ کریں موجب آگاہی اور واقفیۃ ہی۔

دفعہ ۴۔ اگرچہ اصل مضمون اس کتاب کا حسب بیان آپ کے مذہبی باتوں سے
علاقہ رکھتا ہی۔ لیکن مصنف نے شروع کتاب میں صاف اعتراف کیا ہی کہ مذہب سے
علیٰحدہ امور خانگی میں اخلاق کی تعلیم کرنا میری طاقہ سے باہر ہی اور اس باب میں
اُس نے اپنی رائے نہایۃ مستحکم عبارۃ میں ظاہر کی ہی۔ چنانچہ لکھا ہی کہ پہلے میرا
ارادہ تھا کہ خانہ داری اور بود و باش باہمی کے واسطے نیکی اور خوش خوئی کا
ضروری ہونا بغیر تعلق مذہبی ثابت کروں لیکن جب لکھنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ ایسا
قصد کرنا گویا روح کو قالب سے۔ شعاع کو آفتاب سے۔ عرض کو جوہر سے۔ ناخن کو گوشت سے جدا کرنا ہی
سو اس بیان کے مطابق اس قصے سے یہ نصیحۃ نکلتی ہی کہ سرگرمی اور صدق
دل سے عقائد مذہبی کی پے روی کرنا ہی خانہ داری میں خوش حالی کی مستحکم بنا ہی اگرچہ
اس میں شک نہیں کہ مصنف کے اس قاعدے پر رایوں کا اختلاف واقع ہوگا
مگر مشارٌالیہ نے جس حُسنِ عقیدۃ اور خلوص نیۃ سے اپنے مطلب کو برعایۃِ
مذہب اسلام ادا کیا ہی اُس کی نسبۃ کسی کو اشتباہ نہ ہوگا۔ اول نظر میں جناب
نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کو تردد ہوا تھا کہ بلحاظ شرائط مندرجہ اشتہارِ
انعامات کے جس میں بصراحۃ مذہبی کتابیں مستثنے کی گئی ہیں یہ کتاب اُس
اشتہار کے منشا میں داخل ہی یا نہیں لیکن جب جناب نواب ممدوح نے
کل کتاب کو بغور ملاحظہ فرمایا تو اُن کو اس بات سے تسکین حاصل ہوئی کہ مصنف نے
اپنے اس قصد کو کہ کوئی امر متعلق تعصب مذہب یا ایسا کہ غیر مذہب والوں کو
ناگوار ہو اُس میں داخل نہ ہونے پائے بہت خوبی کے ساتھ پورا کیا ہی اور عموماً ایمان
اور عقائد مذہبی کے ضمن میں جو جلائل حقائق مندرج ہیں اُن کو اس قدر استحکام

دیا ہی کہ جو نصیحتیں اُس میں بیان کی ہیں اُن سے استنباطاً غیر مذہب والے بھی بوجہِ احسن مستفید ہو سکتے ہیں اور اس باب میں جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر آپ کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں کہ یہ کتاب نہ صرف اہل اسلام بلکہ ہنود اور مسیحیوں کو بھی پسند خاطر ہو گی۔ اور آپ نے جو ذکر چھوٹی لڑکی کے مکالمے کا فہمیدہ کے ساتھ درباب اُن امور کے لکھا ہی جن کا ادا کرنا خالق کی جناب میں اُس پر فرض تھا وہ بالکل مقتضائے طبعی اور رقت قلبی سے بھرا ہوا ہی اور ممکن نہیں کہ کسی مذہب کا آدمی اُس کو پڑھے اور اُس کے دل پر اثر نہ ہو۔

دفعہ ۵۔ اس صورۃ میں جناب سر ولیم میور صاحب کو اس امر کے تسلیم کرنے میں کچھ تامل نہ ہو گا کہ اس کتاب کا داخل منشائے اشتہار مذکور کرنا مناسب ہی۔ پس اُس کو داخل کر کے جناب ممدوح بخوشی تمام پورا انعام ایک ہزار روپئے کا عطا فرماتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ یہ کتاب اردو زبان کے علم ادب میں ایک عمدہ تصنیف ہی اور اہل اسلام کو بہت پسندیدہ ہو گی اور دیگر اقوام میں بھی بہت رواج پکڑے گی۔

دفعہ ۶۔ اخیر میں مطلع کیا جاتا ہی کہ آپ کی یادداشت کتاب مذکور کی بابت اور احکام گورنمنٹ جو اُس پر صادر ہوئے ہیں ممالک شمالی و مغربی کے گورنمنٹ گزٹ کے ضمیمے میں اور نیز گورنمنٹ کی تحریرات منتخبہ کی جلد میں داخل کر کے مشتہر کیئے جائیں گے۔ فقط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الٰہی خلعۂ ہفت پارچہ حواسِ خمسہ و عقل و روح سے سرفرازی دی ہی تو منصبِ ایمان داری بھی عطا کر کہ خطابِ اشرف المخلوقات میری حالت کے مناسب ہو - خداوندا اپنے حبیب کا اُمتی بنانے سے امتیاز بخشا ہی تو تقربِ عبادت بھی نصیب کر کہ الطافِ کریمانۂ شفاعت اور عواطفِ خسروانۂ رحمت کی مجھ کو قابلیت ہو - آدمی اگر اپنی حالت میں تامل صحیح کرے تو اُس سے زیادہ عاجز و درماندہ و مبتلا کوئی مخلوق نہیں

گرت چشمِ خدا بینی ببخشند * نہ بینی ہیچ کس عاجز تر از خویش * کلہم ساٹھ یا ستر برس تو باعتبار اوسط اُس کی میعادِ حیات اور مدتِ قیام و ثبات ہی وہ بھی شروع سے آخر تک ہر لحظہ عرضۂ خطر ہر لمحہ ہدفِ آفت - آدھی عمر تو وہ سونے اور کاہل اور بیکار پڑے رہنے میں ضائع کر دیتا ہی باقی بچے ۳۰ یا ۳۵ برس اسی میں اُس کی طفولیت ہی اور اسی میں اُس کی جوانی اور پیری کم سے کم دس برس طفلی اور درماندگی علالت و پیری کے بھی سمجھ لینے چاہئیں غرض ساری زندگی میں ۲۰ یا ۲۵ برس کام کاج

کے دن ہیں۔ مگر کتنے کام۔ کتنی ضرورتیں۔ کس قدر بکھیڑے۔ کیسے مخمصے۔ خدا کی
پرستش۔ مذہب کی تلاش۔ کسبِ کمال۔ فکرِ معاش۔ بزرگوں کی خدمت۔ اولاد
کی تربیت۔ بیماروں کی عیادت۔ احباب کی زیارت۔ تقریبات کی شرکت۔ شہروں کی سیر
ملکوں کی سیاحت۔ مُردوں کا رونا۔ جُدائی کا ماتم۔ مولود کی خوشی۔ ملاقات کی فرحت۔
دفعِ مضرت۔ جلبِ منفعت۔ گزشتہ کا احتساب۔ آئندہ کا انتظام۔ مسرت بہبود۔ ہوسِ
نام و نمود۔ تأسفِ نقصان۔ حسرتِ زیان۔ تلافیِ مافات۔ پیش بینیِ مستقبلات۔ دوستوں
سے ارتباط۔ دشمنوں سے احتیاط۔ آبرو کا حفظ۔ ناموس کا پاس۔ مال کی نگہ داشت۔ مصالح کا
احراز۔ زندگی ہی یا کوئی طوفان ہی۔ ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے۔
اس ضیقِ فرصت پر کاموں کا اتنا ہجوم یعنی فراغِ دل مفقود۔ اطمینانِ خاطر معدوم
فکرِ معاش و ذکرِ خدا و یادِ رفتگاں۔ دو دن کی زندگی میں بھلا کوئی کیا کرے۔
ایک عقل اور دنیا بھر کی ذمہ داری سچ کہا ہی ع یک عشق و ہزار گونہ خواری۔
اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا
وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ اس کتاب میں انسان
کے اُس فرض کا مذکور ہی جو تربیت اولاد کے نام سے مشہور ہی اس کتاب کے تصنیف
کرنے سے مقصودِ اصلی یہ ہی کہ اس فرض کے بارے میں جو غلط فہمی عموماً لوگوں سے
واقع ہو رہی ہی اُس کی اصلاح ہو اور اُن کے ذہن نشین کر دیا جائے کہ تربیت اولاد صرف
اسی کا نام نہیں ہی کہ پال پوس کر اولاد کو بڑا کر دیا روٹی کما کھانے کا کوئی ہنر اُن کو

سکھا دیا اُن کا بیاہ برات کر دیا بلکہ اُن کے اخلاق کی تہذیب - اُن کے مزاج کی اصلاح
اُن کے عادات کی درستی - اُن کے خیالات اور معتقدات کی تصحیح بھی ماں باپ پر فرض
ہے - افسوس ہے کہ کتنے لوگ اس فرض سے غافل ہیں - کوئی شخص تربیتہ اولاد کے فرض
کو پُورا پُورا ادا نہیں کر سکتا تا وقتیکہ وہ خود اپنی شایستگی کا نمونہ اُن کو نہیں دکھاتا
اور اولاد کے ساتھ اپنا برتاو محتسبانہ طور کا نہیں رکھتا - پرلے سرے کی بیوقوفی
ہے اولاد کو اپنی کردارِ ناسزا کی بُری مثالیں دکھانا اور اُن سے یہ توقع رکھنا کہ یہ لوگ
بڑے ہو کر زبانی پند یا کتابی نصیحت پر کاربند ہو کر صالح اور نیک وضع ہوں گے بہت
لوگ اولاد کے ساتھ غایتہ درجے کی شیفتگی پیدا کر لیتے ہیں اور بمصداق حُبُّکَ الشَّیءَ
یُعْمِی وَیُصِمّ اُن کو اولاد کے عیوب پر آگہی نہیں ہوتی اور ہوتی بھی ہے تو عیب کو
عیب سمجھ کر نہیں - مقتضائے عمر یا نتیجہ زمانہ یا دوسرے طور پر اُس کی تاویل
کر کے اُن کی خرابیوں سے درگزر اور چشم پوشی کیا کرتے ہیں - اس کتاب میں یہ خاص اہتمام
کیا گیا ہے کہ اس طرح کی غلطیوں پر لوگوں کو تنبّہ ہو - یہ کتاب لوگوں کو اس بات کا اچھی طرح
یقین کرا دے گی کہ تربیتہ اولاد ایک فرض موقت ہے یعنی لڑکے جب تک کم سن اور صغیر ہیں تربیتہ پذیر
ہیں اور بڑے ہوئے پیچھے اُن کی اصلاح مشکل یا متعذر بلکہ محال ہو جاتی ہے - ارادہ یہی تھا کہ
بالتخصیص مذہب تلقینِ حُسنِ معاشرۃ اور تعلیمِ نیک کرداری واخلاق کی ضرورۃ لوگوں پر
ثابت کی جائے لیکن نیکی کو مذہب سے جُدا کرنا ایسا ہی جیسے کوئی شخص رُوح کو جسد سے یا
بُو کو گل سے یا نور کو آفتاب سے یا عرض کو جوہر سے یا ناخن کو گوشت سے علیٰحدہ اور منفک

کرنے کا قصد کرے۔ ادھر تو انضمام مذہب ایک امر ناگزیر ہی اور اُدھر اختلاف مذاہب جو اس ملک
میں اس کثرت سے پھیلا ہوا ہی کہ گویا ہر کوڑی آدمی ایک جدا مذہب رکھتے ہیں آنکھیں دکھا رہا
ہی۔ لوگوں میں اس بلا کا تعصب آ گیا ہی کہ کیسی ہی اچھی بات کیوں نہ کہی جائے دوسرے مذہب
والے اُس کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے جَعَلُوْا اَصَابِعَهُمْ فِيْ اٰذَانِهِمْ۔ مضمون جسکو
میں نے ایک فرضی قصے اور بات چیت کے طرز پر لکھا ہی مذہبی پیرائے سے تو خالی نہیں اور
خالی ہونا ممکن نہ تھا لیکن تمام کتاب میں کوئی بات ایسی بھی نہیں ہی جو دوسرے مذہب والوں
کی دل شکنی یا نفرت کا موجب ہو بلکہ جہاں جہاں ضرورۃً مذہبی تذکرہ آ گیا ہی وہ ایسے طور
کا ہی کہ دوسرے مذہب والے بھی اُس طرح کے عقیدے رکھتے ہیں صرف اصطلاح وعبارت کا تفرقہ
ہی وَلَا مُشَاحَّةَ فِي الْاِصْطِلَاحِ مثلاً مسلمانوں کی نماز وہی ہندوؤں کی پوجا پاٹھ ہی مسلمانوں
کا روزہ ہندوؤں کا برت مسلمانوں کی زکوٰۃ ہندوؤں کا دان پُن وقس علیٰ ہذا۔ پس قصہ
اگرچہ ایک مسلمان خاندان کا ہی مگر بتغیر الفاظ ہندو خاندان بھی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ خاندان
جو فرض کیا گیا ہی اُس میں میاں بی بی ہیں۔ تین بیٹے اور تین بیٹیاں۔ ایک بیٹا اور ایک
بیٹی تو بڑی عمر کے ہیں اور بیاہے جا چکے ہیں اور لاجرم اُن کی عادتیں راسخ۔ اُن کی خصلتیں
کالطبیعۃ ہیں۔ منجھلا بیٹا اگرچہ عمر اُس کی بھی کم نہیں لیکن اُس نے مدرسے میں تعلیم پائی ہی
اور وہ صرف صرفِ توجہ کا محتاج ہی جیسے گھوڑا کہ بے راہ چلا جا رہا ہی اُس میں رفتار پیدا کرانے
کی ضرورۃ نہیں فقط باگ کا موڑ دینا کافی ہی۔ منجھلی لڑکی کم سن ہی وہ عمر کی اُس درجے
میں ہی جب کہ بچوں کی قوۃ تفتیش و تلاش تیز اور نقل کرنے کی اُمنگ بسر ترقی ہوتی ہی۔

وہ بھولے پن سے اس طرح کے سوالات کرتی اور سادہ دلی سے ایسی ایسی باتیں پوچھتی ہی کہ ماں
قائل ہو ہو جاتی ہی جس طرح پر اس خاندان کے لوگ زندگی کرتے ہوئے فرض کیئے گئے ہیں وہ ایک
سچّا بلا التصنّع نمونہ ہی اس زمانے کے ہر ایک خاندان مدعیِ شرافت کے طرزِ ماند و بود کا - ایسا
فرض کیا گیا ہی کہ رئیس البیت یعنی خاندان کا سرگروہ جس کا نام نصوح ہی ایک وبائی ہیضے میں
مبتلا ہوا اور اُس کی حالت اس قدر ردّی ہو گئی کہ اُس کو اپنے مرنے کا تیقن کرنا پڑا اور چونکہ
اُسی وبا میں چند روز پہلے اِسی گھر کے تین آدمی مر چکے تھے اور شہر میں موت کی گرم بازاری تھی
تو ایسی حالت میں نصوح کا اپنی نسبت موت کا تیقّن ایک معمولی بلکہ ضروری بات
ہی - نصوح کو ڈاکٹر نے جو اُس کا معالج تھا خوابِ آور دوا دی تھی وہ سو گیا اور
اُس کے اگلے پچھلے خیالات ایک خواب بن کر اُس کے سامنے آ موجود ہوئے
خواب جو نصوح نے دیکھا تمام قصّے کی جان ہی - حشر اور اعمال نامہ اور حساب قبر
کی تکلیف اور دوزخ کا عذاب یعنی قیامت کے حالات جن کا وہ اپنے مذہبِ اسلام
کے مطابق معتقد تھا خواب میں اُس کو واقعاتِ نفس الامری دکھائی دیئے - جاگا تو
خائف و ہراساں - بیدار ہوا تو ترساں و لرزاں - خوف کا نتیجہ اور ہراس کا اثر
جو نصوح پر مترتب ہوا قصّے کے پڑھنے سے ظاہر ہو گا - اُس نے نہ صرف اپنے
نفس کی اصلاح کی بلکہ سارے خاندان کی اصلاح کو اپنے ذمّے فرض و واجب سمجھا
چونکہ خاندان کے چھوٹے بڑے سب اس طرزِ جدید سے ناآشنا تھے کنفسٍ واحدۃٍ
نصوح کے مقابلے پر کمربستہ ہو گئے اور اُس کو بڑی بڑی دقتیں پیش آئیں - لیکن

چونکہ نصوح کے ارادے میں استحکام اور اُس کے دل کو خدا کا بھروسا تھا وہ غالب آیا مگر مشکل سے اُس کو ظفر ہوا مگر دشواری سے کیونکہ اولاد میں جو جتنا عمر رسیدہ تھا اُسی قدر عسیر الانقیاد تھا - تربیت اولاد جس پر یہ کتاب لکھی گئی ہی ایک شعبہ ہی اُس عام انسانی ہمدردی اور نفع رسانی کا جو ہر فرد بشر پر اُس کی استطاعت کی قدر واجب ہی اس خصوص میں جتنی غفلت اور بے پروائی ہمارے ہم وطنوں سے ہوتی ہی اصلی باعث اس ملک کے تنزل کا ہی - لوگ مضمون ہمدردی سے اس قدر ناواقف ہیں کہ اس خصوص میں اُن کو بچوں کی طرح تعلیم کی حاجت ہی - یہ کتاب اس تعلیم کی ابجد ہی کیونکہ اگر اولاد اور خاندان کی اصلاح انسان کے ذمے واجب ہی تو ضرور اُن لوگوں کی اصلاح کا بھی وہ ذمہ دار ہی جو بتعلق خدمت اُس کی نگرانی اور حکومت میں ہیں پھر خدم و عبید کے بعد اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ کے لحاظ سے ہمسائے پھر اہل محلہ پھر اہل شہر پھر ہم وطن اور ہم ملک پھر مطلق ابنائے جنس -

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند * کہ در آفرینش زیک گوہر اند

غرض ہمدردی کا ایک بڑا وسیع مضمون ہی مگر بالفعل اُس کے ابتدائی اور ضروری حصے سے آغاز کیا گیا ہی - وَاللّٰہُ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ

نذیر احمد وَفَّقَہُ اللّٰہُ التَّزَوُّدَ لِغَدٍ

فصل اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک برس دہلی میں ہیضے کی بڑی سخت وبا آئی۔ نصوح نے ہیضہ کیا اور سمجھا کہ مرا چاہتا ہے۔ یاس کے عالم میں اُس کو مواخذۂ عاقبت کا تصور بندھا۔ ڈاکٹر نے اُس کو خواب آور دوا دی تھی۔ سو گیا تو وہی تصور اُس کو خواب موحش بن کر نظر آیا

اب سے دُور ایک سال دہلی میں ہیضے کا اتنا زور ہوا کہ ایک حکیم بقا کے کوچے سے ہر روز تیس تیس چالیس چالیس آدمی چھیجنے لگے۔ ایک بازار موت تو البتہ گرم تھا ورنہ جدھر جاؤ سناٹا اور ویرانی۔ جس طرف نگاہ کرو وحشت و پریشانی۔ جن بازاروں میں آدھی آدھی رات تک کھوے سے کھوا چھلتا تھا ایسے اُجڑے پڑے تھے کہ دن دوپہر جاتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا تھا۔ کٹوروں کی جھنکار موقوف۔ سودے والوں کی پکار بند۔ ملنا جلنا۔ اختلاط و ملاقات۔ آمد و شد۔ بیمار پرسی و عیادت۔ بازدید و زیارت۔ مہمان داری و ضیافت۔ کل رسمیں لوگوں نے اٹھا دیں۔ ہر شخص اپنی حالت میں مبتلا۔ مصیبت میں گرفتار

زندگی سے مایوس۔ کہنے کو زندہ پر مُردے سے بدتر۔ نہ دل میں ہمّت۔ نہ ہاتھ پاؤں میں سکت۔ یا تو گھر
میں اٹواٹی کھٹواٹی لے کر پڑ رہا یا کسی بیمار کی تیمارداری کی یا کسی عزیز آشنا کا مرنا یاد کر کے کچھ رو پیٹ لیا۔
مرگِ مفاجات حقیقت میں اُن ہی دنوں کی موت تھی نہ شان نہ گمان اچھے خاصے چلتے پھرتے لگا یک
طبیعت نے مالش کی پہلی ہی کلّی میں حواسِ خمسہ مختل ہو گئے اِلا ماشاء اللہ کوئی جزئی بچ گیا تو
بچ گیا ورنہ جی کا متلانا اور قضائے مبرم کا آجانا۔ پھر وصیّت کرنے تک کی مہلت نہ تھی ایک یا دو گھنٹے
میں تو بیماری دوا دعا جان گئی اور مرنا سب کچھ ہو چکتا تھا غرض کچھ اس طرح کی عالمگیر وبا تھی کہ گھر گھر اُس کا رونا
پڑا تھا۔ دو پونے دو مہینے کے قریب وہ آفت شہر میں رہی مگر اتنے ہی دنوں میں شہر کچھ اُدھیا سا گیا
صدہا عورتیں بیوہ ہو گئیں ہزاروں بچے یتیم بن گئے۔ جس سے پوچھو شکایت جس سے سنو فریاد
مگر ایک نصوح جس کا قصّہ ہم اس کتاب میں لکھنے والے ہیں کہ عالم شاکی تھا اور وہ اکیلا شکر گزار۔
دنیا فریادی تھی اور وہ تنہا مدّاح نہ اس سبب سے کہ اُس کو آفت سے گزند نہیں پہنچا خود اُس کے
گھر بھی اکٹھے تین آدمی اسی وبا میں تلف ہوئے۔ اچھی خاصی طرح گھر بھر رات کو سو کر اُٹھے نصوح نمازِ صبح
کی نیّت باندھ چکا تھا باپ بیٹھے وضو کر رہے تھے۔ مسواک کرتے کرتے اُبکائی آئی ابھی نصوح دوگانہ
فرض ادا نہیں کر چکا تھا سلام پھیر کر دیکھتا ہے کہ باپ نے قضا کی۔ اُن کی مٹی دے کر آیا تو رشتے کی ایک خالہ
تھیں اُن کو جاں بحق پایا۔ تیسرے دن گھر کی ماما رخصت ہوئیں مگر نصوح کی شکر گزاری کا کچھ اور ہی سبب تھا
اُس کا مقولہ یہ تھا کہ اُن دنوں لوگوں کی طبیعتیں بہت کچھ راستی پر آ گئی تھیں دلوں میں رقّت و انکسار کی
وہ کیفیت تھی کہ عمر بھر کی ریاضت سے پیدا ہونی دشوار ہے۔ غفلت کو ایسا کاری تازیانہ لگا تھا کہ ہر شخص اپنے
فرائض مذہبی کے ادا کرنے میں سرگرم تھا جن لوگوں نے رمضان میں بھی نماز نہیں پڑھی تھی وہ بھی پانچوں

وقت سب سے پہلے مسجد میں آموجود ہوتے تھے۔ جنہوں نے بھول کر بھی سجدہ نہیں کیا تھا اُن کے اشراق و تہجد تک قضا نہیں ہونے پاتے تھے۔ دُنیا کی بے ثباتی تعلقات زندگی کی ناپائداری سب کے دل پر منقش تھی۔ لوگوں کے سینے صلح کاری کے نور سے معمور تھے۔ غرض اُن دنوں کی زندگی اُس پاکیزہ اور مقدس اور بے لوث زندگی کا نمونہ تھی جو مذہب تعلیم کرتا ہے۔ نصوح یوں ہی دل کا کچا تھا جب اُس نے اوّل اوّل بنا نوے کی گرم بازاری سُنی سرد ہو گیا اور رنگت زرد پڑ گئی۔ بالسباب ظاہر جو تدبیریں انسداد کی تھیں سب کیں۔ مکان میں نئی قلعی پھروا دی۔ پاس پڑوس والوں کو صفائی کی تاکید کی۔ گھر کے کونوں میں لوبان کی دُھونی دی۔ طاقوں میں کافور رکھوا دیا۔ جابجا کوئلہ ڈلوا دیا۔ باورچی سے کہہ دیا کہ کھانے میں نمک ذرا تیز رہا کرے۔ پیاز اور سرکہ دونوں وقت دسترخوان پر آیا کرے۔ گلاب۔ نارجیل دریائی جدوار۔ تمر ہندی۔ سکنجبین وغیرہ جو دوائیں یونانی طبیب اس مرض میں استعمال کراتے ہیں تھوڑی تھوڑی سب بہم پہنچا لیں تاکہ خدانخواستہ ضرورت کے وقت کوئی چیز ڈھونڈھنی نہ پڑے۔ نصوح نے یہاں تک اہتمام کیا کہ انگریزی دوائیاں بھی فراہم کیں۔ کالرا پل کی گولیاں تو وہیں کوتوالی سے لے لیں۔ کالرا ٹنکچر الہ آباد میڈیکل ہال سے ویلیو پے بھیجکر منگوا رکھا۔ آگرے سے ایک دوست کی معرفت کلوروڈائن کی دو شیشیاں خرید لیں۔ ایک اخبار میں لکھا دیکھا کہ بنارس میں ایک بنگالی اس بیماری کا حکمی علاج کرتا ہے اور سرکار سے جو دس ہزار روپے کا انعام موعود ہے اُس کا دعویدار ہوا ہے چٹھی لکھ کر اُس کی دوا بھی طلب کی۔ نصوح کو ایک وجہ تسلی یہ بھی تھی کہ ایک طبیب حاذق اسی کے ہمسایے میں رہتا تھا۔ گو روسیاہ ہیضے کے توڑ کے واسطے اتنا سامان وافر موجود تھا مگر آخر نصوح کا گھر بھی فرشتوں کی نظر سے بچا پر نہ بچا۔ باپ کی اجل آئی تو دوائیں رکھی ہی رہیں دینے اور پلانے کی نوبت بھی نہ پہنچی کہ بڑے میاں سسکیاں لینے لگے۔ وہ رشتے کی خالہ

تھوڑی دیر سنبھلی تھیں لیکن وہ کچھ ایسی زندگی سے سیر تھیں کہ انھوں نے خود خبر کرنے میں دیر کی غرض دوا
اُن کو بھی نصیب نہ ہوئی - ماما نے البتہ انگریزی یونانی سب طرح کی دوائیں ڈھکوسلیں مگر اُس کی عمر ہو چکی
تھی - اوّل اوّل نصوح کو اپنی احتیاط پر کچھ یوں ہی سا بھروسہ ہوا تھا مگر جب وبا کا بہت زور ہوا اور خود اسی کے
گھر میں تابڑ توڑ ایک چھوڑ تین تین موتیں ہو گئیں ناچار تن بتقدیر صبر و شکر کر کے بیٹھ رہا غرض پورا
ایک چلّہ شہر پر سختی و مصیبت کا گزرا - نہیں معلوم کتنے گھر غارت ہوئے کس قدر خاندان تباہی میں آ گئے
یہاں تک کہ نواب عمدۃ الملک نے ہیضہ کیا کوئی دو تین گھڑی دن چڑھتے چڑھتے شہر میں یہ خبر مشہور ہوئی
اور نماز جمعہ کے بعد دیکھتے کیا ہیں کہ جنازہ جامع مسجد کے صحن میں رکھا ہے - یوں تو ہزار ہا آدمی شہر میں
تلف ہوئے مگر عمدۃ الملک کی موت سب پر بھاری تھی اوّل تو اُن کی ٹکر کا شہر میں کوئی رئیس نہ تھا
دوسرے اُن کی ذات سے غریبوں کو بہت کچھ فائدہ پہنچتا تھا گو اُن کے مرنے کا گھر گھر ماتم تھا لیکن لوگ یہ
بھی کہتے تھے کہ بس اب خدا نے ٹھنڈک ڈالی کیونکہ معتقداتِ عوام میں یہ بھی ہے کہ وبا لے کسی بڑے رئیس کی
بھینٹ لیے نہیں جاتی - خیر لوگوں نے جو کچھ سمجھا ہو یوں بھی شورش بہت کچھ فرو ہو چلی تھی اور امن و امان
ہوتا جاتا تھا لوگوں نے دکانیں بھی کھولنی شروع کر دیں لین دین کا کاروبار پھر جاری ہو چلا اُن ہی دنوں نصوح
نے اپنی بیوی سے کہا کہ دو دو مہینے سے چاولوں کو ترس گئے اب خدا نے اپنا فضل کیا آج زردہ پکواؤ مگر
تاکید کرنا کہ چاول کھرے نہ رہیں شام کو زردہ پکا اور گھر کے چھوٹے بڑے سب نے کھایا اور سب عادت سو رہے
کوئی پہر رات باقی رہی ہوگی کہ دفعتہ نصوح کی آنکھ کھل گئی - جاگا تو پیٹ میں آگ پھنکی ہوئی تھی اُٹھتے
اُٹھتے کئی مرتبہ طبیعت نے مالش کی - اس لیے ننگے سر جلدی سے صحن میں نکل کر ٹہلنا شروع کیا خوب
اُکس کر دونوں بازو باندھے گلے میں توے کی سیاہی تھوپی عطر کا پھویا ناک میں رکھا اور طبیعت کو

دوسری طرف مصروف کیا مگر معلوم ہوتا تھا کہ حلق تک کوئی چیز بھری ہوئی ہے بہتیرا ضبط کیا بہتیرا ٹالا آخر بڑے زور سے استفراغ ہوا گھر والے سب جاگ اُٹھے نصوح کو اس حالت میں باہر بیٹھا ہوا دیکھ سب کے کلیجے دھک سے رہ گئے۔ کوئی پانی اور بیسن لے کر دوڑا۔ کوئی الائچی ڈال پان بنا کر پاس آکھڑا ہوا۔ کوئی پنکھا جھلنے لگا۔ نصوح کو لا کر چارپائی پر لٹایا اور اب سب لوگ لگے اپنی اپنی تجویزیں کرنے۔ کسی نے کہا خیر یہ ہی غذا تھی۔ کوئی بولا زردے میں گھی بُرا تھا۔ کوئی کہنے لگا کھرچن کا فساد ہے غرض یہ صلاح ہوئی کہ ہیضہ وبائی نہیں ہے گلاب و سونف کا عرق دیا جائے اور گھبرانے کی بات نہیں صبح تک طبیعت صاف ہو جائے گی خیر یہ تو تیمارداروں کا حال تھا۔ نصوح اگرچہ تکان کی وجہ سے مضمحل ہو گیا تھا مگر ہوش و حواس خدا کے فضل سے برجا تھے سب کی صلاحیں اور تجویزیں سنتا تھا اور دوا جو لوگ پلاتے تھے پی لیتا تھا۔ لیکن استفراغ ہوتے کے ساتھ ہی اُس نے کہہ دیا تھا کہ لو صاحب خدا حافظ ہم بھی رخصت ہوتے ہیں۔ استفراغ امتلائی مجھ کو بارہا ہوئے ہیں مگر کچھ میرا جی اندر سے بیٹھا جاتا ہے اور ہاتھ پاؤں میں سنسنی سی چلی آرہی ہے اتنا کہنے کے بعد تو نصوح دوسری ہی اُدھیڑ بُن میں لگ گیا اور سمجھا کہ بس دُنیا سے چلا۔ صبح ہوتے ہوتے رداءۃ کے کل آثار پیدا ہو گئے برودت اطراف تشنج ضعف متلی اسہال تشنگی ہر ایک کیفیت اشتداد پر تھی مونہ اندھیرے آدمی حکیم کے پاس دوڑا گیا۔ حکیم جی خود خفقانی المزاج ہیضے کے نام سے کوسوں بھاگتے تھے مگر ہمسایگی مدت کی راہ و رسم طوعاً کرہاً آئے اور کھڑے کھڑے چھدا سا اتار کر چلے گئے۔ بیمار میں تو بولنے اور بات کرنے کی بھی طاقت نہ تھی ایک پہر ہی بھر کی بیماری میں چارپائی سے لگ گیا تھا۔ عورتوں نے پردے میں سے جہاں تک اُس گھبراہٹ میں زبان نے یاری دی کہا لیکن حکیم صاحب بھی

کہے چلے گئے کہ برف کے پانی میں نارجیل دریائی گھس گھس کر پلائے جاؤ۔ تیمارداروں کو ایسی سرسری تشخیص اور ایسی روا روی کی تجویز سے کیا خاک تسلّی ہوتی فوراً آدمی کو شفاخانے دوڑایا اور ڈاکٹر دوا لیے صدا کی طرح آموجود ہوا اور نیلے چار پڑیاں تو اس نے اپنے سامنے پلائیں چلتے ہوئے ایک تو دیتا گیا کہ یا دو گھنٹے بعد مریض کو علیحدہ مکان میں اکیلا لٹا دینا کوئی آدمی اس کے پاس نہ رہے تاکہ اس کو نیند آجائے۔ اگر سو گیا تو جاننا کہ بچ گیا۔ فوراً ہم کو خبر دینا۔ ڈاکٹر کے حکم کے مطابق نصوح کو اکیلے دالان میں سلا کر لوگ ادھر اُدھر ٹل گئے مگر دبے پاؤں آ کر دیکھ دیکھ جاتے تھے نصوح کے دل کی جو کیفیت تھی وہ البتہ عبرت انگیز تھی۔ یہ کچھ تو بیماری کا اشتداد ہوا مگر ہوش و حواس سب بدستور تھے وہ اپنے خیال میں ڈوبا ہوا تھا لوگ جانتے تھے کہ غش میں پڑا ہی ابتدا میں تو نصوح بھی اپنی نسبت مرنے کا تصور کرنے سے گریز کرتا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ اپنے تئیں مرنے والا سمجھے بلکہ جو لوگ اس کی علالت کو سوء ہضم اور امتلا کی وجہ سے تجویز کرتے تھے دل میں ان کی رائے کی تحسین کرتا تھا لیکن افسوس کہ مسرت نصوح کو بہت ہی فراسی دیر تک نصیب ہوئی دم بدم اس کی حالت ایسی ردی ہوتی جاتی تھی کہ زندگی کے تمام تر احتمالات ضعیف تھے آخر چار و ناچار اس کو سمجھنا پڑا کہ اب میں دنیا میں چند ساعت کا مہمان اور ہول اور عالمِ مرگ کے ساتھ پہلا قلق اس کو دنیا کی مفارقت کا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مرنا وہ سفر ہی جس کا انقطاع نہیں وہ جدائی ہی جس کے بعد وصال نہیں۔ وہ گم شدگی ہی جس کی کبھی بازیافت نہیں وہ غشی ہی جس سے افاقہ نہیں وہ بیگانگی ہی جس کے پیچھے کچھ تعلق نہیں۔ کبھی وہ بیوی بچوں کو دیکھ کر روتا اور کبھی ساز و سامانِ دنیا پر نظر کر کے سر کو دُھنتا اور کہتا ؎ حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد ٭ روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد ٭ جس جس پہلو سے غور کرتا تھا اپنا مرنا اس کو

بے وقت معلوم ہوتا تھا بیوی کو دیکھ دیکھ کر اپنے جی میں سوچتا تھا کہ بھلا کوئی اس کی عمر بیوہ ہونے کی
ہے نہ تو اس کے میکے میں کوئی ایسا ہے کہ اس کا متکفل ہو نہ بیٹوں میں کوئی اس قابل ہے کہ گھر کو سنبھالے
اندوختہ جو ہے سو واجبی ہی واجبی ہے کب تک اکتفا کرے گی دو ناکتخدا بیٹیاں اس کے آگے ہیں کچا ساتھ خالی
ہاتھ بچوں کی پرورش کہیں سے کوڑی کی آمد کا آسرا نہیں کیا ہوگا اور کیونکر یہ پہاڑ سی زندگی اس کے کاٹے
کٹے گی۔ بڑا لڑکا تو پہلے ہی گویا ہاتھ سے جا چکا ہے۔ رہا منجھلا اس سال انٹرنس پاس کرنے کو تھا اور امید
تھی کہ یہ کچھ ہوگا مگر اب وہ تمام منصوبہ ہی غلط ہوا چاہتا ہے۔ میری آنکھ بند ہوئی تو کیسا پڑھنا اور کس کا
امتحان یہ دو لڑکیوں کا فرض کیسا میں اپنی گردن پر لیے چلا۔ بڑی لڑکی کی نسبت کن کن مصیبتوں سے ٹھہری
تھی اور جب میرے سر رہتے یہ دقت تھی تو اب ان دو بچیوں کا دیکھیے کیا ہو۔ پنشن تھی اور مال اندیشی کر کے
پار سال گاؤں لے لیا تھا ابھی تک پٹی داروں نے اس میں اچھی طرح تسلط نہیں بیٹھنے دیا۔ حال میں جو تیس
پچاس بیگھے سیر کر کے نیل بو لیا تھا وہ سب گیا گزرا ہوا۔ گودام پر جو روپیہ لگا دیا تھا وہ بھی ڈوبا رہنے
کے مکان میں کس تنگی سے بسر ہوتی ہے کوئی مہمان آ نکلتا ہے تو شرمندہ ہونا پڑتا ہے شمال رویہ دالان
در دالان بنوانے کا ارادہ تھا ڈیڑھ سو کی لکڑی کا روپیہ بھیج چکا ہوں وہ نہیں آئی۔ پزاوے والوں کو
اینٹوں کی ادائی دی تھی وہ نہیں پٹی افسوس کہ موت نے مجھ کو مہلت نہ دی لوگوں کا لینا دینا حساب کتاب
بڑے بڑے بکھیڑے ہیں آج سلجھانے بیٹھوں تو مہینوں میں جا کر طے ہوں تو ہوں اجل سر پر آ پہنچی تمام لینا
لوٹا مارا پڑا۔ اے کاش میں کچھ نہیں تو دس بارہ برس ہی اور جی جاتا تو یہ سب انتظام
اپنی خواہش کے مطابق درست کر لیتا۔ بال بچے بھی ذرا اور سیانے ہو جاتے
کھانے کمانے لگتے۔ ادھر ان کے شادی بیاہ کر چکتا۔ گاؤں کا معاملہ بھی

روبراہ ہوجاتا۔ مکان کو اپنے طور پر بنالیتا۔ لوگوں کا حساب کتاب سب صاف کردیتا۔ گھروالی کے واسطے کچھ ذخیرہ وافی فراہم کرجاتا تب فراغت سے مرتا۔ کیا مرنے میں مجھ کو کچھ عذر یا خدانخواستہ کسی طرح کا انکار تھا۔ یا میں اتنی ذراسی بات نہیں سمجھتا کہ دنیا میں آکر مرنا ضرور ہے۔ مگر ہر چیز ایک وقت مناسب پر ٹھیک ہوتی ہے یہ بھی کوئی مرنا ہے کہ ہر ایک کام کو ادھورا ہر ایک انتظام کو ناقص و ناتمام چھوڑ کر چلا جاؤں ایسا بے ہنگام مرنا نہ صرف میرے لیے بلکہ تمام متعلقین اور وابستگان کے لئے موجب زیان و باعث نقصان ہے۔ اگرچہ نصوح بنظر ظاہر ایک آزاد اور بیگانہ وار زندگی بسر کرتا تھا نہ تو ہر وقت گھر میں گھسے رہنے کی اُس کی خو تھی نہ بال بچوں ہی سے کچھ بہت اختلاط کرنے کی عادۃ انتظام خانہ داری میں بھی بی بی کے تقاضے و اصرار سے بقدر ضرورۃ کچھ دخل دیا تو دیا ورنہ اس کی بھی چنداں پروا نہ تھی اور یہی سبب تھا کہ جب کبھی سننے کا اتفاق ہوتا کہ فلاں شخص نے بڑی حسرۃ کے ساتھ جان دی تو نصوح کو تعجب ہوتا اور کہتا کہ خدا کی شان ہے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ دنیا سے نکلنے کو اُن کا جی ہی نہیں چاہتا نہیں معلوم دنیا کی کون سی ادا اُن کو پسند ہوتی ہے ورنہ استغفراللہ یہ دار المحن انسان کے رہنے کے لائق ہے۔ صدہا بکھیڑے۔ ہزارہا مخمصے روز کے جھگڑے آئے دن کی مصیبتہ سچ ہے خدائے تعالیٰ کا کوئی فعل حکمۃ اور بندوں کی مصلحۃ سے خالی نہیں ظاہر میں تو موت سب کو بری معلوم ہوتی ہے اور اُس سے لوگ ایسا ڈرتے ہیں جیسے مجرم سزا سے لیکن غور کرکے دیکھو تو مرنا بھی ایک نعمۃ ہے۔ انسان کی طبیعۃ تازگی پسند واقع ہوئی ہے جہاں ایک حالۃ سالہاسال رہی گو وہ کیسی ہی عمدہ اور پسندیدہ کیوں نہ ہو خواہ مخواہ آدمی اُس سے ملول ہوجاتا ہے۔ حضرۃ موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہی

من و سلویٰ کھاتے کھاتے ایسے اکتائے کہ آخر کو اُن کے دال لہسن اور پیاز پر للچائے۔ اگر دنیا میں موت
نہ ہوتی تو آدمی کنوؤں میں کود کود اور درختوں سے گر گر کر جان دیتے اور حیاۃ دراز کو عذاب مقیم سمجھتے
میرے دل کی تو یہ کیفیت ہے کہ مجھ کو یہاں سے چلے جانے کی مطلق پروا نہیں اور کسی چیز کو میں
نہیں سمجھتا کہ مجھ کو اُس کی مفارقت کا قلق ہو۔ لیکن بڑا فرق ہے فرض اور واقعات میں۔ یہ بھی نصوح
کے نفس کا مکر تھا کہ وہ اپنے تئیں دنیا سے بے تعلق اور اپنی زندگی کو بے ہمہ و باہمہ سمجھتا تھا۔
جب تک وہ دوسروں کو مرتا دیکھتا تھا اپنے تئیں مرنے پر دلیر پاتا تھا۔ لیکن جب خود اپنے سر پر آن بنی
تو سب سے زیادہ بودا نکلا۔ وہ اپنے تعلقات سے واقع میں اب تک بے خبر تھا جب موت سامنے آموجود
ہوئی اور چلنا ٹھیر گیا تو حقیقۃً کھلی کہ ادھر زن و فرزند کا فریفتہ ہے اُدھر مال و متاع کا دلدادہ۔ اتنا
بڑا سفر تو اُس کو درپیش مگر بار علائق کی وجہ سے پہلے ہی قدم پر اُس کے پاؤں ہزار ہزار من کے ہو رہے تھے ریل کی
سیٹی بج چکی تھی مگر یہ ابھی سٹیشن کے باہر اسباب کے سنبھالنے میں مصروف تھا۔ اگر اسی حالت میں کہ
اس کی روح تعلقات دنیوی میں ڈانوا ڈول بھٹکتی ہوئی پھر رہی تھی کہیں خدا نخواستہ اس کی جان
نکل جاتی تو بس دونو جہان سے گیا گزرا ہوا تھا خسر الدنیا والآخرۃ ازیں سو رانده و ازاں سو
درمانده۔ مگر خدا نے بڑا ہی فضل کیا کہ ناامیدی نے اس کی ہمت بندھائی اور اپنے دل
میں سوچا کہ چلنا تو اب ٹلتا نہیں پھر قلق سے فائدہ اور اضطراب سے حاصل۔ مرتا ہوں
تو مردانہ وار کیوں نہ مروں اور استقلال کے ساتھ جان کیوں نہ دوں۔ اس بات کا ذہن
میں آنا تھا کہ دنیا کی تمام چیزوں پر ایک اُداسی سی چھا گئی اب جس چیز کو دیکھتا ہیچ اور
بے وقعت نظر آتی ہے یہ وہ وقت تھا کہ ڈاکٹر نے اس کو دوا پلا کر تنہا لٹوایا

استغناسے ایک طرح کا اطمینان جو دل کو پونہچا اور ادھر علالۃ کی اشتداد کا تکان تھا ہی
پونہچی دوا جو بالخاصہ خواب آور تھی اور تیمارداروں کا ہجوم ہوا کم لیٹا تو نیند کی ایک جھپکی سی آ گئی
آنکھ کا بند ہونا تھا کہ نصوح ایک دوسری دنیا میں تھا جو خیالات ابھی تھوڑی دیر ہوئی اس کے
پیش نظر تھے سب اُس کے دماغ میں بھرے ہوئے تھے اب متخیلہ نے اُن کو اگلے پچھلے تصوّرات سے
گڈمڈ کر کے ایک نئے پیرایے میں لا سامنے کھڑا کیا دیکھتا ہی کہ ایک بڑی عمدہ اور عالی شان عمارۃ
ہی اور چونکہ نصوح خود کبھی ڈپٹی مجسٹریٹ حاکم فوجداری رہ چکا تھا تو اُس کو یہ تصور بندھا کہ
یہ گویا ہائی کورٹ کی کچہری ہی لیکن حاکم کچہری کچھ اس طرح کا رعب داب رہی کہ باوجودیکہ ہزاروں لاکھوں
آدمیوں کا اجتماع ہی مگر ہر شخص سکوت کے عالم میں ایسا دم بخود بیٹھا ہی کہ گویا کسی کے مونہ میں زبان نہیں
اور جو کوئی بضرورۃ بولتا اور بات بھی کرتا ہی تو اس قدر آہستہ کہ کانوں کان خبر نہ ہو - اتنی بڑی کچہری
ہی مگر مختار اور وکیل کسی طرف دیکھنے میں نہیں آتے کچہری کے عملے اس طرح کے کھرے اور اپنے حاکم سے
اتنا ڈرتے ہیں کہ کسی اہل معاملہ اور مقدمے والے کو اپنے پاس تک آنے کے رَوادار نہیں غرض کیا
مجال کہ کوئی اپنے بارے میں ناجائز تدبیر کر کے یا روپئے پیسے کا لالچ دکھا کر یا سعی سفارش
بہم پونہچا کر کاربراری کر سکے - اگرچہ انصاف اور معاملہ فہمی اور رحم دلی کی وجہ سے حاکم کی ہیبۃ
ادنی اعلیٰ سب پر چھائی ہوئی ہی مگر جتنے مجرم ہیں کیا خفیف کیا سنگین کوئی اس کے رحم سے ناامید
نہیں - اختیارات اُس کے اس قدر وسیع ہیں کہ نہ اُس کے فیصلے کی اپیل ہی نہ اُس کے
حکم کا مرافعہ - کام کرنے کا ایسا اچھا ڈھنگ ہی کہ کام روز کا روز صاف - کتنے ہی
مقدمے پیشی میں کیوں نہ ہوں ممکن نہیں کہ تاریخ مقررہ پر فیصل نہ ہو جائیں -

پھر یہ نہیں کہ کسی مقدمے کو رواروی اور سرسری طور پر تجویز کر کے ٹال دیا جائے۔ نہیں۔ جو حکم صادر
کیا جاتا ہے ہر عذر کو رفع ہر حجت کو قطع بلکہ خود مجرم کو قائل معقول کر کے اور گنہ گار کے مُونہ سے اُس کی
خطا تسلیم کرانے کے بعد۔ غرض جو تجویز ہے موجہ جو فیصلہ ہے مدلل جو رائے ہے حتمی واز عانی
جو حکم ہے دودھ کا دودھ پانی کا پانی۔ گواہوں کے باب میں ایسی احتیاط ملحوظ ہے کہ صرف عادل
ثقہ اور راست گو کی گواہی لی جاتی ہے اور وہ بھی ایسے کہ واقف الحال چشم دید بلکہ مجرم کے
رفیق اور ہم نشیں کہ اُس کے رازدار اور معین و مددگار رہوں۔ پھر کیا دیکھتا ہے کہ ہر مجرم کو
فرداً فرداً فردِ قرار دادِ جرم کی ایک نقل دی گئی ہے کہ وہ اُس کو پڑھ رہا ہے اور جتنے الزام
اُس پر لگائے گئے ہیں سب کو سمجھتا اور اپنی براءة کے وجوہات کو سوچتا ہے۔ کچہری کا خیال
نصوح کو حوالات کی طرف لے گیا تو دیکھا ہر شخص ایک علیٰحدہ جگہ میں نظر بند ہے۔ جو جیسا مجرم
ہے مناسب حالہ حوالات میں سختی یا سہولة کے ساتھ رکھا گیا ہے۔ حوالات کے برابر جیل خانہ ہے
مگر بہت ہی بڑا ٹھکانا ہے۔ محنة کڑی مشقة سخت۔ جو اُس میں گرفتار ہیں سولی کے متمنی اور پھانسی
کے خواستگار ہیں۔ نصوح یہ مقام ہول ناک دیکھتے ہی اُلٹے پاؤں پھرا باہر آیا تو پھر حوالاتیوں
اور زیر تجویزوں میں تھا۔ ان لوگوں میں ہزار ہا آدمی تو اجنبی تھے لیکن جابجا شہر اور محلے کے
آدمی بھی نظر آتے تھے مگر وہ جو مر چکے تھے۔ نصوح کو یہ سب سامان دیکھ کر اُسی خواب کی حالة
میں ایک حیرة تھی کہ الٰہی یہ کونسا شہر ہے۔ کس کی کچہری ہے۔ یہ اتنے مجرم کہاں سے پکڑے ہوئے
آئے ہیں۔ میرے ہم وطنوں نے کیا جرم کیا ہے کہ ماخوذ ہیں۔ اور یہ کیسے مرے تھے کہ میں ان کو
یہاں جواب دہی میں دیکھتا ہوں۔ اسی حیرة میں لوگوں کو دیکھتا بھالتا چلا جاتا تھا

کہ دور سے اُس کو اپنے والدِ بزرگوار حوالاتیوں میں بیٹھے نظر پڑے۔ پہلے تو سمجھا کہ نظر غلطی کرتی ہے مگر غور کیا تو پہچانا کہ نہیں واقع میں وہی ہیں۔ دوڑ کر قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ یا حضرۃ ہم سب آپ کی مفارقۃ میں تباہ ہیں آپ یہاں کہاں۔ باپ۔ میں اپنے گناہوں کی جواب دہی میں ماخوذ ہوں۔ یہ مقام جو تم دیکھتے ہو دار الجزا ہے اور خداوند تعالیٰ جل و علا شانہ اس محکمے کا حاکم۔ بیٹا۔ یا حضرۃ آپ تو بڑے متقی پرہیزگار خدا پرست نیکوکار تھے آپ پر اور گناہوں کا الزام۔ باپ۔ گناہ بھی ایک دو نہیں سیکڑوں ہزاروں۔ دیکھو یہ میرا نامۂ اعمال کیسی رسوائی اور فضیحۃ سے بھرا ہوا ہے اور میں اس کو دیکھ دیکھ کر سخت پریشان ہوں کہ کیا جواب دوں گا اور کونسی وجہ اپنی براءۃ کی پیش کروں گا۔ یہ وہی کاغذ تھا جو نصوح نے ہر شخص کے ہاتھ میں دیکھا تھا اور اُس کو دنیا کے خیالات کے مطابق فردِ قرارداد جرم سمجھا تھا۔ باپ کا نامۂ اعمال دیکھا تو تھرا اُٹھا۔ شرک اور کفر اور نافرمانی ناشکری اور بغاوۃ اور بے ایمانی کبر و نخوۃ دروغ و غیبۃ طمع و حسد مردم آزاری نفاق و ریا حبِ دنیا کوئی الزام نہ تھا کہ اُس میں نہ ہو۔ چونکہ نصوح کے دماغ میں خیالاتِ دنیوی گونج رہے تھے لگا باپ کے نامۂ اعمال میں تعزیراتِ ہند کا دفعہ اور ضمن ڈھونڈھنے سو تعزیراتِ ہند کے دفعات کی عوض قرآن کی سورتوں اور آیتوں کا حوالہ تھا۔ متعجب ہو کر باپ سے پوچھا کہ یا حضرۃ پھر کیا آپ ان تمام جرموں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ باپ۔ سب کا۔ بیٹا۔ کیا آپ حضورِ حاکم اقرار کر چکے ہیں۔ باپ۔ انکار کی گنجائش ہی نہیں۔ میری مخالفۃ میں گواہی اتنی وافر ہے کہ اگر میں انکار کروں بھی تو ہزار نہیں ہو سکتا۔ بیٹا۔ جناب وہ کون لوگ ہیں جو آپ کی مخالفۃ پر آمادہ ہیں۔ باپ۔ اول تو دو شخص کراماً کاتبین اس بلا کے ہیں کہ میرا کوئی فعل اُن سے

مخفی نہیں جتنی باتیں کہتے ہیں پتے کی۔ اور کہتے کیا ہیں میرا روزنامچہ عمری لکھتے گئے ہیں اب جو میں اُس کو دیکھتا ہوں حرف بحرف صحیح اور درست پاتا ہوں۔ دوسرے یہی میرے اعضا ہاتھ پاؤں آنکھ کان وغیرہ کوئی میرے کہنے کا نہیں۔ سب کے سب مجھ سے منحرف۔ سب کے سب مجھ سے برگشتہ میری مخالفۃ پر آمادہ میری تذلیل پر کمر بستہ ہو رہے ہیں بیٹا۔ آخر آپ کچھ اس کی وجہ بھی سمجھتے ہیں۔ باپ۔ میں اِن کو غلطی سے اعوان والنصار بھیدی اور رازدار سمجھا تھا مگر واقع میں یہ سب جاسوس ایزدی تھے۔ انھوں نے وہ وہ سلوک میرے ساتھ کئے کہ تسمہ لگا نہیں رکھا۔ بیٹا۔ پھر آپ کا کیا حال ہی۔ باپ۔ جب سے دنیا کو چھوڑا قبر کی حوالات میں ہوں تنہائی سے جی گھبراتا ہی انجام کار معلوم نہیں شبانہ روز اسی اندیشے میں پڑا گھلتا ہوں۔ حوالات میں مجھ کو اس قدر ایذا ہی کہ بیان نہیں کر سکتا۔ مگر صبح وشام ہر روز آتے جاتے جیل خانے کے پاس سے ہو کر گزرنا ہوتا ہی دوزخ وہی ہی۔ وہاں کی تکلیفات دیکھ کر اور سن کر ہوش اُڑے جاتے ہیں اور غنیمۃ معلوم ہوتا ہی کہ اے کاش ہمیشہ کے واسطے اسی حوالات میں رہنے کا حکم ہو جاتا۔ بیٹا۔ پھر ہنوز آپ کا مقدمہ پیش نہیں ہوا۔ باپ۔ خدا نہ کرے کہ پیش ہو۔ جو دن حوالات میں گزرتا ہی غنیمۃ ہی۔ اوّل اوّل جب میں حوالات میں آیا تو اعمال نامہ مجھ کو حوالے کر دیا گیا بس اُسی کو دیکھا اور انجام کار سے ڈرا کرتا ہوں نجاۃ کی کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی۔ بیٹا۔ بھلا کسی طرح ہم لوگ آپ کی اس مصیبۃ میں کام آ سکتے ہیں۔ باپ۔ اگر میرے لئے عاجزی اور خلوص کے ساتھ دعا کرو تو کیا عجب ہی کہ مفید ہو۔ ابھی میرے ہم سائے میں ایک شخص کی رہائی ہوئی ہی اُس پر بھی بہت سے الزام تھے مگر جہاں اللہ تعالیٰ ہیں کامل درجے کا انصاف ہی رحم بھی پرلے

[حاشیہ]
۱ پوشیدہ
۲ بے بہرے
۳ بیزار
۴ پھرے ہوئے
۵ بیزار
۶ ذلیل کرنا
۷ کمر باندھے ہوئے
۸ مدد گار
۹ خدائی
۱۰ طرف سے لوہ لینے والا
۱۱ یعنی گویا گردن جڑ سے کاٹ کر جدا کر دی
۱۲ رات دن
۱۳ صدق دل

ہی سرے کا ہی اُس شخص کے پس ماندوں نے اُس کے واسطے بہت زاریٔ نالی کی تو پرسوں یا
اترسوں اُس کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ تیرے افعال جیسے تھے وہ اب تجھ پر مخفی نہیں رہے مگر ہمارے
کئی بندے تیری معافی کے واسطے ہمارے حضور میں گڑگڑاتے ہیں اور وہ تیرے ہی زن
و فرزند ہیں ہم کو تیری یہی ایک بات بھلی معلوم ہوتی ہی کہ تو نے اپنے خانداں میں نیکی اور دین داری
کا بیج بویا جا ہم نے تیری خطا معاف کی۔ بیٹا سچ کہنا تم لوگوں نے بھی کبھی میرے حق میں دعائے
خیر کی ہی۔ بیٹا۔ جناب آپ کے انتقال کے بعد رونا پیٹنا تو بہت کچھ ہوا اور اب تک اسی
شد و مد کے ساتھ ہوتا ہی کہ گویا آپ نے ابھی انتقال فرمایا ہی اور یہ رونا تو ہم لوگوں کے دم
کے ساتھ ہی آپ کی عنایتیں آپ کی شفقتیں جب تک جئیں گے یاد کریں گے۔ رسم دنیا کے
مطابق آپ کا کھانا بھی برادری میں تقسیم کر دیا ہی۔ لوگ شاید میرے مُونہ پر خوش آمد سے کہتے ہوں مگر
کہتے تھے کہ اس مہنگے سمے میں باپ کا کھانا اچھا کیا۔ دعا کے بارے میں غلط بات کیوں کر عرض کروں
اہتمام نہیں ہوا۔ آپ کے بعد ترکہ و میراث کے ایسے جھگڑے پڑ گئے کہ آج تک نہیں سُلجھے۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ
آپ تو صوم و صلوٰۃ کے بڑے پابند تھے کیا اعمال و افعال کچھ بھی کام نہ آئے۔ باپ۔ کیوں نہیں۔ یہ
اُن ہی اعمال کا طفیل ہی کہ تم مجھ کو اس حالت میں دیکھتے ہو ورنہ بہتیرے مجھ سے بھی زیادہ تکلیف میں ہیں حوالات
میں جیل خانے کی سی ایذا ہی۔ مگر یہاں اعمال میں خلوص نیت شرط ہی میں نے اپنے اعمال کو آ کر دیکھا
تو اکثر جیسے جھوٹے موتی کھوٹے روپئے۔ نمازیں بے حضورِ قلب اکارت گئیں اور روزے چونکہ پابندی رسم کے
طور پر رکھنے کا اتفاق ہوتا تھا خالی فاقے کے شمار میں در آئے۔ بیٹا۔ یہاں دربار میں کچھ سعی سفارش کا دخل
نہیں۔ باپ۔ استغفر اللہ کوئی کسی کی بات تو پوچھتا ہی نہیں نفسی نفسی پڑی ہی ہر شخص اپنی بلا میں مبتلا

لہ پچھلا پرسوں یعنی دار نوں
کہ گڑ گڑا کر رونا
سہ زور دو شور
کہ زورہ یعنی
ھہ دل حاضر
اپنی اپنی جان کا

اور اپنی مصیبت میں گرفتار ہے دوسرے کی نجات تو کوئی کیا کرائے گا پہلے آپ تو سُرخ رو ہو لے۔ بیٹا۔
کیوں جناب معاذ اللہ یہ شرک و کفر کا الزام آپ پر کیسا ہم لوگ تو خیر سارا شہر آپ کے اتقا کا
معتقد تھا کیا آپ خدا کے قائل نہ تھے۔ باپ۔ قائل تو تھا دل سے معتقد نہ تھا۔ بیٹا۔ جناب آپ کے
تمام اعمالِ ظاہر سے مستنبط ہوتا تھا کہ آپ کو خدائے کریم کے ساتھ بڑی راسخ عقیدت ہے۔ باپ۔
وہ تمام عقیدت معلوم ہوا کہ اوپری دل سے تھی۔ جب اوّل اوّل میرا اظہار لیا گیا تو پہلا سوال مجھ سے
یہی پوچھا گیا کہ تیرا رب کون ہے چونکہ مرتے وقت مجھ کو ایمان کی تلقین کی گئی تھی میں نے جواب دیا کہ اللہ
وحدہ لاشریک لہ۔ تب اُس پر جرح کیا گیا کہ بھلا جب تو نوکری سے برخاست ہو کر گھر آیا اور مدۃ
تک خانہ نشیں رہا اور جو کچھ کما کر لایا تھا سب صرف ہو گیا اور نانِ شبینہ کو محتاج ہو کر نوکری
کی جستجو میں اِدھر اُدھر پھرتا اور مضطر ہو ہو کر ہم سے دعائیں مانگتا تھا مگر ہم تیرا صبر و استقلال
آزمانے کے لئے تیرے مدعا کو حیزِ التوا میں ڈالے ہوئے تھے اور ایک انگریز حاکم ضلع نے
کہ وہ بھی مثل تیرے ہمارا بندہ تھا ہمارے ایما سے تیری پرورش کا وعدہ کیا مگر ہم نے تجھ پر
اپنے ایما کو ظاہر نہیں ہونے دیا اور تو یہی سمجھا کہ وہ تیری ہی کوشش کا نتیجہ تھا سچ بتا کہ تجھ کو
اُس انگریز کے وعدۂ زبانی کا زیادہ آسرا تھا یا ہمارے تحریری تمسک وَمَا مِنْ دَابَّۃٍ
فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا کا اگر تو ہم کو صمیم قلب سے حاضر و ناظر۔ سمیع و بصیر
و قادر جانتا تھا تو گناہ پر تجھ کو کیونکر جسارت ہوتی تھی۔ تو بھول کر کبھی بھاڑ میں تو نہیں کودا کبھی
کھولتے پانی میں تو تو نے ہاتھ نہیں ڈالا۔ کبھی جلتی ہوئی آگ کو تو نے مٹھی میں نہیں لے لیا۔ مگر تو گناہوں کا نہایت
بے باکی سے مرتکب ہوتا تھا ضرور ہے کہ یا تو تجھ کو ہمارے فرمانے کا یقین نہ تھا کہ گناہ کی سزا آتشِ دوزخ ہے یا اگر

یقین تھا تو تو اُس کو دنیا کی آگ سے کمتر سمجھتا تھا۔ دنیا میں جو کچھ رفاہ[۱]۔ جو کچھ عیش و آرام ہم نے
تجھ کو بے استحقاق صرف اپنی مہربانی سے عطا کیا تھا کیا تو نے اُس کو ہمیشہ اپنی حسن تدبیر[۲] کی
طرف منسوب نہیں کیا۔ جو تکلیف تجھ کو دنیا میں پونہچی اگرچہ تو اپنے ہی ہاتھ سے اپنے پاؤں میں
کلھاڑی[۳] مارا کرتا تھا مگر کیا تو اُس کا الزام ہماری ذات مستجمع الصفات[۴] پر نہیں لگاتا تھا۔ ای احسان[۵]
فراموش ہزاروں لاکھوں احسان میں نے تجھ پہ کئے اور تجھ سے اتنا نہ ہو سکا کہ بھلا مُونہ سے اقرار
تو کرتا۔ ای ناشکر بے شمار[۶] نعمتیں مَیں نے تجھ کو عطا فرمائیں مگر تجھ پر اتنا بھی اثر نہ ہوا کہ کبھی زبان پر
تو لاتا۔ جتنا میں نے تیرے ساتھ سلوک کیا اُتنا ہی تو میری مخالفہ پر کمر بستہ[۷] رہا۔ جتنی میں تیری عایۃ
کرتا رہا اُسی قدر تو گستاخ[۸] اور شریر ہوتا گیا۔ اس حیاۃ[۹] بے ثبات پر تجھ کو اتنا گھمنڈ[۱۰] ہو گیا تھا کہ تو اپنے
تئیں ہماری خدائی سے باہر لے چلا تھا۔ اس چند روزہ[۱۱] زندگی پر تو اس قدر مغرور تھا کہ دائرۂ عبودیۃ[۱۲]
سے اپنے تئیں خارج کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے تجھ کو نیست[۱۳] سے ہست کیا اور خلعۃ انسانیۃ سے سرفراز
بنایا جو تجھ کو درکار تھا سو دیا جس کا تو حاجۃ مند تھا سب مہیا[۱۴] کیا ہر حال میں تیرے حافظ۔ ہر کیفیۃ میں تیرے
نگہبان رہے کیا اسی واسطے کہ تو کبھی بھول کر بھی ہماری طرف توجہ نہ کرے اور ہمیشہ اپنی ڈیڑھ اینٹ[۱۵] کی مسجد
ہم سے جدا رکھے۔ جب تو ایک مضغۂ[۱۶] گوشت تھا ضعیف و لا یعقل[۱۷] نادان و جاہل ضعیف اتنا کہ نقل و حرکۃ[۱۸]
پر قادر نہیں نادان ایسا کہ خویش[۱۹] و بیگانے کا امتیاز[۲۰] نہیں ہم نے تجھ کو دودھ بلوا بلوا کر توانا کیا اور اپنے
بندے جو تجھ پر ہر طرح کا شرف رکھتے تھے یعنی تیرے ماں باپ تیری خدمۃ گزاری کو مقرر کئے اور اُن کے دلوں میں
تیری محبۃ ڈال دی کہ اُنھوں نے ہمارے حکم سے تجھ کو پالا پوسا[۲۱] اور تو روز بروز چونچال[۲۲] اور خوش حال ہوتا گیا پھر
ہم نے عقل کو تیرا اصلاح کار بنایا کہ تو اُس کی مدد سے اپنی آسائش جائز کے واسطے ہر طرح کا سامان ہم

پونہچائے۔ دنیا کے چرند۔ پرند حیوانات۔ نباتات۔ جمادات سب کو تیرا مطیع فرمان بنا دیا کہ تو ان پر حکم رانی کرے اور اُن میں متصرف ہے کیا اس لئے کہ تو بہک کر کبھی کبھی ہماری طرف رُخ نہ کرے اور سدا ہم سے بھاگا بھاگا پھرے۔ تیری زندگی محض ایک ہستی بے بود تھی ولیجے تجھ کو تنفس کے لئے ہوا نہ ملتی تو تیرا دم نکل جاتا۔ ایک رات دن بے آب و دانہ تجھ کو جینا دشوار ہوتا۔ منوں ہوا تو سونگھ گیا اور کبھی نہ سوچا کہ ہمارے طفیل سے۔ غلہ انبار کے انبار ٹھونس گیا اور کبھی نہ سمجھا کہ ہماری بدولت۔ زندگی بھر کئی کنوئیں تو نے خالی کئے ہوں گے مگر کبھی دھیان نہ کیا کہ ہمارے صدقے میں اور ایک پانی اور ہوا اور غلہ و غذا کیا ضرورۃ کی کل چیزیں تو کہاں سے لاتا اور کہاں سے ہم پونہچاتا تھا ہمارے توشہ خانہ عام سے مگر اس پر تیری یہ ہیکڑی تھی کہ گویا ہم تیرے قرضدار ہیں یا ہم پر کچھ تیرا اُدھار آتا ہی۔ تو کھاتا تھا اور بکر جاتا تھا لیتا تھا اور بھول بھول جاتا تھا۔ دنیا کی باتوں میں تو تیری عقل بڑی رسا تھی مگر تو جان بوجھ کر ہمارے ہی ساتھ تجاہل کرتا تھا۔ مُونہ پر آنکھیں تھیں اور اندھا۔ ایک چھوڑ دو دو کان تھے اور بہرا۔ زمین۔ آسمان۔ چاند سورج۔ ستارے۔ جنگل۔ دریا۔ میدان۔ انواع و اقسام کے درخت۔ پھل پھول۔ کھانے کو الوانِ نعمت پہننے کو رنگارنگ خلعت۔ جواہر بیش بہا۔ نقرہ و طلا۔ دنیا بھر کا سامان ہم نے تیرے واسطے مہیا کیا اور ایک تیرے دم کے لئے اس قدر لوازمہ ہم پہنچایا ہم کو یہاں تک تیری خاطر عزیز اور تو ہم سے منحرف۔ ہم کو اس قدر تیری بزرگداشت ملحوظ اور تو ہم سے برگشتہ۔ ہم چاہتے تو ایک ادنیٰ سی چیونٹی تیرے ہلاک کرنے کو کافی تھی ہم حفاظت نہ کرتے تو خود تیرے جسم میں فساد کا مادہ ایسا تھا کہ ایک ذرا سا روگ تیرے فنا کر دینے کو بہت تھا مگر ہم تجھ سے دوستی کرتے تھے اور تو ہم سے عداوۃ۔ ہم عنایۃ کرتے تھے اور تو بغاوۃ۔ کیا یہی تھا بدلہ جو تو نے ہم کو دیا۔ کیا یہی تھا صلہ جو تجھ سے ہم کو ملا۔ ہم نے تجھ کو دنیا میں بھیجتے وقت کیا

ؔ جاندار "

ؔ پھل پھول درخت "

ؔ بے جان چیزیں جیسے مٹی پتھر وغیرہ "

ؔ حاکم کا تابع

ؔ اپنے کام میں لانے "

ؔ بے حقیقت زندگی "

ؔ سانس

ؔ اپنے لئے "

ؔ ڈھیر کے ڈھیر "

ؔ کھا گیا "

ؔ انکار کر جاتا "

ؔ مراد ہے

ؔ مطلب کو پہنچنے والی "

ؔ جان بوجھ کر اپنی نادانی ظاہر کرنا "

ؔ رنگ برنگ کے کھانے "

ؔ بیش قیمت موتی "

ؔ چاندی سونا "

ؔ سامان "

ؔ برگشتہ پھرا ہوا "

ؔ خاطرداری "

ؔ سرکشی "

ؔ انعام "

تاکید کی تھی کہ دیکھ روح ایک جوہر[١] لطیف ہے اور مجھ کو بہت ہی عزیز ہے ایسا نہ کرنا کہ اس کو دنیا میں جا کر بگاڑ لائے یہ میری عمدہ امانۃ اور نفیس ودیعۃ[٢] ہے دیکھ اس کی احتیاط کما ینبغی[٣] اور حفاظۃ کما حقہ[٤] کیجیو جیسا اُجلا شفاف براق روشن یہاں سے لئے جاتا ہے ایسا ہی دیکھ لوں گا۔ آج تو اے روسیاہ اُس کو لایا ہے پوتھ سے بدتر اور ٹھیکری سے کم تر بنا کر نجس ناپاک۔ تیرہ بے آب۔ بدرونق خراب۔ ہم نے تو تجھ سے چلتے چلتے کہہ دیا تھا کہ تو دنیا میں دل مت لگائیو اور اس طرح رہیو جیسے سرائے میں مسافر۔ تو وہاں گیا تو بس وہیں کا ہو رہا اور ایسی لمبی تان[٥] کر سویا کہ قبر میں آکر جاگا تھا تو مسافر اور بن بیٹھا مقیم۔ تھا تو سیاح[٦] اور ہو گیا متوطن۔ کیا تو تمام عمر دنیا میں مال نہیں جمع کرتا رہا اور کیا تو نے پکی پکی عمارتیں اس خیال سے نہیں بنوائیں کہ مدتوں اُن میں رہے گا۔ مسافر کا یہی کام ہے سیاح کا یہی شیوہ ہے۔ تو تو جانتا تھا کہ تجھ کو یہاں لوٹ کر آنا ہے پھر مرنے کے نام سے تجھ کو موت کیوں آتی تھی اور چلنے کی خبر سُن کر تو مچلتا کیوں تھا۔ اول تو تجھ کو ہماری عبادۃ کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔ لیکن جب کبھی تو لوگوں کی شرم حضور یا دکھاوے یا اتباع رسم[٧] کی وجہ سے مصروف عبادۃ ہوا بھی تو کس طرح کہ دل کہیں تھا اور تو کہیں۔ کوئی نماز بھی تیری سجدۂ سہو[٨] سے خالی تھی۔ دنیا کی برسوں کی بھولی بسری باتیں تجھ کو نماز میں یاد آتی تھیں اور نماز تو کیا پڑھتا تھا گھاس کاٹتا تھا نہ تعدیل ارکان[٩] ٹھیک۔ نہ قومہ[١٠] درست۔ نہ قعدہ[١١] صحیح۔ برس بھر تو دوزخ شکم کو اناپ شناپ بھرتا رہتا تھا برسویں دن صرف ایک مہینے کے روزے رکھنے کا ہم نے تجھ کو حکم دیا تھا کہ تجھ کو ہماری نعمتوں کی قدر ہو تجھ کو اپنے ابنائے جنس[١٢] پر جو مبتلائے مصیبۃ ہیں رحم آئے اور تیری صحۃ بدنی کو بھی نفع پہنچے تیرے مزاج میں فروتنی[١٣] اور انکسار کی صفۃ محمود کہ یہ ادا ہم کو بہت بھاتی ہے پیدا ہو لیکن یوں دنیا کے کام دھندے میں تو تو دن بھر بے آب و دانہ مصروف رہا نہ شکوہ

---

[١] پاکیزہ جوہر
[٢] امانۃ
[٣] جیسی چاہیئے
[٤] جیسا حفاظۃ کا حق ہے
[٥] محاورہ ہے یعنی خوب پانو پھیلا کر سویا
[٦] لفظی معنی بہت سیر کرنے والا یہاں یہ مراد ہے کہ دنیا میں سیر کرنے کو آیا تھا اور اسی طرح جم کر ہو بیٹھا کہ گویا کبھی یہاں سے چلنا ہی نہیں
[٧] رسم و رواج کی پابندی
[٨] اہل اسلام کے نزدیک بعض ارکان نماز میں بھول سے نماز کی کمی یا زیادتی کے بعد دو سجدے کئے جاتے ہیں جس سے نماز پوری ہو جاتی ہے
[٩] نماز میں رکوع و سجود وغیرہ کو آہستگی اور اطمینان کے ساتھ ادا کرنا
[١٠] کھڑا ہونا
[١١] بیٹھنا
[١٢] جیسے لوگ بنی آدم
[١٣] نرمی عاجزی

نہ گلہ تازہ دم ہشاش بشاش[1]۔ پھر کھانا تھورنے کو موجود مگر روزہ چونکہ ہمارے حکم سے تھا دن میں سیکڑون مرتبہ تو پیاس کی شکایۃ اور جو آیا اُس سے ضعف و ناتوانی کی حکایۃ۔ العطش[2] اور الجوع[3] یہی تیرے دو وظیفے[4] تھے روزہ افطار کیا اور تو بدحواس ہو کر چارپائی پر ایسا گرا کہ گویا جان نہیں باوجودے کہ تو دو دو دن کا کھانا ایک ہی رات میں کھا لیتا تھا پھر بھی اس تصور سے کہ کل پھر روزہ رکھنا ہی تیری جوع البقر[5] کو کسی چیز سے سیری نہیں ہوتی تھی۔ تو عید کا اس طرح منتظر رہتا تھا جیسے کوئی قیدی تاریخ رہائی کا۔ تیرا بس چلتا تو ٢٩[6] کیا ١٩ کی عید کرتا۔ کیا ایسے ہی روزوں کے ثواب کا تو امیدوار اور اجر کا متوقع ہی۔ میں نے تجھ کو انسان بنا کر بھیجا تھا تاکہ مصیبتہ زدوں کی ہمدردی کرے مگر تو نے ایسی تن آسانی اختیار کی کہ راحۃ پونہچانا تو درکنار دوسروں کو تکلیف دیکر بھی اپنی آسائش حاصل کرنے میں تجھ کو باک[7] نہ تھا۔ تیرے ہمسائے ہمارے بندے رات کو فاقے سے سوتے تھے اور تجھ کو سوءِ ہضم[8] کے علاج سے اُن کی پرداخت[9] کی پروا نہ تھی۔ تیرے پڑوس میں ایسے لوگ بھی تھے کہ جاڑے کی لمبی راتیں آگ تاپ تاپ کر سحر کرتے اور تو دوہرے دوہرے لحاف اور بھاری بھاری توشکوں میں چین سے پاؤں پھیلا کر سوتا۔ نعمتِ مال و دولۃ جو ہم نے تجھ کو عطا کی تھی تو نے تکلفات لایعنی[10] اور نمود و نمائش کی غیر ضروری چیزوں میں بہت کچھ تلف[11] کی اور جو لوگ اُس کے سخت حاجتمند تھے ترستے کے ترستے رہ گئے تیری سب خباثتیں[12] مجھ کو معلوم ہیں تو نے درماندگی[13] کا نام خدا رکھ چھوڑا تھا۔ جب تک سعی و تدبیر سے تجھ کو کاربراری کی امید ہوتی تھی تجھ کو ہرگز پروا نہیں ہوتی تھی کہ خدا بھی کوئی چیز ہی اور انتظامِ دنیا میں اُس کو بھی کچھ دخل ہی۔ مگر ہاں جب تو عاجز اور درماندہ ہوتا تھا تب تو

خدا کو یاد کرتا تھا۔ اگر ہماری خدائی اور سلطنت تیری فرماں برداری کی محتاج ہوتی تو تو نے اُس کے
اُٹھا دینے میں کچھ کوتاہی نہیں کی۔ تو نے ہمارے فرمانِ واجب الاذعان کی بے حرمتی اور احکام
لازم الاحترام کی بے توقیری کی اور تو نے اپنا بُرا نمونہ دکھا کر میرے دوسرے بندوں یعنی
اپنے فرزندوں کو بھی گم راہ کیا۔ ہر روز تو لوگوں کو مرتے دیکھتا اور سنتا تھا کیا تجھ کو نہیں
سمجھنا چاہیئے تھا کہ ایک دن تو بھی مرے گا۔ خود تیری حالت میں کتنے کتنے انقلاب واقع ہوئے
لڑکے سے جوان ہوا۔ جوان سے بڈھا ناتوان۔ بال تیرے سفید ہوئے۔ دانت تیرے ٹوٹے۔
کمر تیری جھکی۔ قوتوں میں تیری فتور آیا۔ غرض ہم نے تجھ کو سوتا دیکھ کر بہتیرا جھنجھوڑا بہتیرے
ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دئے۔ کئی بار اُٹھا اُٹھا کر بٹھا بٹھا دیا مگر تیرے نصیب کچھ ایسے
سوتے تھے کہ تو نے ہی کروٹ نہ لی۔ تمام عمر تو غفلت میں سویا۔ ہمارا کیا لیا کچھ اپنا
کھویا۔ سخت گیری خود ہماری عادت نہیں اور سخت گیری ہم کریں بھی تو کس پر اپنے بندوں پر
جن کا مارنا اور جلانا ہر وقت ہمارے اختیار میں ہے۔ مگر جب بندہ بندہ ہو اور ہم کو اپنا مالک
سمجھے۔ نہ خرِ نامشخص کہ ہم تو دیں نون اور وہ کہے کہ میری آنکھیں پھوٹیں۔ ہم سے زیادہ بھی
کوئی درگزر کرنے والا ہو گا کہ ایک معذرت پر عمر بھر کے گناہوں کو ہم نے قاطبۃً بھلا بھلا دیا
ہی لیکن توبہ و استغفار ندامت و حسرت کا اظہار بھی تو کوئی کرے۔ ہماری رحمت حیلہ جو ہماری
رافت بہانہ طلب کتنی کتنی بار جوش میں آئی مگر ہم نے اُس کو صرف کرنے کا موقع نہ پایا۔ اگر
بندہ ہمارے ساتھ نسبت عبودیت صحیح رکھتا تو ہم اُس کی لاکھ بُرائیوں پر خاک ڈالتے ہم کو تو
بڑی شکایت یہی ہے کہ اُس نے ہم کو معبود ہی نہ گردانا عالمِ اسباب میں رہ کر اسباب پرست

ہوگیا۔ پھر ہم جو دیکھتے ہیں تو ہمارے احکام بھی کچھ سخت نہ تھے۔ کھانے کو ہم نے نہیں روکا۔
سونے کو ہم نے منع نہیں کیا۔ تمتعاتِ دنیوی[1] سے ہم نے باز نہیں رکھا۔ پھر جو تو نے اُن کی
بجاآوری نہ کی تو سوائے تیری بدنفسی[2] کے اَور تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ ای شخص نجاۃ
جس کا تو اب نہایۃ آرزومندی کے ساتھ خواہاں ہی ای کاش زندگی میں تجھ کو اُس کی
اتنی بھی پروا ہوتی جیسے اَرد پر سفیدی[3]۔ دنیا کے چھوٹے چھوٹے نقصان اور ذرا ذرا سے
زیان تجھ کو مضطراد[4] بےچین کر دیا کرتے تھے اگرچہ کیا دنیا اور کیا دنیا کا خسارہ[5] کیا ہڈی
اور کیا ہڈی کا شوربا لیکن تباہی دین کی تجھ کو خبر تک بھی تو نہیں ہوئی ای کاش تجھ کو نماز
کے قضا ہونے کا اتنا ہی رنج ہوتا جتنا ایک مٹی کے پرانے آبخورے کے ٹوٹ جانے کا
ہوتا تھا ہم جانتے ہیں کہ اب تجھ کو بہت ہی بڑی ندامۃ ہی لیکن اس ندامۃ کا کچھ[6] حاصل
نہیں اس واسطے کہ یہ دارالجزا[7] ہی دارالعمل نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تو ایک بات کا جواب بھی
نہیں دے سکتا لیکن حجۃ تمام کرنے کی نظر سے ہم تجھ کو مہلۃ دیتے ہیں جا اپنے نامۂ اعمال[9] کو
دیکھ اور اچھی طرح سوچ سمجھ کر کوئی بات ہم سے بیان کر بشرطیکہ معقول اور قابلِ قبول ہو۔

[1] دنیا کے فائدے
[2] بدذاتی
[3] محاورہ
[9] وہ کاغذ جس میں انسان کے تمام برے بھلے کام جو اس نے دنیا میں کیے ہیں لکھے ہوں

خواب سے بیدار ہو کر نصوح کو اپنی اور اپنے خاندان کی لایعنی زندگی پر سخت تاسف ہوا اور اُس نے تلافی[۹۱] مافات کا عہد کر کے فہمیدہ اپنی بی بی سے ماجراے خواب بیان کیا اور اصلاح خاندان کے لئے اُس کو اپنا مددگار بنایا

باپ نے جو یہ اپنی رام کہانی سُنائی بیٹے پر اس طرح کی ہیبت چھائی کہ چونک پڑا۔ جاگا تو پھر وہی دالان تھا اور وہی تیمارداریوں کا سامان بی بی پاس بیٹھی ہوئی آہستہ آہستہ پنکھا جھل رہی تھی۔ میاں کی آنکھ کھلی ہوئی دیکھ اس کی جان میں بھی جان آئی ورنہ جس گھڑی سے میاں نے جی[۹۲] بُرا کیا تھا سہموں کے مارے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں تھا۔ نصوح آٹھ بجے ڈاکٹر کی دوا پی کر جو پڑا تھا تو اُس وقت کا سویا سویا اب کہیں دو بجے جا کر ہوشیار ہوا چونکہ ڈاکٹر کہہ گیا تھا کہ نیند آگئی تو جاننا کہ بیمار بچ گیا اس کے سو جانے سے سب کو تسلی سی ہو گئی تھی مگر جب زیادہ دیر ہوئی تو عورتیں پھر گھبرانے لگیں کہ نہیں معلوم کم بخت ڈاکٹر کیسی دوا پلا گیا ہے کہ دوپہر پڑے پڑے گزر گئے کروٹ تک نہیں بدلی۔ خدا جانے اندر سے جی کیسا ہے اور دل پر ایسی کیا آن بنی ہے کیونکر ہوش آئے گا دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ نصوح بیدار ہوا تو بی بی نے پوچھا کیسی طبیعت ہے۔ اچھے سوئے کہ گھر میں رونا پیٹنا ہو گیا اور تم کو خبر نہیں۔ بولو بات کرو کہ اوپر والوں[۹۳] کو تسلی ہو۔ کسی بچے کے مُونہ میں دانہ تک گیا ہو تو حرام۔ چھوٹے بڑے سب کل کا کھائے سوئے ہیں روتے روتے لڑکیوں کی آنکھیں سوج گئی ہیں۔ لڑکے ہیں کہ مضطر اور پریشان پھرتے ہیں۔ بی بی نے ہر چند دل جوئی کی باتیں کیں مگر نصوح کو خواب کا سارا ماجرا پیش نظر تھا مطلق جواب نہ دیا۔ بی بی سمجھی کہ بیماری کی وجہ سے بولنے کو

جی نہ چاہتا ہوگا مگر وہ خدشہ سب کے دل سے دفع ہو گیا۔ مبارک سلامتہ ہونے لگی اور گھر بھر نے بے رمضان کے عید منائی۔ گو دیر ہو گئی تھی مگر لوگ بھوکے تھے بازار سے حلوا پوری منگوا کر سب نے تھوڑا بہت کھایا پیا۔ کھانے ہی میں کسی نے یہ بات بھی چھیڑی کہ مریض کا غسل صحۃ ہو تو ایک رت جگا بڑی دھوم سے کیا جائے اور اچھے ہونے کی شادی کریں۔ یہ لوگ تو شادی اور رت جگے کے ارادے کر رہے تھے اور نصوح اپنے خواب کے تصور میں غلطاں پیچاں تھا۔ اُس کا دل مان گیا تھا کہ یہ خواب میرے وہم و خیال کا بنایا ہوا تو ہرگز نہیں ہے۔ ہو نہ ہو یہ ایک امر من جانب اللہ ہے خواب کیا ہے رویائے صادقہ اور الہامِ الٰہی ہے۔ باپ کا اظہار اس نے ایسی توجہ سے سنا تھا کہ حرف بحرف نوک زبان یاد تھا جتنے الزام باپ پر لگائے گئے تھے غور کرتا تھا تو سب اپنے میں پاتا تھا بلکہ باپ کی حالۃ سے اپنی حالۃ کو مقابلہ کرتا تھا تو کچھ نسبت نہ تھی۔ اُن مرحوم کا یہ حال تھا کہ نماز روزے کے پابند۔ ورد وظائف کے مقید۔ معاملے کے صاف۔ بیوہار کے کھرے لوگوں کے دیکھنے میں محتاط۔ پرہیزگار۔ متقی۔ دیندار۔ اور یہاں نماز بھی تھی تو گنڈے دار۔ عیدین تو ضرور اس واسطے کہ عید سے بڑھ کر مسلمان کا کوئی تیوہار نہیں اس سے بھاری کوئی میلہ نہیں برس روز میں یہی دو دن تو ساز و سامان کی نمائش کے ہوتے ہیں۔ کوئی اپنے نئے شاندار کپڑوں میں اکڑ رہا ہے۔ کوئی گھوڑے کو چھیڑ چھیڑ کر کُدّاتا ہوا قصداً لوگوں کی بھیڑ کو چیرتا پھاڑتا چلا جا رہا ہے۔ کوئی نوکروں کی ہٹو بڑھو سُن کر بھولا ہوا ہے۔ کوئی کرائے یا مانگے کے تانگے پر سوار گاڑی بان سے کہتا ہے جو دھری کیسا سڑیل تانگہ بنا رکھا ہے گدا ہے تو میلا۔ پوشش ہے تو پھٹی ہوئی۔ نہ بیلوں کے گلے میں گھونگھرو۔ نہ پہیوں میں جھانجھ۔ خیر اب نماز کا وقت قریب ہے اتنا تو کر کہ وہ آگے اکہ جا رہا ہے اُس کے برابر لگائے

اندیشہ ۱۱ جب کوئی خوشی ہوتی ہے اور کوئی عزیز اچھا ہوتا ہے تو رات بھر جاگتی ہیں اور گیت گاتی ہیں ۱۲ پیچاں ۱۲ حیران پریشان ۱۲ سچا خواب ۱۲ خدا کی طرف کا اشارہ ۱۲ جس کا جسم کھا پیس مسلمانوں میں جب کوئی مر جاتا ہے تو اس کی طرف اس لفظ سے اشارہ کیا کرتے ہیں ۱۲ احتیاط والے ۸ یعنی کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی ۱۲ ۹ دونوں عیدیں یعنی عید بقرعید ۱۰ اور پر چڑھا کر ۱۲ ۱۱ کاکر

چل۔ مردِ آدمی تجھ کو انعام لینے کا بھی سلیقہ نہیں۔ رہا جمعہ اگر کپڑے خوب صاف ہوئے اور دھوپ بھی ایسی سخت نہ ہوئی دن ابر و باد سے پاک ہوا دوست آشناؤں سے ملنے کو جی چاہا تو گئے ورنہ محلے ہی کی مسجد میں ٹرخالی یا دل میں تاویل کر لی کہ شرائطِ جمعہ میں اختلاف ہے۔ پنج وقتی کو تو کبھی فرض و واجب کیا مستحب بھی نہیں سمجھا صبح اور ظہر اور عشا تو عمر بھر پڑھی ہی نہیں کیونکہ عین سونے کے وقت تھی۔ رہی عصر سو ہوا خوری اور سیر بازار اور خرید و فروخت دوست آشناؤں کی ملاقات دنیا بھر کی ضرورتوں کو بالائے طاق رکھتے تو ایک نماز پڑھتے۔ مغرب کے واسطے تو عذر ظاہر تھا وقت کی تنگی جب تک پھر پھرا کر گھر آئے حمرۂ شفق زائل ہو جاتی تھی۔ یہ تو اُس عبادۃ کا حال تھا جس کو ثواب بے زحمت اور اجر بے تکان کہنا چاہیئے اور جس عبادۃ میں ذرا سی تکلیف بھی تھی جیسے روزہ یا زکوۃ حتی الوسع کوئی نہ کوئی حیلہ شرعی اُس سے معاف رہنے کا سوچ لیا جاتا تھا۔ رجب کا مہینا آیا اور روزوں کے ڈر کے مارے ایک عجب طرح کا سہم چڑھا۔ سب سے آسان نسخہ یہ کہ کسی طبیب کے یہاں آنا جانا شروع کیا۔ انھوں نے چند روزہ زندگی کے واسطے وہ وہ بکھیڑے کھڑے کر رکھے ہیں کہ روے زمین پر اُن کے نزدیک کوئی تن درست ہی نہیں۔ یوں ملنے ملاقات کرنے جاؤ تو پان کی عوض نسخہ حوالے کر دیتے ہیں اور جہاں ایک دفعہ دوا پی اور روگ لگا۔ رمضان کے آتے آتے تو طبیعت خاصی محتاج مسہل ہو گئی اور حکیم صاحب کی بدولت روزوں سے بچ گئے۔ زکوۃ کا ٹال دینا تو کچھ بڑی بات نہ تھی نصاب پر حول کامل کیوں گزرنے دیں کہ زکوۃ دینی پڑے جب دیکھا کہ برس پورا ہونے آیا بی بی کے نام زبانی ہبہ کر دیا۔ گھی کہاں گیا کھچڑی میں۔ جب بی بی پر وجوب زکوۃ کا وقت آیا پھر اپنے نام ہبہ کرا لیا اور ٹھہرا بدلائی کر کے خدا کو بالا بتا یا۔

ف یعنی بڑے دل سے ادا کی۔ ف۲ شفق کی سرخی نماز مغرب کا وقت حمرۂ شفق کے زائل ہونے کے بعد نہیں رہتا۔ ف۳ جہاں تک ہو سکتا تھا۔ ف۴ تدبیر۔ ف۵ برس ف۶ مال کا چالیسواں حصہ جو برس پیچھے خدا کی راہ میں دیا جاتا ہے۔ ف۷ مال کی وہ مقدار جس پر زکوۃ واجب ہو جاتی ہے سکہ رائج میں چاندی کے ساڑھے باون تولے ... ف۸ پورا سال۔ ف۹ بخشش بلا عوض۔ ف۱۰ ٹھہرا کے ... ف۱۱ ٹال دیا۔

یا مال کو ایسے پیرایے میں رکھا کہ زکوۃ سے بری رہے خاصی طرح دکانیں مول لیں۔ مکان
بنوائے اُن میں کرایہ دار بسائے کہ مال نامی آپ نامی زکوۃ ندارد۔ غرض جہاں تک نصوح
احتساب کرتا تھا اپنے تئیں دین سے بے بہرہ۔ ایمان سے بے نصیب۔ نجاۃ سے دور۔ ہلاکۃ
و تباہی سے قریب پاتا تھا جس عمل نیک پر نظر کرتا یا تو سرے سے اُس کے اعمال نامے میں
تھا ہی نہیں اور تھا بھی تو ایک عمل اور سیکڑوں رخنے۔ ہزاروں فساد۔ دو چار نمازیں ہیں
تو کاہلی و بے دلی و ریا سے خالی نہیں۔ کبھی جاڑے کے دنوں میں یا افطار و سحور میں شریک
ہونے کی نظر سے جو روزے رکھنے کا اتفاق ہوا تھا تو اُن میں دکھاوے اور ظاہرداری کا نقص
تو تھا ہی تھا تکلیف کی شکایت سے نیکی برباد گناہ لازم۔ کبھی کسی بھوکے ننگے کو وہ چیز جو اپنے
مصرف کی نہ تھی دی تو اُس کو یوں اکارت کیا کہ ایک دفعہ دے کر سو سو بار احسان جتایا اور یہ
سمجھے کہ بیچارے محتاج کو عمر بھر کے واسطے مول لے لیا۔ خلاصہ یہ کہ کوئی عمل نیک نہ تھا جو خالصۃً
للہ ہو اور انصافاً اُس کے ثواب کی توقع اُس کے اجر کی امید کی جائے۔ ان خیالات نے نصوح کے دل پر
ایسا اثر کیا کہ وہ بے اختیار ہو کر رویا اور کہنے لگا کہ الٰہی مجھ سے زیادہ نالائق۔ نابکار۔ ناکس۔
ناہنجار بھی کوئی شخص ہو گا کہ میں نے اپنی ساری عمر تیری نافرمانی میں کاٹی۔ کاش میں پیدا ہی نہ
ہوتا یا پیدا ہوا تھا تو معصیۃ پر قدرۃ نہ رکھتا۔ کوئی ایسی سخت مصیبۃ مجھ پر پڑتی کہ سر کھجانے
کی فرصۃ نہ دیتی۔ مجھ پر بجلی نہ گری۔ آسمان نہ ٹوٹ پڑا۔ مجھ کو سانپ نہ سونگھ گیا۔ ہیضہ کر کر کے
میں بے حیا پھر اُٹھ بیٹھا۔ لعنۃ ہے مجھ پر اگر اب مدۃ العمر گناہ کے پاس پھٹکوں۔ تف ہے میری
زندگی پر اگر پھر معصیۃ پر اقدام کروں۔ یہ عہد اپنے جی میں استوار کر کے اُس کو پھر اپنی

عمرِ تلف شدہ کا خیال آ گیا اور دل ہیں کہنے لگا کہ میں نے ساری عمر جو اس تباہ حالۃ میں غارۃ کی
اُس کی تلافی کچھ بھی میرے اختیار میں نہیں اور بڑی بے الضافی ہی کہ میں جرم کروں اور سزا
نہ پاؤں۔ گناہ کروں اور اُس کا یاداش نہ بھگتوں۔ نصوح کو اپنے گناہوں پر اُس وقت اتنی ندامۃ
تھی کہ مرنے کو وہ اپنی ایک ادنےٰ سی سزا سمجھتا تھا۔ گھر بھر اُس کے جاں بر ہونے کی خوشی منا
رہا تھا اور اُس کو افسوس تھا کہ میں مر کیوں نہیں گیا۔ علالۃ کی وجہ سے اُٹھنے سے معذور تھا مگر
تکیے پر اوندھا سر کیے ہوئے پڑا تھا اور کہہ رہا تھا کہ خدایا میں تو اسی قابل ہوں کہ دوزخ میں
جھونک دیا جاؤں مگر جو تو نے اپنے فضل سے پھر چند روز کے واسطے دنیا میں رکھ لیا ہی تو ایسی
توفیق عطا کر کہ نکوکاری اور تیری اطاعۃ و فرماں برداری میں رہوں اور میری زندگی دین دارانہ زندگی
کا نمونہ ہو۔ اپنے نفس کے احتساب سے فارغ ہوا تو نصوح کو خاندان کا خیال آیا۔ دیکھا تو بی بی
بچے سب ایک رنگ میں ہیں۔ دنیا میں منہمک۔ دین سے بے خبر۔ تب یہ دوسرا صدمہ نصوح کے دل پر ہوا کہ
واحسرتا میں تو تباہ ہوا ہی تھا میں نے ان تمام بندگان خدا کی بھی باٹ ماری۔ اپنی شامۃ اعمال کیا کم
تھی کہ میں نے ان سب کا وبال سمیٹا۔ مجھ کو خدا نے اس گھر کا مالک اور سردار بنایا تھا اور اتنی روحیں
مجھ کو سپرد کی تھیں افسوس میں نے ودیعۃ ایزدی کو تلف کیا اور امانۃ الٰہی کی نگہداشت میں مجھ سے
اس قدر سخت غفلۃ ہوئی یہ سب لوگ میرے حکم کے مطیع اور میری مرضی کے تابع تھے میں نے اپنا بُرا
نمونہ دکھا کر ان سب کو گم راہ کیا اگر میں قدغن رکھتا تو یہ کیوں بگڑتے اور یہ بگڑے تو آخر ان سے جو
نسل چلے گی وہ بھی بگڑے گی۔ غرض میں دنیا میں بدی کا بیج بو چلا جو لوگ خدا کے اچھے بندے ہوتے ہیں باقیات الصالحات اور یادگار
نیک دنیا میں چھوڑ جاتے ہیں میں ایسا بدبخت ہوا کہ مجھ سے یادگار بھی ہی تو بدی جب تک میری نسل رہے گی

بڑھتی اور پھیلتی جائے گی جب یہ لوگ خدا کے روبرو جوابدہی کے واسطے حاضر ہوں گے تو آخر کہیں گے کہ ہم کو کسی نے راہِ نیک بتائی نہیں تو میں کیا جواب دوں گا۔ یہ خیال کر کے نصوح پھر ایک مرتبہ پکار کر رویا اور دوسرا عہد اُس نے یہ کیا کہ جتنے لوگ میرے خاندان میں ہیں سب کی اصلاحِ وضع کروں گا اور پھر اُس نے خدا سے دعا کی کہ ای الٰہ العالمین تو اس ارادے میں میری مدد کر۔ جو مشکل پیش آئے آسان ہو جائے۔ میری بات میں اثر دے اور میرے عزم میں استحکام نصوح کو ایسی ٹھوکر نہیں لگی تھی کہ وہ اُس کو بھول جاتا متنبہ ہوئے پیچھے اُس کو اپنی اصلاح دشوار نہ تھی مگر اصلاحِ خاندان ایک بڑا مشکل کام تھا وہ بخوبی واقف تھا کہ دین داری اور خدا پرستی میرے خاندان کے لئے بالکل نئے الفاظ ہیں جن سے چھوٹے بڑے کسی کے کان آشنا نہیں۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ گھر بھر ایک طرف ہو گا اور میں اکیلا ایک طرف۔ نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سُنے گا اور میں ایک سوئی سا چنا بن کر کیوں کر معصیت کے بھاڑ کو پھوڑ ڈالوں گا پس وہ غور کرنے لگا کہ کس کو اپنا مددگار بنائے کس کو صلاح کار قرار دے آخر یہی دل میں آیا کہ اصلاحِ خاندان کے لئے بی بی سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں اور خدا کو کچھ اس خاندان کی فلاح ہی منظور تھی کہ نصوح نے بی بی کو پڑھا لکھا بھی لیا تھا۔ جب نصوح کا نیا نیا بیاہ ہوا اُن ہی دنوں تعلیمِ نسواں کا چرچا شروع تھا نئی نئی کتابیں جو عورتوں کے واسطے جاری ہوئی تھیں نصوح نے سب کو بہت شوق سے دیکھا تھا اور اُس کا دل اس بات کو مان گیا تھا کہ عورتوں کے لکھانے پڑھانے میں چند در چند فوائد دینی و دنیوی مضمر ہیں چنانچہ اُس نے بعض کتابوں میں سے بعض مقاماتِ دلچسپ بی بی کو پڑھ کر سُنائے بھلائی کی بات سبھی کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ بی بی نے بھی اس کو تسلیم کیا کہ عورتوں کے لئے پڑھنا بہت مفید ہے بال بچوں کا کچھ کھیڑا نہ تھا میاں سے پڑھنا شروع کیا تو چار پانچ مہینے میں

اُردو لکھنے پڑھنے لگی تب سے اب تک تھوڑا بہت مشغلہ چلا ہی جاتا تھا۔ نصوح کو اس وقت بی بی کا پڑھا ہونا بہت ہی غنیمت معلوم ہوا اور سمجھا کہ بی بی یوں بھی خدا کے فضل سے اسم با مسمّیٰ فہمیدہ ہے اس کو سمجھا لینا تو چنداں دشوار نہیں۔ رہے بچے جن کی عمر چھوٹی ہے وہ بھی اصلاح پذیر ہیں۔ بڑی دقّت بڑی عمر والوں کی ہے۔ ایک بیٹا ایک بیٹی بیاہے جا چکے تھے سمجھا کہ دونوں اپنے اپنے گھر کے ہیں کسی پر میرا اختیار باقی نہیں اور ہو بھی تو جوان بیٹا جوان بیٹی مار میں نہیں سکتا گھرک میں نہیں سکتا۔ نرا سمجھانا اور وہ بھی اس عمر میں بڈھے طوطوں کا پڑھانا ہے۔ آخر وہ کہیں گے نہیں کہ بُرے ہیں تو بے دین ہیں تو تمھی نے ہم کو ایسا اُٹھایا اور جب ہماری عادتیں راسخ اور خصلتیں طبیعت ہو گئیں تو اب ہم کو اُن کا ترک کرنا تعلیم کرتے اور ہم کو ناحق ملزم بناتے ہو۔ یہ سوچنا تھا کہ نصوح کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور سمجھا کہ ان دو کی اصلاح محال ہے۔ اس کو زیادہ تر افسوس اس بات کا تھا کہ خدا کے فضل سے دونوں کے آگے اولاد ہے جس طرح میری بدی نے میری اولاد میں اثر کیا اُن کی بدی اُن کی اولاد میں سرایت نہ کرے گی مگر پھر بھی نصوح نے مصمم ارادہ کر لیا کہ ان شاء اللہ اپنے مقدور بھر تو کوشش کروں گا یا تو راہ راست ہی پر آئیں گے یا جیتے جی چھوڑ دوں گا۔ جو خدا کا نہیں وہ میرا بھی نہیں۔ منجھلے بیٹے اور منجھلی بیٹی کی طرف سے بھی نصوح کو خوب اطمینان نہ تھا اور جانتا تھا کہ ان کے ساتھ بھی دقت کرنی پڑے گی۔ لیکن اُس کا ارادہ ایسا مستحکم تھا کہ کوئی مشکل اس کو روک نہیں سکتی تھی اور وہ مضطرب اور مستعجل اس قدر تھا کہ چاہتا تھا ہتھیلی پر سرسوں جما لوں۔ ابھی اچھی طرح بدن میں اُٹھنے بیٹھنے کی طاقت بھی نہیں آئی تھی کہ اس نے بی بی سے کہا تھوڑا سا پانی گرم کرا دو تو میں نہالوں۔

بیوی۔ کیا غضب کرتے ہو ہاتھ پاؤں میں ذرا دم تو آنے دو نہانے کی ایسی کون سی ساعت

ماری جاتی ہے جب اصل خیر سے چلنے پھرنے لگو گے خاصی طرح حمام میں جاکر غسل کرنا۔ میاں۔
میں نماز پڑھنی چاہتا ہوں علاوہ تیں طرح طرح کی بے احتیاطی ہوئی ہے جی قبول نہیں کرتا کہ اسی
حالت سے نیت باندھ لوں۔ بیوی۔ کیا اچھے ہونے کے نفل مانے تھے۔ بی بی نے جو نماز کی سن کر ایسا
تعجب ظاہر کیا نصوح پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور جی میں کہنے لگا کہ اللہ اللہ مجھ میں اور نماز میں اتنی
دوری ہے کہ گھر والی بی بی سن کر تعجب کرتی ہے ؂ وائے بر من وائے بر انجام من۔ عار دارد
کفر از اسلام من؛ اور ایک آہ سرد کھینچ کر بی بی سے کہا کہ اگر میں نفلیں پڑھنے والا ہوتا تو بھلے ہی دن
نہ ہوتے۔ بی بی۔ منتہ نہیں نیاز نہیں تو پھر کیا جلدی ہے نماز کہیں بھاگی نہیں جاتی اچھی طرح
تن درست ہو جاؤ گے تو بہتیری نمازیں پڑھ لینا۔ اب نصوح وہ نصوح نہیں رہا تھا کہ بی بی
کو ایسی بے وقعتی کے ساتھ نماز کا تذکرہ کرتے ہوئے سنتا اور اُس کو ناگوار نہ ہوتا۔ غصہ تو آیا
مگر پھر اپنے جی میں سمجھا کہ بی بی کا کچھ قصور نہیں جس کا شوہر بے دین ہو اُس کے ایسے ہی
خیالات ہونے چاہئیں۔ تمام تر میری ہی خطا ہے اور ایک میری بے دینی نے سارے گھر کو
تباہ کر رکھا ہے۔ بی بی سے اُس وقت ردّ و کد کرنا مناسب نہ سمجھ کر اتنا ہی کہا کہ افسوس میری ناکارہ
صحبت نے تم کو کس قدر گم راہ کر دیا ہے کہ فرض خدا کو تم نے ایک سرسری سا کام سمجھا۔ غرض بی بی
کے منع کرتے کرتے نصوح نے غسل کر، کپڑے بدل نماز پڑھی۔ آج نصوح کی یہ پہلی نماز تھی کہ اُس کو داخل
عبادت کہہ سکتے ہیں وہ اس طرح ہاتھ باندھے ہوئے مؤدب کھڑا تھا جیسے کسی بادشاہ عالی جاہ کے روبرو کوئی خونی
کھڑا ہوتا ہے۔ آنکھیں زمین میں سی ہوئی تھیں۔ ہیبت سلطانی اُس پر ایسی چھا رہی تھی کہ نہ ہلتا تھا نہ جنبتا
تھا بس ایک بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑا ہوا تھا۔ عاجزی اور فروتنی اُس کے چہرے سے

ہیں اور نصوح حلیم[1] و بردبار[2] نرم دل و خاکسار ہو کر اُٹھا تھا۔ معاملاتِ روزمرہ میں اُس کی یہ کیفیۃ ہو گئی تھی کہ جو رکھ دیا چاو سے کھا لیا جو دے دیا خوشی سے پہن لیا۔ نہ حجۃ نہ تکرار نہ غل نہ غپاڑا نصوح کی عادۃ بدلی تو لوگوں کی مداراۃ[3] بھی اُس کے ساتھ بدل چلی جو پہلے ڈرتے تھے اب اُس کا ادب ملحوظ رکھتے جن کو وحشۃ و نفرۃ تھی اب اُس کے ساتھ اُنس و محبۃ کرتے۔ تھوڑے ہی دنوں میں گھر شور و شغب[4] سے پاک اور لڑائی جھگڑے سے صاف ہو گیا۔ ابتداءً نصوح کو نماز وغیرہ کا اہتمام کرتے دیکھ کر گھر والوں نے اچنبھا کیا تھا لیکن پھر تو بے کہے دوسروں پر خود بخود ایک اثر سا ہونے لگا اور نصوح اسی کا منتظر تھا کہ لوگ اس طرز اجنبی سے کسی قدر مانوس[5] اور خوگر ہو لیں تو اپنا انتظام شروع کروں۔ نصوح کی جہاں اَور عادتیں بدلی تھیں وہاں ایک یہ بھی تھی کہ وہ خلوۃ پسند[6] ہو گیا تھا۔ تمام تمام دن اکیلا بالاخانے پر بیٹھا رہتا۔ بے بلائے اگر کوئی جاتا تو یہ بھی نہ تھا کہ اُس سے بات چیت نہ کرے۔ بعض کو یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید نیند بڑھ گئی ہے۔ کوئی یہ سمجھتا تھا کہ اُترنے چڑھنے کی توانائی نہیں آئی۔ مگر فہمیدہ کو اکثر جانے کا اتفاق ہوتا تھا کبھی نماز پڑھتے دیکھا کبھی چپ بیٹھے ہوئے آخر ایک روز پوچھا کہ اکیلے تنہا چپ چاپ بیٹھے ہوئے تمھارا جی نہیں گھبراتا تھوڑی دیر کو نیچے ہی اُتر آیا کرو کہ بال بچوں کی باتوں میں دل بہلے۔ مجھ کو گھر کے کام دھندے سے فرصۃ نہیں ملتی۔ نصوح۔ میں تم سے اس بات کی شکایۃ کرنے والا تھا کہ جب سے میں بیمار ہو کر اُٹھا ہوں ع تم نے اتنا بھی نہ پوچھا کیا ہوا کیوں کر ہوا۔ کیا تم کو میرے عادات میں کچھ فرق معلوم نہیں ہوتا۔ فہمیدہ۔ رات دن کا تفاوت زمین آسمان کا فرق۔ اور پوچھنے کو

[1] برداشت کرنے والا ۱۲
[2] لفظی معنی ہیں بوجھ اٹھانے والا ۱۲
[3] آؤ بھگت ظاہرداری کا سلوک ۱۲
[4] غل
[5] ہل مل جانے والا ۱۲
[6] تنہائی کا پسند کرنے والا ۱۲

ظاہر بھی حکم کے مطابق کھڑا تھا لیکن جُھک جُھک جاتا تھا اور گر گر پڑتا تھا غرض ایسی ایسی حرکتیں اُس سے سرزد ہوتی تھیں کہ خواہ مخواہ دیکھنے والے کو رحم آئے ہفتے عشرے تک علالہ کا کسل رہا پھر تو خدا کے فضل سے نصوح بدستور توانا و تن درست ہو گیا مگر بیماری کے بعد اُس کی عادتیں اکثر بدل گئی تھیں۔ ہر وقت تو وہ کچھ سوچ میں رہتا تھا بے ضرورۃ بکنا بے تمیزی کے ساتھ ہنسنا لایعنی باتوں میں شریک ہونا اُس نے مطلقاً چھوڑ دیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ لینۃ۔ تواضع۔ وسعۃ اخلاق۔ انکسار یہ صفتیں بھی اُس میں آ گئی تھیں۔ بیماری سے پہلے اُس کی بدمزاجی اس درجے کی تھی کہ گھر والے اُس کو ہوّا سمجھتے تھے۔ دروازے کے اندر اُس نے قدم رکھا اور کیا چھوٹے کیا بڑے سب پر ایک سہم چڑھا۔ اگر بھولے سے کوئی چیز بے موقع پڑی رہ گئی اور اُس نے دیکھ پائی سب پر ایک آفۃ توڑ ماری۔ کھانے میں (اٹکل ہی تو ہے) ذرا نمک زیادہ ہو گیا یا مٹھلونا رہ گیا بس اُسی روز جانو کہ گھر میں فاقہ ہوا کتنے تو پیالے شہید ہوئے کتنی رکابیوں کا خون ہوا۔ سارے محلے میں خبر ہوئی کہ آج کھانا بگڑا۔ بچوں کو بات بات میں جھڑکی بات بات میں گھُرکی۔ یا اب نصوح کے سر پر ڈھول بجاؤ کچھ خبر نہیں بلکہ فہمیدہ بچوں کو شوخی کرتے دیکھ خفہ ہوتی اور کہتی کیسے ناہموار بچے ہیں باپ کا تو یہ حال ہے اور یہ اُنھی کے کان میں جاکر شور کرتے ہیں ذرا ڈر نہیں دیکھو اکٹھی ہی کسر نکلے گی۔ شروع میں نصوح کا یہ انداز دیکھ کر گھر والوں کو بڑا کھٹکا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ بیماری سے اُٹھے ہیں ضرور ہے کہ پہلے سے زیادہ نازک مزاج ہو گئے ہوں گے اس بلا کا غصہ چڑھا ہے کہ کسی سے بولتے ہی نہیں دیکھئے یہ قہر کس پر ٹوٹتا ہے کس کی شامۃ آئی ہے۔ مگر نصوح نے ایسا جلاب نہیں لیا تھا کہ اُس نے خون میں ذرا سی گرمی بھی لگی رہنے دی ہو۔ لوگ بیماری سے اُٹھ کر چڑچڑے اور بدمزاج ہو جاتے

تمھارے سر کی قسم کئی بار مونہ تک بات آئی مگر تمھارا ڈھنگ دیکھ کر جرأۃ[31] نہ ہوئی کہ پوچھوں
۔ نصوح۔ ڈھنگ کیسا۔ فہمیدہ۔ برا ماننے کی بات نہیں مزاج تمھارا سدا کا تیز ہے یوں ہی
ہم سب لوگ تم سے ڈرتے رہتے ہیں جب سے بیمار ہو کر اٹھے ہو سب کو خوف تھا
کہ ایک[32] تو کریلا کڑوا دوسرے نیم چڑھا پہلے ہی سے بلا کا غصہ ہے اب بیماری کی بعد کیا ٹھکانا
ہے۔ ادھر تم کو دیکھا تو کسی کی طرف ملتفت[33] نہ پایا سمجھے کہ ضرور طبیعۃ برہم اور مزاج نادرست
ہے پھر کس کی جرأۃ کس کو اتنی ہمۃ کہ پوچھے دریافت کرے۔ نصوح۔ کیوں صاحب کبھی تم نے
مجھ کو میرے مزاج کی خرابی پر متنبہ[34] نہ کیا۔ فہمیدہ۔ تنبیہ کرنا درکنار بات کرنے کا تو یارا[35] ہی نہ تھا۔
۔ نصوح۔ لیکن ان دنوں تو میں کسی پر ناخوش نہیں ہوا۔ فہمیدہ۔ گھر بھر کو اس کا تعجب ہے نصوح۔
آخر لوگ اس کا سبب کیا قرار دیتے ہیں۔ فہمیدہ۔ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وبا میں کثرۃ سے لوگوں کو مرتے دیکھا
اپنے گھر میں تین موتیں ہو گئیں خود بیمار پڑے اور خدا کے گھر سے پھر کر آئے دل میں ڈر بیٹھ گیا ہے۔ تمھارے
بڑے صاحب زادے یہ تجویز کرتے ہیں کہ ڈاکٹر نے جو اسہال[36] بند کرنے کی دوا دی دماغ میں گرمی چڑھ گئی
ہے۔ بہر کیف سب کی یہی رائے ہے کہ علاج کرنا چاہیے۔ نصوح۔ نہ گرمی ہے نہ خلل دماغ ہے خوف البتہ ہے فہمیدہ۔
مرد ہو کر تم اتنے ڈر گئے آخر ہم سب بھی تو اسی آفۃ میں تھے۔ نصوح۔ تم ہرگز اس آفۃ میں نہ تھیں۔ فہمیدہ۔
یعنی یہ کہ میں نے ہیضہ نہیں کیا لیکن تمھارا ہیضہ کرنا مجھ کو اپنے مرنے سے زیادہ شاق[37] تھا۔ نصوح۔
نہیں ہیضہ کرنے کی بات نہیں۔ بیماری اگرچہ ظاہر میں سخت تھی مگر میں تم سے کہتا ہوں کہ شروع سے
آخر تک میرے ہوش و حواس سب درست تھے تمھاری ساری باتیں میں سنتا اور سمجھتا تھا۔ ابتداءً علالۃ میں جو تم لوگوں نے
ہیضۂ امتلائی تجویز کیا پھر صبح کو حکیم صاحب تشریف لائے اور میری کیفیۃ تم نے ان سے بیان کی پھر ڈاکٹر

آئے اور اُنھوں نے دوا پلائی مجھ کو سب خبر ہی۔ جب تم لوگوں نے ڈاکٹر کے کہنے سے مجھ کو علی حدہ
دالان میں لٹایا تو مجھ کو غنودگی سی آگئی اور میں نے اپنے تئیں دوسرے جہان میں دیکھا۔ اس کے
بعد نصوح نے خواب کا سارا ماجرا حرف بحرف بی بی سے بیان کیا۔ مردوں کی نسبتہ عورتوں
کے دلوں میں نرمی اور رقتہ زیادہ ہوتی ہی اور یہی وجہ ہی کہ مذہبی تعلیم عورتوں میں جلد اثر
کرتی ہی۔ فہمیدہ نے جو میاں کا خواب سُنا اس قدر خوف اُس پر طاری ہوا کہ قریب تھا کہ غش
آجائے۔ نصوح اگرچہ تنہائی میں اپنے گناہوں پر تاسف کر کے ہر روز دو چار مرتبہ رو لیا
کرتا تھا اور ظاہر میں نہیں بھی روتا تھا تو اندر سے اُس کا دل ہر وقت روتا رہتا تھا اب بی بی
کی ہمدردی اور ہمدمی کا سہارا پاکر تو اتنا رویا اتنا رویا کہ گھگھی بندھ گئی۔ فہمیدہ پہلے ہی
خوف زدہ ہو رہی تھی میاں کا رونا اُس کے حق میں اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہوا اس نے
بھی بلبلا کر رونا شروع کیا۔ پھر تو دونو میاں بی بی ایسا روئے کہ ساون بھادوں کا
سماں بندھ گیا۔ آخر نصوح نے اپنے تئیں سنبھالا اور بی بی سے کہا کہ دنیا میں اگر کوئی چیز
رونے کے قابل ہی تو میرے نزدیک گناہ اور خدا کی نافرمانی ہی اور بس۔ کیوں کہ کوئی
مصیبتہ کوئی آفتہ گناہ سے بڑھ کر نہیں۔ دنیا کے نقصانوں پر رونا بے فائدہ دیدے کھونا ہی
مگر گناہ پر رونا گویا داغِ الزام کو دھونا ہی۔ رونا کفارۂ معصیتہ ہی۔ رونا گناہ گار کے لیئے
بہترین معذرتہ ہی۔ رونا رحمتہ کی دلیل اور مغفرتہ کا کفیل ہی۔ لیکن ہم کو اپنی آئندہ زندگی
کا انتظام بھی کرنا ضرور ہی۔ ندامتہ وہی سند ہی کہ افعالِ مابعد میں اس کا اثر ظاہر ہو۔ توبہ
وہی پکی ہی کہ آدمی جو دل میں سوچے یا مُونہ سے کہے ویسا ہی کر دکھائے۔ فہمیدہ۔

لیکن اتنی عمر اس خرابی میں بسر کی اب نجاۃ و مغفرۃ کی کیا امید ہے میں تو جانتی ہوں
کہ ہمارا مرض علاج سے درگزرا۔ نصوح۔ خدا کی رحمۃ سے مایوس ہونا بھی کفر ہے۔ وہ
بے نیاز بڑا غفور رحیم ہے کچھ اُس کو ہماری عبادۃ کی پروا نہیں۔ اگر روے زمین کے تمام
آدمی اُس کی نافرمانی کریں تو اُس کی بادشاہی اور دائمی سلطنۃ میں ایک سر مو برابر بھی فرق
نہیں آئے گا اور اسی طرح اگر تمام زمانہ فرشتہ سیرۃ ہو جائے اور سارے آدمی شبانہ روز
مصروف عبادۃ رہیں تو اُس کی عظمۃ اور کبریا میں ایک رائی کے دانے کی قدر بھی زیادتی
اور افزونی نہ ہو گی۔ اگر خدا کو اپنی پرستش اور عبادۃ ہی کرانی منظور ہوتی تو وہ نافرمان
گنہ گار سرکش متمرد انسان کی جگہ فرشتے پیدا کر سکتا تھا۔ پھر یہ باتیں جو ہم پر فرض
و واجب کی گئی ہیں ہماری ہی اصلاح ہماری ہی بہبود کے لیے۔ اور اس میں بھی شک
نہیں کہ اُس میں پرلے سرے کا رحم اور غایۃ درجے کا حلم ہے۔ لاکھ گناہ کرو جہاں
عجز و الحاح کیا منت و زاری سے پیش آئے بس پھر کچھ نہیں ؎ اگر خشم گیرد بکردار
زشت ؛ چو باز آمدی ماجرا در نوشت ؛ وہ معبود جابر نہیں سخت گیر نہیں کینہ ور نہیں مگر
ہے کیا کہ غیور بڑا ہے۔ اس کی مطلق برداشت نہیں کہ کسی کو اُس کا شریک خدائی گردانا
جائے۔ فہمیدہ۔ کتنا ہی درگزر کیوں نہ ہو مگر اپنے گناہوں کی بھی کچھ انتہا ہے۔ ماں باپ
کو جیسی اولاد کی مامتا ہوتی ہے ظاہر۔ مگر دیکھو کلیم کی حرکتوں سے میرا تمہارا دونوں کا جی آخر کھٹا ہو ہی
گیا۔ کتنی برداشت کہاں تک چشم پوشی۔ نصوح۔ خدا کی پاکیزہ اور کامل صفتوں کو آدمی کی
ناقص و ناتمام عادتوں پر قیاس کرنا بڑی غلطی ہے۔ تمام دنیا کے ماں باپوں کو جو اولاد

کی محبت ہے وہ ایک شمہ[1] ہے اُس عنایت بے غایت[2] اور لطف و شفقت بے منت[3] کا جو خداوند کریم ہر حال میں اپنے بندوں پر فرماتا ہے۔ گناہ اور نافرمانی انسان کے خمیر میں ہے۔ اگر بندوں کے گناہ پر اُس کو نظر ہوتی تو ہر متنفس[4] کشتنی[5] اور گردن زدنی[6] تھا۔ دنیا کاہے کو بستی۔ لیکن اللہ رے درگزر۔ گناہ بھی ہو رہے ہیں اور رزق کا راتب[7] جو سرکار سے بندھا ہے موقوف ہونا کیسا کبھی ناغہ بھی تو نہیں ہوتا۔ سانس لینے کو ہوا طیار۔ پینے کو پانی موجود۔ آرام کرنے کو رات۔ کام کرنے کو دن۔ رہنے کو مکان۔ وہی چاند۔ وہی سورج۔ وہی سامان۔ وہی زمین۔ وہی آسمان۔ وہی برسات وہی فواکہ[8] و نباتات[9] جملہ اعضا[10] ہاتھ پاؤں آنکھ کان اپنی اپنی خدمت پر مستعد نہ ماندگی نہ کسل نہ تکان۔ پس جب کہ خدا ایسے ایسے گناہ اور ایسی ایسی نافرمانیوں پر نیکی سے نہیں چوکتا تو یہ بات اس کی ذات ستودہ صفات[11] سے بہت ہی مستبعد[12] معلوم ہوتی ہے کہ اُس کی درگاہ میں معذرت کی جائے اور نہ بخشے۔ توبہ کی جائے اور قبول نہ کرے۔ اُسی وقت میاں بی بی دونوں نے دعا کے واسطے ہاتھ پھیلا دئے اور گڑگڑا گڑگڑا کر اپنے اور ایک دوسرے کے گناہوں کی مغفرت چاہی۔ اس کے بعد فہمیدہ تو مسرت و اطمینان کی سی باتیں کرنے لگی مگر نصوح کی افسردہ دلی بدستور باقی تھی۔ تب فہمیدہ نے پوچھا کہ جب توبہ کرنے سے گناہوں کا معاف ہو جانا یقینی ہے اور آئندہ کے واسطے ہم عہد کرتے ہیں کہ پھر ایسا نہ کریں گے تو کیا وجہ ہے کہ تم اُداس سے ہو میں دیکھتی ہوں تو تمھارے مُونہ پر ذرا بھی بحالی نہیں۔ نصوح۔ ایمان خوف و رجا[13] کا نام ہے توبہ کا قبول کیا جانا کچھ ہمارا استحقاق نہیں خدائے تعالیٰ قبول کرے تو اُس کی عنایت ہے اور قبول نہ کرے تو ہم کو نہ مقام گلہ ہے نہ محل شکایت ؎

اگر بخشے زہے قسمت نہ بخشے تو شکایت کیا ؛ سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے ؛؛ آئندہ کے عہد پر بھی کیا بھروسا ہو سکتا ہے

[1] قدر قلیل ۱۲
[2] بے انتہا ۱۲
[3] بے احسان یعنی جو دنیا ہے اور احسان جتا کر شرمندہ نہیں کرتا ۱۲
[4] سانس لینے والا اور یہی مراد ہے ذی روح بشر ۱۲
[5] قتل کئے جانے کے قابل ۱۲
[6] گردن مارنے کے قابل ۱۲
[7] خوراک کا معمول مقرر ۱۲
[8] میوے ۱۲
[9] پھل پھول ترکاریاں ۱۲
[10] جوڑ بند ۱۲
[11] جس کی خوبیاں تعریف کے لائق ہیں ۱۲
[12] دور۔ بعید از قیاس ۱۲
[13] امید ۱۲

انسان مخلوق ضعیف البنیان ہی غفلۃ اُس کی طینۃ ہی اور نافرمانی اُس کی طبیعۃ۔ خدا ہی توفیق خیر دے تو عہد کا نباہ اور وعدے کا ایفا ممکن ہی ورنہ آدمی سے کیا ہو سکتا ہی ۔ کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہو گا ؛ ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہو گا ؛ جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے ؛ جو کچھ ہو گا تیرے کرم سے ہو گا ؛ اور میری افسردگی کی ایک وجہ اَور ہی کہ کسی طرح اُس سے میرا قلب مطمئن نہیں ہوتا۔ فہمیدہ۔ وہ کیا۔ نصوح۔ وہ یہ ہی کہ میں تو بگڑا ہی تھا میں نے ان بچوں کو کیسا غارۃ کیا۔ میری دیکھا دیکھی یہ بھی گئے گزرے ہوئے۔ تم دیکھتی ہو کہ چھوٹے بڑے سب ایک رنگ میں ہیں کسی کو بھی دین داری سے مس ہی کوئی بھی خدا پرستی کی طرف رغبۃ رکھتا ہی۔ اور رغبۃ ہو تو کہاں سے ہو۔ نہ تو گھر میں دین و مذہب کا چرچا کہ خیر دوسروں کو دیکھ کر آدمی نصیحۃ پکڑے۔ نہ کوئی کہنے اور سمجھانے والا کہ نیک و بد کا امتیاز سکھائے۔ بلکہ حق تو یہ ہی کہ میں ان کی تباہی اور خرابی میں ہر طرح کی مدد کرتا رہا۔ افسوس ہی کہ میں نے ان کے حق میں کانٹے بوئے۔ ان کے ساتھ دشمنی کرتا رہا۔ اور جانا کہ میں ان کی بہتری چاہتا ہوں۔ میں جو غور کرتا ہوں تو کھیل کود کی جتنی خراب عادتیں ہیں حقیقۃ میں اُن کا بانی اور معلم میں ہوں۔ میں نے ان کا جی بہلانے کو کھلونے اور کنکوے لے لے دیئے۔ میں ان کو خوش کرنے کی نظر سے بازار ساتھ لے گیا۔ میں نے ان کو دام دے دے کر بازاری سودوں کی چاٹ لگائی۔ جانور پالنے ان کو میں نے سکھائے۔ میلے تماشے ان کو میں نے دکھائے۔ خوش وضعی خوش لباسی کی لت ان کو میں نے ڈلوائی میں خود عیب مجسم ایک نمونہ ان کے پیش نظر تھا جو جو کچھ یہ کرتے ہیں ماں کے پیٹ سے لے کر نہیں آئے مجھ سے سیکھا میری تقلید کی۔ میں ہرگز اس نعمۃ کے لائق نہ تھا کہ مجھ کو بچوں کا باپ بنایا جائے۔ میں کسی طرح اس عنایۃ کے شایاں نہ تھا کہ مجھ کو

ایک بھرے کنبے کی سرداری ملے۔ یہ بھی میرے نصیبوں کی شامت اور ان کی بدقسمتی تھی کہ ان کی
پرداخت مجھ کو سپرد ہوئی۔ افسوس سنِ تمیز کو پونہچنے سے پہلے یہ یتیم کیوں نہیں ہو گئے۔ شیر خوارگی
ہی میں میرا سایۂ زبون ان کے سر پر سے کیوں نہیں اُٹھا لیا گیا کہ کوئی دوسرا ان کی تربیت
کا متکفل ہوتا جو اپنی خدمت کو مجھ سے بدرجہا بہتر انجام دیتا۔ غضب ہی کہ یہ اشراف کے بچے
کہلائیں اور پاجیوں کی سی عادتیں رکھیں۔ مجھ کو اب ان کی شکل زہر معلوم ہوتی ہی۔ صورۃً سیرۃً
ظاہر باطن ایک سے ایک خراب۔ ایک سے ایک بدتر۔ ایک نابکار کو دیکھو کہ وہ ماش کے آٹے کی
طرح ہر وقت اینٹھتا ہی رہتا ہی۔ کبھی سینے پر نظر ہی۔ کبھی بازوؤں پر نگاہ ہی۔ آدم زاد ہو کر لقا کبوتر
کا پٹھا بنا پھرتا ہی اتنا اکڑتا ہی کہ گردن گُدّی میں جا لگی ہی۔ کپڑے ایسے چست کہ گویا
بدن پر سیئے گئے ہیں۔ چھاتی پر انگرکھے کے بند ہیں۔ گھٹنوں تک پائجامے کی چوڑیاں پڑی
ہیں۔ ایک دیولی برابر ٹوپی ہی کہ خود بخود گری پڑتی ہی۔ دوسرا ناہنجار صبح اُٹھا اور کبوتر کھول
باپ دادے کا نام اُچھالنے کوٹھے پر چڑھا۔ پہر سوا پہر دن چڑھے تک کوٹھے پر دھما چوکڑی
مچائی۔ مارے باندھے مدرسے گیا عصر کے بعد سے پھر کوٹھا ہی اور کنکوا ہی۔ شام ہوئی اور شطرنج
بچھا۔ اتوار کو مدرسے سے چھٹی ملی تو بٹیریں لڑائیں۔ تیسرے نالایق بڑے میاں سو بڑے میاں
چھوٹے میاں سبحان اللہ محلہ نالاں۔ ہم سایے عاجز۔ اس کو مار۔ اُس کو چھیڑ۔ چاروں طرف
ایک تراہ تراہ مچ رہی ہی۔ غرض کچھ اس طرح کے بے سرے بچے ہیں ناہموار۔ آوارہ۔ بے ادب۔
بے تمیز۔ بے حیا۔ بے غیرت۔ بے ہنر۔ بدمزاج۔ بدزبان۔ بدوضع کہ چند روز سے دیکھ دیکھ کر میری آنکھوں میں
خون اُترتا ہی۔ ان کے حرکات و سکنات نشست و برخاست کوئی بھی تو بھلے مانسوں کی سی نہیں

گالی دینے میں ان کو باک نہیں۔ فحش بکنے میں ان کو تامل نہیں۔ قسم ان کا تکیہ کلام ہے۔ نہ زبان کو روک ہے نہ مُونہ کو لگام ہے۔ ان کی چال ہی کچھ عجب طرح کی اکھڑی اکھڑی ہے کہ بے تہذیبی ان کی رفتار سے ظاہر ہے۔ رہیں لڑکیاں میں تسلیم کرتا ہوں کہ اُن میں اس طرح کے عیوب نہ ہوں گے جو لڑکوں میں ہیں۔ لیکن ساتھ ہی مجھ کو اس کا بھی تیقن ہے کہ دین دارانہ زندگی تو کسی کی بھی نہیں اُن کو بھی اکثر گڑیوں میں مصروف پاتا ہوں یا کنبے میں کوئی تقریب ہونے والی ہوتی ہے تو کپڑوں کا اہتمام کرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ لڑکے گالیاں بہت بکتے ہیں تو لڑکیاں کوسنے کثرت سے دیا کرتی ہیں قسم کھانے میں جیسے وہ بے باک ہیں یہ بھی بے دھڑک ہیں۔ بہر کیف کیا لڑکے کیا لڑکیاں میرے نزدیک تو دونو کچھ ایک ہی طرح کے ہیں۔ ان سب کی یہ تباہ حالت دیکھ کر میں زہر کے سے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہوں۔ مگر پھر دیکھتا ہوں تو ان کا کچھ بھی قصور نہیں۔ خطا اگر ہے تو میری ہے اور تمھاری۔ انکے عیوب پر جھجھلانا اور ملامت کرنا کیسا ہم نے کبھی ان کو روکا ٹوکا تک بھی تو نہیں۔ فہمیدہ۔ تم تو باہر کے اُٹھنے بیٹھنے والے ٹھیرے اس میں تو میرا ہی سراسر قصور ہے۔ بچے ابتدا میں ماؤں ہی سے زیادہ مانوس ہوتے اور ماؤں ہی کی خو بو پکڑتے ہیں۔ بلکہ تم جب کبھی ان کو نصیحت کرتے اور کسی بات پر گھُرکتے تو میں اُلٹی ان کی حمایت لیتی تھی۔ ان سب کو میں نے خراب کیا اور اس کا الزام بالکل میری گردن پر ہے۔ نصوح۔ بے شک تم نے بھی ان کی اصلاح میں کوشش نہیں کی لیکن پھر بھی میں باپ تھا تم سے ان کی پرورش متعلق تھی اور مجھ سے ان کی اصلاح و تہذیب۔ فہمیدہ۔ ہاں میں نے ان کے بدنوں کو پالا اور ان کی روحوں کو تباہ اور ہلاک کیا۔ میری ہی بیہودہ محبت نے ان کی عادتیں بگاڑیں میرے ہی نامعقول لاڈ پیار نے انکے مزاجوں کو گندہ ان کی طبیعتوں کو بے قابو بنایا۔ نصوح۔ لیکن اگر میں اپنے کام پر آمادہ اور سرگرم ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ میں کہوں اور وہ نہ سنیں

میں چاہوں اور نہ کریں۔ آخر میں ان پر ضابطہ تھا۔ میں ان پر ہر طرح کی قدرت رکھتا تھا اور نہ صرف
ان پر بلکہ تم پر اور سارے گھر پر۔ فہمیدہ۔ پھر بھی جس قدر ان کی برائیاں مجھ پر ظاہر ہوتی رہتی تھیں
اُن کا شاید دسواں حصہ بھی تم پر منکشف[1] نہ ہوتا ہوگا۔ جان بوجھ کر میری عقل پر پردہ پڑ گیا۔ دیکھتے بھالتے
میں اندھی بنی رہی۔ اب بھی جو جو خرابیاں ان کی میں جانتی ہوں تم کو معلوم نہیں۔ دیکھو لڑکیاں
ہی ہیں کہ تم گڑیاں کھیلنے اور کپڑوں کا اہتمام کرنے کے سوائے اُن کے حالات سے محض بے خبر ہو
میں نہ جانتی ہوں کہ ان کے مزاجوں میں کیا کیا خرابیاں ہیں ان کی عادتوں میں کیسے کیسے
بگاڑ ہیں۔ نصوح۔ پھر آخر کیا کرنا ہوگا۔ فہمیدہ۔ میرے گمان میں ان بچوں کی اصلاح تو اب
ہمارے امکان سے خارج ہے۔ نصوح۔ البتہ ناممکن نہیں تو نہایت دشوار ہونے میں بھی کچھ شک
نہیں۔ فہمیدہ۔ دشوار تم ہی کہو آسمان میں تھگلی[2] کا لگانا ممکن ہے اور ان کی اصلاح ممکن نہیں۔
اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے مگر یہ درست ہونے والے نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کلیم ایک ایک
بات کے سو سو جواب دینے کو موجود ہے۔ اور ایک کلیم پر کیا الزام ہے جتنے بڑے وتنے کڑے جتنے
چھوٹے وتنے کھوٹے۔ نصوح۔ تو کیا ان کو اسی گم راہی میں رہنے دیں کہ اَور بد تر ہوں۔ ان کو
باختیار خود چھوڑ دیں کہ پیٹ بھر کر خراب ہوں۔ فہمیدہ۔ بڈھے طوطوں کا پڑھانا اَلّی لکڑی کا
لچکانا تم سے ہو سکے تو بسم اللہ۔ کیا خدانخواستہ میں مانع اور مزاحم[3] ہوں۔ مگر میں ایسی اَن ہونی کا بیڑا نہیں
اُٹھاتی۔ ایاز قدر خود بشناس[4] میں خود جانتی ہوں کہ بیٹوں کی نظروں میں میرا کتنا وقر ہے۔ بیٹیاں کتنا میرا ادب
لحاظ کرتی ہیں۔ رشتے میں ماں ضرور ہوں مگر افتاد[5] سے مجبور ہوں۔ کوئی میرے بس کا نہیں۔ نصوح۔
لیکن تم خود کہتی تھیں کہ بچوں کی اصلاح تم پر فرض تھی اور جب تک مادری و فرزندی کا تعلق

باقی ہو وہ فرض تمھاری گردن پر لدا ہی۔ میں نے ایک دن بڑے سویرے نہیں معلوم کس بچے کو
چاہا کہ باہر حکیم کو لے جاکر دکھا دوں تم اُس وقت اُس کا مُونہ دُھلانے کو اُٹھیں میں جلدی
کر رہا تھا اور تم کہتی تھیں کہ ذرا صبر کرو مُونہ دھلا دوں کُرتہ بدلوا دوں اس حالت سے لے جاوگے
تو حکیم صاحب کیا کہیں گے کہ گھر والی کیسی پھوہڑ ہی کہ بچوں کو ایسا ناصاف رکھتی ہی۔ بے شک
وہ بات تمھاری بہت معقول تھی۔ لیکن جب یہ تمھارے بچے گندی روح اور ناپاک دل
لے کر خدا کے حضور میں جائیں گے تو کیا تم پھوہڑ نہیں بنوگی۔ وہاں یہ معذوری اور مجبوری
کچھ نہیں سُنی جائے گی۔ علاوہ اس کے کیوں کر تمھاری محبت اقتضا کرتی ہی کہ تم اپنے فرزندوں کو بتلاے
مصیبت دیکھو اور اُن کو اُس مصیبت سے نکالنے کی کچھ تدبیر نہ کرو اس واسطے کہ وہ مصیبت اُن پر
بہت دنوں سے ہی اور میرے اور تمھارے سبب سے ہی۔ کیا مدت کے بیمار کو دوا نہیں دیتے۔ پرانے ناسور کا علاج
نہیں کرتے۔ اولاد کی اصلاح ماں باپ پر فرض ہی اگر اُس فرض کو ہم نے غفلت اور بے فرقی سے اب تک
ادا نہیں کیا تو کیا ضرور ہی کہ آئندہ بھی معصیت[۱] ترک فرض میں گرفتار رہیں۔ فہمیدہ۔ کچھ مجھ کو انکار
نہیں گریز[۲] نہیں۔ نہ میں کہتی ہوں کہ بچوں کی اصلاح ہم پر فرض نہ تھی یا اب نہیں ہی بلکہ مجھ کو
ان کی اصلاح سے یاس[۳] کلی ہی اور میں جانتی ہوں کہ ان کی اصلاح و تہذیب اور تادیب و تعلیم میں
کوشش فضول ہی۔ سعی عبث۔ تدبیر بے سود۔ محنت رایگاں۔ بھلا کہیں ٹھنڈے[۴] لوہے بھی پیٹنے سے
ڈھیلے پڑے ہیں۔ نصوح آہا لیکن ہم پر اسی قدر لازم ہی کہ کوشش کریں اور نتیجے کا مترتب ہونا اثر کا پیدا
کر دینا ہمارا کام نہیں خدا کے اختیار میں ہی۔ اور کون جانے کہ خدا ہمارے ارادے میں کہ تمھاری تدبیر میں تاثیر دے اور یہ درست
ہو جائیں۔ تو کیا تم کو مسرت نہ ہوگی۔ کوشش میں ناکام رہنا اور مطلقاً کوشش نہ کرنا ان دو باتوں میں زمین آسمان کا

[۱] خدا کی فرض کی ہوئی باتوں کو چھوڑ بیٹھنے کا گناہ ۱۲
[۲] اس سے بھاگتی بھی نہیں ۱۲
[۳] بالکل نا امیدی ۱۲
[۴] محاورہ ہی ۱۲

فرق ہی۔ انجام دونوں کا ایک ہو مگر کوشش کا کرنا ہمارے لیئے ایک وجہ برأۃ[۱] ہی۔ فہمیدہ۔
اس بات کا فیصلہ میرے اور تمھارے درمیان میں ہونا ممکن نہیں اس واسطے کہ میری حالۃ
اَور ہی اور تمھاری حالۃ اَور۔ اوّل تو بچوں پر تمھارا رعب داب ہی۔ تم سے پھر بھی ڈرتے ہیں اور میرے
ساتھ تو سب کے سب اس قدر گستاخ ہیں کہ بیٹیاں تو خیر مجھ کو برابر کی سہیلی ہی سمجھتی ہیں
بیٹے تو اتنا بھی نہیں جانتے کہ یہ کون بلا ہی اور کیا بکتی ہی۔ دوسرے تم کو اپنے بچوں کی کیفیۃ
بخوبی معلوم نہیں اور میں ان کے رگ و ریشے سے واقف ہوں۔ نصوح۔ یہ سب سچ ہی
لیکن تمھاری تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہی کہ اب ان کی اصلاح بڑا مشکل کام ہی۔ فہمیدہ۔ پھر
تم نے بات کو بدلا۔ میں نے اپنے مونہ سے مشکل ہرگز نہیں کہا۔ میں شروع سے ناممکن اور محال
ہی سے جاتی ہوں۔ نصوح۔ بڑے افسوس کی بات ہی کہ اتنی دیر سے میں تمھارے ساتھ بک رہا ہوں
اور تم نہیں سمجھتیں۔ کیوں صاحب ناممکن اور محال کیوں ہی۔ فہمیدہ۔ اگر تم کہو میں تمھاری
خاطر سے مان لوں لیکن چونکہ تم میری راے پوچھتے ہو تو میں بے شک ناممکن اور محال ہی
سمجھتی ہوں اور وجہ یہ کہ ان کی عادتیں راسخ[۲] ہوتے ہوتے طبیعۃ ہو گئی ہیں۔ برابر کے بیٹے
برابر کی بیٹیاں مار ہم نہیں سکتے گھُرک ہم نہیں سکتے جبر[۳] ہم نہیں کر سکتے بھلا پھر اُن عادتوں کو جن کے
وہ مدتوں سے خوگر ہو رہے ہیں کیوں کر چھڑا دیں گے۔ نصوح۔ تو تمھارا مطلب یہ ہی کہ کوئی تدبیر کارگر سمجھ
میں نہیں آتی اور جو سمجھ میں آتی ہی وہ کارگر نہیں معلوم ہوتی۔ فہمیدہ۔ وہ ایک ہی بات ہی۔ نصوح۔
اس سے مجھ کو بھی انکار نہیں کہ معمولی تدبیریں اب محض بے سود ہیں۔ مادہ سخت ہی تو جلاب
بھی کوئی بڑا ہی کڑا دینا ہوگا۔ جو کام پہلے ایک بات سے نکلتا اب جوتی لات سے بھی نکلنے

کی امید نہیں۔ فہمیدہ۔ لیکن اگر بچوں کے ساتھ تم اس طرح کی سختی برتو گے تمام دنیا[۱] تھڑی تھڑی کرے گی اور سختی سے بچوں کے دلوں میں بھی دوبی ضد اور نفرۃ پیدا ہوگی۔ نصوح۔ اگر میں یہ سمجھوں کہ میں اپنے ذمے کا ایک فرض ادا کرتا ہوں تو دنیا کے کہنے کی ان شاء اللہ مجھ کو مطلق پروا نہ ہوگی۔ لوگوں کو اختیار ہے جو چاہیں سمجھیں اور جو چاہیں سو کہیں۔ لیکن سختی خود میرے نزدیک ایک تدبیر نامناسب ہے اور میں خوب سمجھتا ہوں کہ بڑے لڑکے کسی طرح سختی کی برداشت نہیں کر سکتے اور اگر اُن کے ساتھ خشونۃ[۲] اور درشتی[۳] سے پیش آؤں گا تو بالکل الٹا اثر ہوگا اور جب کہ میں خود اُن کی خرابی کا باعث ہوا ہوں تو سختی کا میں سزاوار ہوں نہ وہ۔ فہمیدہ۔ بھلا پھر سختی کرو گے نہیں اور نرمی سے کام نکلنا نہیں۔ اسی نرمی نے تو ان کو اس ہد[۴] تک پہنچایا تو آخر وہی بات ہوئی کہ ہونا ہوانا کچھ نہیں ناحق کا درد سر ہے۔ نصوح۔ میں اس شعر پر عمل کروں گا

درشتی و نرمی[۵] بہم در بہ است ؛ چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است ؛ نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کے محل پر سختی۔ اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ ان شاء اللہ میں اپنے ارادے میں کامیاب ہوں گا۔ آخر آدمی کے بچے ہیں بات کو سمجھتے ہیں عقل رکھتے ہیں۔ جب اُن ہی کے فائدے کی بات میں اُن سے کہوں گا تو کب تک نہ سمجھیں گے۔ اور سختی تو بس اسی قدر میں عمل میں لاؤں گا کہ یہ بات بخوبی اُن کے ذہن نشین کر دوں گا کہ جو میرے کہے کا نہیں ہے اُس کا اور وہ میرا شریک رنج و راحۃ[۶] نہیں یہی کہوں گا اور ان شاء اللہ تعالی یہی کر دکھاؤں گا مگر بے تمھاری مدد کے یہ ارادہ پورا نہیں ہو سکتا۔ فہمیدہ۔ میں دل و جان سے مدد کرنے کو موجود ہوں میں جانتی ہوں کہ تم ان ہی کی بہتری کے واسطے کہتے اور کرتے ہو۔ اپنی اولاد کا فائدہ ہوتے ستاتے اگر میں کوتاہی کروں تو ماں کا ہے کو ہوئی کوئی ڈائن[۷] ہوئی

[۱] یعنی تمھارے حق میں تھوڑی تھوڑی کرے گی۔
[۲] و [۳] دونوں لفظوں کے معنی سختی۔
[۴] حال۔ یہ لفظ خاص عورتوں کی بول چال میں آتا ہے۔
[۵] سختی اور نرمی دونوں ملا کر کام کرنا اچھا ہوتا ہے جیسے جراح کہ فصد بھی کھولتا ہے اور مرہم بھی لگاتا ہے۔
[۶] یعنی کوئی بھی اس سے فائدہ نہ پہنچائے گا۔
[۷] آدمی کا کلیجا کھانے والی۔ جو اپنے بچوں کو کھا جائے۔

نصوح۔ تم میری شریک حال رہو تو مجھ کو ہر طرح کی تقویت ہو۔ میں جانتا ہوں کہ بچے بات بات میں تمھارا
آسرا تمھارا سہارا پکڑتے ہیں۔ ہو میری بی بی مگر معاملات خانہ داری میں میرے کل فیصلوں
کی اپیل تمھارے یہاں ہوتی ہے۔ میں تم کو الزام نہیں دیتا اس واسطے کہ تم سے زیادہ میں
خود ملزم ہوں۔ لیکن بچوں میں سے جس کو تم نے زیادہ پیار کیا وہی زیادہ خوار ہوا۔ ہر چند میں نے
کوشش کی کسی امرِ دینی کے واسطے نہیں بلکہ معمولی پڑھنے لکھنے کے واسطے مگر جب تک تمھاری
تائید نہیں ہوئی ایک نہیں چلی۔ فہمیدہ۔ لیکن اب وہ کیفیت نہیں ہے جب تک چھوٹے تھے
مجھ کو ماں سمجھتے تھے اور میں اُن کی فریاد لیتی تھی حمایت کرتی تھی۔ اب ہر ایک اپنے دل کا بادشاہ
ہے۔ لڑکوں سے تو کچھ تعلق ہی نہیں رہا ہفتوں بات چیت کرنے کا اتفاق بھی نہیں ہوتا پکارتی
کی پکارتی رہ جاتی ہوں مُونھ پھیر کر بھی نہیں دیکھتے۔ لڑکیاں البتہ کہاں جائیں اور کس کے
پاس جائیں گھر ہی میں بیٹھی کھیلا کرتی ہیں میں گھر کے کام دھندے میں لگی رہتی ہوں۔
لیکن پھر بھی جہاں تک تمھارے نیک ارادے ہیں کہ خدا اُس کو پورا کرے مجھ سے مدد مل سکتی
ہے تم دیکھ لینا ان شاء اللہ اپنے مقدور بھر اُٹھا نہ رکھوں گی۔ نصوح۔ بھلا چھوٹے چھوٹے بچوں
کو تو سنبھال لو گی۔ فہمیدہ۔ ان کا درست کر لینا کیا مشکل ہے۔ یہ تو موم کی ناک ہیں۔ جدھر کو
پھیر دو پھر گئے۔ بلکہ شاید ان کو مُونھ سے کہنے کی بھی ضرورت نہ ہو بچوں کا قاعدہ ہے کہ جیسا بڑوں کو
کرتے دیکھتے ہیں خواہ مخواہ اُس کی نقل کرنے لگتے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی حمیدہ نے مجھ کو
رُلا رُلا دیا ہے۔ کہا تو اُس کی چھے برس کی بساط ہے مگر ماشاء اللہ سے میرے مونھ میں خاک مغز سے اُتار کر بڑے بوڑھوں
کی سی باتیں کرتی ہے۔ نصوح۔ کیا ہوا تھا۔

فہمیدہ اور منجھلی بیٹی حمیدہ کی گفتگو

فہمیدہ۔ تم کو جو اب چند روز سے نماز پڑھتے دیکھتی ہے تو پرسوں مجھ سے پوچھنے لگی کہ اماں جان دن میں کئی مرتبہ ابا جان ہاتھ مونہ دھو کر یہ کیا کیا کرتے ہیں۔ پہلے دیر تک بڑے ادب سے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں چپکے چپکے کچھ باتیں کرتے جاتے ہیں پھر جھکتے ہیں پھر مونہ کے بل گر پڑتے ہیں۔ میں۔ بیٹی نماز پڑھتے ہیں۔ حمیدہ۔ اماں جان نماز کیا۔ نماز کو اس استعجاب[1] کے ساتھ پوچھنا یہ پہلی چٹکی تھی کہ اُس نے میرے دل میں لی۔ میں۔ بیٹا خدا کی عبادۃ کو نماز کہتے ہیں۔ حمیدہ۔ اماں جان خدا کیا چیز ہے اور عبادۃ اُس کی کون ہے۔ اُس کا بھولے پن سے یہ پوچھنا تھا کہ خدا کیا چیز ہے اور عبادۃ اُس کی کون ہے کہ میرے بدن پر[2] رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں۔ کیوں کیا تم خدا کو نہیں جانتیں۔ حمیدہ۔ میں سب لوگوں کو خدا کی قسم کھاتے تو سنتی ہوں اور جب کبھی اماں جان تم مجھ پر تو نہیں اور کسی پر خفہ ہوتی ہو تو کہا کرتی ہو خدا کی مار اور مجھ سے خدا سمجھے شاید خدا بیچا[3] کو کہتے ہیں مگر بیچا ہوتی تو اُس کی قسم نہ کھاتے۔ میں۔ حمیدہ توبہ کرو توبہ خدا بیچا نہیں ہے خدا وہ ہے جس نے ہم سب کو پیدا کیا ہے۔ وہی روزی دیتا ہے۔ وہی مارتا ہے وہی جلاتا ہے۔ وہی پالتا ہے۔ حمیدہ۔ کیا اماں جان تم کو بھی خدا ہی نے پیدا کیا ہے۔ میں۔ ہاں مجھ کو بھی۔ حمیدہ۔ اور ابا جان کو بھی۔ میں۔ ہاں تمھارے ابا جان کو بھی۔ حمیدہ۔ اور ننّی بوا کو بھی۔ میں۔ ہاں ننّی بوا کو بھی۔ حمیدہ۔ اماں جان کیا ہر روز ہمارے گھر میں کھانا نہیں پکتا۔ میں۔ کیوں نہیں پکتا۔ حمیدہ۔ پھر تم تو کہتی ہو کہ خدا سب کو کھانے کو دیتا ہے۔ میں۔ اللہ میاں پانی برساتے ہیں اللہ میاں غلّے اور میوے اور ترکاریاں ہم لوگوں کے واسطے زمین میں اُگاتے ہیں۔ وہی ہم سب

لوگ کھاتے ہیں حمیدہ۔ننی بوا کو تو اماں جان تم دودھ پلاتی ہو۔میں۔دودھ بھی اللہ میاں ہی اُتارتے ہیں تمھاری ہی دفعہ اسی دودھ کے پیچھے برسوں مصیبۃ اُٹھائی چھٹی تک الغاروں دودھ تھا چھٹی نہا کر اُٹھی کہ یکایک جاڑا چڑھا بخار آیا تو کس شدۃ کا کہ الاماں تمام بدن سے آنچ نکلتی تھی۔وہ پہر بھر کا بخار آنا اور دودھ کا تاؤ کھا جانا پھر بہتیری ستاول پھانکی زیرہ پیا حکیم کا علاج کیا تمھارے دادا جان خدا جنۃ نصیب کرے ہر روز صبح کو طشتری لکھ دیا کرتے تھے مگر دودھ کچھ ایسی گھڑی کا سوکھا تھا کہ پھر نہ اُترا پر نہ اُترا جب دیکھا کہ بچی بھوک کے مارے بھڑکی چلی جاتی ہے ناچار انّا رکھی اور وہ عذاب اُٹھائے کہ خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔خدا نے زندگی بخشی تھی کہ تم پل گئیں حمیدہ۔تو اللہ میاں بڑے اچھے ہیں۔ہم سب کو کھانے کو دیتے ہیں ہماری ننی بوا کے واسطے دودھ اُتارتے ہیں لیکن اماں جان اللہ میاں سے ہمارا کچھ رشتہ ناتا ہے کہ اتنے سلوک کرتے ہیں۔میں۔رشتہ ناتا یہ کہ ہم اُن کے بندے ہیں۔مرد اُن کے غلام ہیں عورتیں اُن کی لونڈیاں ہیں حمیدہ۔لونڈی غلاموں کے ساتھ اتنا سلوک کہ کوئی اپنے بچوں کے ساتھ بھی نہیں کرتا۔لیکن لونڈی غلام تو اپنے مالک کی خدمۃ کرتے ہیں ٹہل کرتے ہیں ہم اللہ میاں کا کونسا کام کرتے ہیں۔میں۔یہی نماز جو تم نے اپنے باپ کو پڑھتے دیکھی اور جس کو عبادۃ کہتے ہیں حمیدہ۔ہاں اب میں سمجھی کہ نماز اللہ میاں کا کام ہے تو سبھی کو نہ پڑھنی چاہیے کیونکہ لونڈی غلام سب ہیں اللہ میاں کی دی ہوئی روٹی سب کھاتے ہیں۔میں۔بے شک خدا کی عبادۃ سب پر فرض ہے حمیدہ۔اماں جان تم تو نماز نہیں پڑھتیں۔کیا تم اللہ میاں کی لونڈی نہیں ہو اور کیا تم اُس کی دی ہوئی روٹی نہیں کھاتیں۔حمیدہ نے جو سادہ دلی اور بھولے پن سے یہ الزام دیا مجھ کو اس قدر شرم آئی کہ زمین

۸۱ غسل کرکے پاک ہونے کا دن یعنی چھٹے دن زچہ غسل کرتی ہے ۱۲

۸۲ فوراً دن ہونا اس کا

۸۳ نام ہے کھانا اس کے

۸۴ شادی کی بچہ کی چھٹی تک یہ سب ۱۲

۸۵ بہت بہت خدا بخش دے

۸۶ اپنی پناہ میں رکھے اور اس سے محفوظ رکھے ۱۲

۸۷ حد سے زیادہ گرم ہو جانا ۱۲

۸۸ یعنی کی طشتری پر قرآن کی آیتیں اور دعائیں لکھ کر طشتری کو دودھ کر پلا دیتے ہیں دودھ بڑھنے کو ۱۲

پھٹ گئی ہوتی تو میں سمجھ جاتی۔ میں۔ میں لونڈی بے شک ہوں اور خدا ہی کی دی ہوئی روٹی کھاتی ہوں لیکن کیا بعض لونڈیاں نکمی اور کام چور اور نمک حرام اور بے غیرت نہیں ہوتیں ویسی ہی اللہ میاں کی ایک لونڈی میں ہوں۔ حمیدہ۔ ابّا جان بھی تو اب بیماری سے اٹھ کر نماز پڑھنے لگے ہیں کیا اس سے پہلے وہ خدا کی دی ہوئی روٹی نہیں کھاتے تھے۔ یہ سن کر نصوح کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک پڑے۔ میں۔ وہ بھی بُرا کرتے تھے۔ حمیدہ۔ اچھی اماں جان اللہ میاں خفا ہوئے ہوں گے۔ میں۔ خفا ہونے کی تو بات ہی ہے۔ حمیدہ۔ ایسا نہ ہو روٹی بند کر دیں تو پھر ہم کہاں سے کھائیں گے۔ اور اگر ننّی بوا کا دودھ سوکھ جائے گا تو ہماری ننّی روئے گی۔ یہ کہہ کر حمیدہ رونے لگی۔ میں نے اٹھا کر گلے سے لگا لیا اور پیار کیا۔ لیکن جس قدر میں اس کو تسلی دیتی تھی وہ اور دُونی روتی تھی۔ مجھ سے بھی ضبط نہ ہو سکا اور مجھ کو روتے دیکھ کر وہ اور بھی بے تاب ہو گئی۔ آخر بڑی بڑی مشکلوں سے میں نے اس کو سنبھالا اور کہا کہ حمیدہ تم ڈرو مت اللہ میاں کا یہ دستور نہیں ہے کہ جو لونڈی غلام کام نہ کریں اُن کا کھانا بند کر دیں۔ حمیدہ۔ سچ۔ میں۔ ہاں ہاں تم گھبراؤ مت۔ حمیدہ۔ اچھی اماں جان ننّی کو پلا کر دیکھو دودھ ہے یا نہیں۔ میں۔ بیٹی ننّی کو سونے دو اور دودھ سے اطمینان رکھو دودھ خدا کا دیا ہوا بہت۔ حمیدہ۔ ہمارے گھر میں تو لونڈی غلام نہیں نوکر چاکر ہیں مگر کام نہیں کرتے تو تنخواہ کاٹ لی جاتی ہے ابا جان جرمانہ کر دیا کرتے ہیں گھر سے نکال دیتے ہیں اللہ میاں اپنے لونڈی غلاموں پر بھی خفا نہیں ہوتے تو اُن کا کام تو اور بھی جی لگا کر کرنا چاہیے کیا کام نہ کرنا اور کھانا بے غیرتی نہیں ہے۔ میں۔ بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔ حمیدہ۔ اماں جان میں نے تو آج تک نماز نہیں پڑھی اور نہ مجھ کو نماز پڑھنی آتی ہے اور تم تو دن رات میں دو ہی مرتبہ کھانا کھاتی ہو میں نہیں معلوم کتنی دفعہ

کھاتی ہوں مجھ پر اللہ میاں ضرور خفہ ہوئے ہوں گے۔ یہ کہہ کر پھر حمیدہ روئی اور ڈر کے مارے دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی اور پھر میں نے سمجھایا کہ حمیدہ ڈرو مت اللہ میاں تم سے ناخوش نہیں ہیں۔ ابھی تم بچی ہو تم کو نماز معاف ہے۔ حمیدہ۔ کھانا تو مجھ کو بھی سب کے برابر بلکہ سب سے اچھا اور زیادہ ملتا ہے۔ میں۔ ہاں ملتا ہے اور یہ بھی خدا کی مہربانی ہے کہ تم کو کام معاف کر رکھا ہے۔ حمیدہ۔ پھر اللہ میاں مجھ کو کیوں کھانا دیتے ہیں۔ میں۔ اس واسطے کہ جب بڑی ہو جاؤ تو اس کے بدلے کا بہت سا کام کرو۔ حمیدہ۔ لیکن کیا اب میں کام نہیں کر سکتی دیکھو تم کو پان بنا دیتی ہوں ابّا جان کو پانی پلا دیا کرتی ہوں ننّی لوا کو بہلا لیتی ہوں کیوں اماں جان کرتی ہوں نہ۔ میں۔ ہاں بوا ہاں تم تو میرے بہت کام کرتی ہو پنکھا جھل دیتی ہو دھاگا بٹ دیتی ہو سوئی میں دھاگا پرو دیتی ہو جو چیز مجھ کو درکار ہوتی ہے لے آتی ہو۔ حمیدہ۔ تو کیا میں اللہ میاں کا کوئی چھوٹا سا کام بھی نہیں کر سکتی کیا نماز پڑھنا بڑا مشکل کام ہے میں تو دیکھتی ہوں ابّا جان ہاتھ مونہہ دھو کر ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں کیا اتنا مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ میں۔ اس کے سوائے کچھ پڑھنا بھی ہوتا ہے جس کو تم کہتی تھیں کہ چپکے چپکے باتیں کرتے جاتے ہیں۔ حمیدہ۔ وہ کیا باتیں ہیں۔ میں۔ خدا کی تعریف اور اُس کے احسانوں کا شکریہ اپنے گناہوں کا اقرار اور اُن کی معافی کی درخواست اُس کے رحم کی تمنا اُس کے فضل کی آرزو۔ بس یہی نماز ہے حمیدہ۔ یہ سب باتیں اسی طرح نہ کرتے ہیں جیسے ہم لوگ آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ میں۔ اَور کیا۔ حمیدہ۔ مگر ابّا جان تو کچھ اَور ہی طرح کی بولی بولنے لگتے ہیں۔ میں۔ وہ عربی زبان ہے۔ حمیدہ۔ وہ تو میری سمجھ میں نہیں آتی۔ اماں جان تم جانتی ہو۔ میں۔ نہیں میں بھی نہیں جانتی۔ حمیدہ۔ تو کیا خدا سے عربی ہی زبان میں باتیں کرنی ہوتی ہیں۔ میں۔ نہیں۔ وہ سب کی بولی سمجھتا

ہے بلکہ وہ دلوں کے ارادوں اور طبیعتوں کے منصوبوں سے واقف ہے۔ حمیدہ۔ یہ کیوں کر ہیں۔
اس واسطے کہ وہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے کوئی چیز کوئی بات اُس سے مخفی نہیں سب کو دیکھتا ہے سب کی
سنتا ہے اگلے پچھلے کل حالات اُس کو معلوم ہیں۔ حمیدہ۔ (گھبرا کر) کیا اللہ میاں یہاں ہمارے گھر میں
بیٹھے ہیں۔ ہیں۔ گھر میں کیا ہمارے پاس بیٹھے ہیں مگر ہم اُن کو دیکھ نہیں سکتے۔ یہ سُن کر حمیدہ نے
جلدی سے اوڑھنی اوڑھ لی اور سنبھل کر مودب ہو بیٹھی اور مجھ سے بھی آہستہ سے کہا اماں جان سر ڈھک لو
اس کے بعد حمیدہ پر کچھ ایسی ہیبت غالب آئی کہ میری گود میں تھوڑی دیر تک چپ پڑی رہی۔
آخر آنکھ لگی سو گئی۔ میری ٹانگیں سُن ہونے لگیں تو میں نے آہستہ سے چارپائی پر لٹا کر بیدار کو
پاس بٹھا دیا کہ دیکھ ہاتھ رکھے رہیو ایسا نہ ہو لڑکی سوتے سوتے ڈر کر چونک پڑے اور میں
یہاں چلی آئی۔ مجھ کو حمیدہ کی باتوں سے ایسا ڈر لگا کہ اندر سے کلیجہ تھر تھر کانپا جاتا تھا۔ نصوح۔
کیوں ڈر کی اس میں کیا بات تھی۔ فہمیدہ۔ میں کہتی تھی کہ ایسی چھوٹی سی لڑکی اور ایسی باتیں کچھ اس کو
ہو تو نہیں گیا۔ نصوح۔ مذہب میں بڑی خوبی اور عمدگی تو یہی ہے کہ وہ ایسی باتوں کی تعلیم کرتا ہے
جن کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ مسائل دینی آدمیوں کے بنائے ہوئے معمے اور لوگوں کی گھڑی ہوئی
پہیلیاں نہیں ہیں کہ اُن کے حل کرنے اور بوجھنے کو بڑا غور و خوض درکار ہو بلکہ اُس حکیم
برحق کے باندھے ہوئے اصول اور ٹھیرائے ہوئے ضابطے ہیں اور اصول بھی کیسے سلیس اور آسان
ضابطے سہل اور بدیہی۔ نہیں معلوم انسان کی عقل پر کیا پتھر پڑ گئے ہیں کہ اتنی موٹی بات اُس کی
سمجھ میں نہیں آتی کہ زمین آسمان چاند سورج ستارے انواع و اقسام کے حیوانات رنگ رنگ کے نباتات
ساری دنیا تمام زمانہ اتنا بڑا کارخانہ جس میں کا ایک پتا اٹھا کر دیکھو تو ہزار صنعتوں

سے بھرا ہوا ہی آخر خود بخود تو نہیں ہو گیا ضرور کوئی اس کا بنانے والا ہی اور پھر اُس نے جو
انسان کو ایک خاص صفتِ عقل عطا کی ہی کچھ تو اس تخصیص کا مطلب ہی۔ مگر ہی کیا کہ انسان اس
تصور کو اپنے ذہن میں آنے ہی نہیں دیتا ورنہ ساری خدائی خدا کی گواہی دے رہی ہی
برگِ درختاں سبز در نظرِ ہوشیار ؎ ہر ورقے دفتر معرفتِ کردگار ؎ حمیدہ نے کوئی بات اچنبھے
کی نہیں کہی۔ اچنبھے کی بات تو یہ ہی کہ ہم میں نادان بچوں کے برابر بھی عقل نہیں۔ ڈوب مرنے
کی جگہ ہی زمین میں گڑ جانے کا مقام ہی۔ بلکہ حمیدہ کی باتوں کو میں ایک فال نیک اپنی کامیابی
کی سمجھتا ہوں افسوس ہی تم اُس کو میرے پاس نہ لے آئیں اُس کی ہر ہر بات لوحِ دل پر کندہ
کرنے کے لائق ہی اور یہ باتیں اُس نے کیا کہیں خدا نے اُس کے مونہ سے کہلوائیں۔ بیٹی کیا ہی
سچ پوچھو تو ہمارے لیئے ہدایۃ کا فرشتہ ہی اور بچے جو معصوم کہلاتے ہیں اسی سبب سے کہ اُن کے
دل لوثِ دنیا سے پاک اور تیرگیِ گناہ سے صاف ہوتے ہیں الحمد للہ کہ ایک سے تو اطمینان ہوا
اب یہ بتاؤ کہ اوروں کے واسطے کیا انتظام کرنا ہوگا۔ فہمیدہ۔ تم ہی کوئی تجویز سوچو۔ نصوح۔
میں نے تو یہ سوچا ہی کہ لڑکیوں کو تم سنبھالو اور لڑکوں کو میں سمجھ لوں گا۔ فہمیدہ۔ بھلا میں بھی تو
سمجھوں کیوں کر سمجھ لوگے کہ وہی تدبیریں بھی کروں۔ نصوح۔ میں پہلے چھوٹوں سے
شروع کروں گا امید ہی کہ جلد راہ پر آجائیں۔ بڑوں کا مجھ کو بڑا کھٹکا ہی۔ یہ تو میں خوب جانتا ہوں
کہ نیا ڈھنگ دیکھ کر اُن کے کان کھڑے ہوں گے۔ مگر نہیں معلوم کس سے کیا معاملہ پیش آئے۔ تم اتنا کرو کہ ایک تو
میرا تمہارا دونو کا کام ایک ساتھ شروع ہو۔ جب اندر باہر دونو جگہ ایک ہی بات کا چرچا ہوگا تو کوئی
یہ نہ کہہ سکے گا کہ دیکھو خاص کر ہمارے پیچھے پڑے ہیں اولاد اولاد سب برابر

اُن سے کچھ تعرض نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ تمھاری ہر ادا سے یہ بات پیدا ہو کہ اس معاملے میں ہم دونو کو ایک اہتمام خاص ہے کیوں کہ ذرا سا ضعف بھی ظاہر ہوگا تو تمام تر انتظام درہم برہم ہو جائے گا۔ فہمیدہ۔ ان شاء اللہ اس کے خلاف نہ ہوگا۔

نصوح اور چھوٹے بیٹے سلیم کی گفتگو

آج تو میاں بی بی میں یہ قول و قرار ہوا اگلے دن چھوٹا بیٹا سلیم ابھی سو کر بھی نہیں اُٹھا تھا کہ بیدارا نے آجگایا کہ صاحب زادے اُٹھیے بالاخانے پر میاں بُلاتے ہیں۔ سلیم کی عمر اس وقت کچھ کم دس برس کی تھی۔ سلیم نے جو طلب کی خبر سُنی گھبرا کر اُٹھ کھڑا ہوا اور جلدی سے ہاتھ مُونہ دھو ماں سے اگر پوچھنے لگا اماں جان تم کو معلوم ہے ابّا جان نے کیوں بُلایا ہے۔ ماں۔ بھائی مجھ کو تو کچھ خبر نہیں۔ بیٹا۔ کچھ خفہ تو نہیں ہیں۔ ماں۔ ابھی تو کوٹھے پر سے بھی نہیں اُترے۔ سلیم۔ بیدارا تجھ کو کچھ معلوم ہے۔ بیدارا۔ میاں میں اوپر لوٹا لینے گئی تھی میاں اکیلے بیٹھے ہوئے کتاب پڑھ رہے تھے میں آنے لگی تو میاں نے آپ کا نام لیا اور کہا کہ اُن کو بھیج دیجیو۔ سلیم۔ صورۃ سے کچھ غصّہ تو نہیں معلوم ہوتا تھا بیدارا۔ نہیں تو۔ سلیم۔ تو اماں جان ذرا تم بھی میرے ساتھ چلو۔ ماں۔ میری گود میں لڑکی سوتی ہے۔ تم اتنا ڈرتے کیوں ہو جاتے کیوں نہیں۔ سلیم۔ کچھ پوچھیں گے۔ ماں۔ جو کچھ پوچھیں گے تم اُس کا معقول طور پر جواب دینا۔ غرض سلیم ڈرتا ڈرتا اوپر گیا اور سلام کر کے الگ جا کھڑا ہوا۔ باپ نے پیار سے بلا کر پاس بٹھا لیا اور پوچھا کیوں صاحب ابھی مدرسے نہیں گئے۔ بیٹا۔ جی بس چلتا ہوں ابھی کوئی گھنٹے بھر کی دیر اور ہے۔ باپ۔ تم اپنے بھائی کے ساتھ مدرسے جاتے ہو یا الگ۔ بیٹا۔ کبھی کبھی بھائی جان کے

ساتھ چلا جاتا ہوں ورنہ اکثر اکیلا جاتا ہوں۔ باپ۔ کیوں۔ بیٹا۔ اگلے مہینے امتحان ہونے والا ہی چھوٹے بھائی جان اُسی کے واسطے تیاری کر رہے ہیں صبح سویرے اُٹھ کر کسی ہم جماعت کے یہاں چلے جاتے ہیں وہاں اُن کو دیر ہو جاتی ہی تو پھر گھر بھی نہیں آتے۔ میں جاتا ہوں تو اُن کو مدرسے میں پاتا ہوں باپ۔ کیا اپنے گھر میں جگہ نہیں ہی کہ دوسروں کے یہاں جاتے ہیں۔ بیٹا۔ جگہ تو ہی مگر وہ کہتے تھے کہ یہاں بڑے بھائی جان کے پاس ہر وقت گنجیفہ اور شطرنج ہوا کرتا ہی اطمینان کے ساتھ پڑھنا نہیں ہو سکتا۔ باپ۔ تم بھی شطرنج کھیلنی جانتے ہو۔ بیٹا۔ مُہرے پہچانتا ہوں چالیں جانتا ہوں مگر کبھی خود کھیلنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ باپ۔ مگر زیادہ دنوں تک دیکھتے دیکھتے یقین ہی کہ تم بھی کھیلنے لگو گے۔ بیٹا۔ شاید مجھ کو عمر بھر بھی شطرنج کھیلنی نہ آئے گی۔ باپ۔ کیوں کیا ایسی مشکل ہی۔ بیٹا۔ مشکل ہو یا نہ ہو میرا جی ہی نہیں لگتا۔ باپ۔ سبب۔ بیٹا۔ میں پسند نہیں کرتا۔ باپ۔ چونکہ مشکل ہی اکثر مبتدی گھبرایا کرتے ہیں مجھ کو یقین ہی کہ گنجیفے میں تمھاری طبیعت خوب لگتی ہو گی وہ بہ نسبت شطرنج کے بہت آسان ہی۔ بیٹا۔ میں شطرنج کی نسبت گنجیفے کو زیادہ تر ناپسند کرتا ہوں۔ باپ۔ ہاں شطرنج میں طبیعت پر زور پڑتا ہی اور گنجیفے میں حافظے پر۔ بیٹا۔ میری ناپسندیدگی کا کچھ خاص کر یہی سبب نہیں ہی بلکہ مجھ کو سارے کھیل بُرے معلوم ہوتے ہیں۔ باپ۔ تمھاری اس بات سے مجھ کو تعجب ہوتا ہی اور میں تم سے تمھاری ناپسندیدگی کا اصلی سبب سننا چاہتا ہوں کیونکہ شاید اب سے پانچ یا چھ مہینے پہلے جن دنوں میں باہر کے مکان میں بیٹھا کرتا تھا میں نے خود تم کو ہر طرح کے کھیلوں میں نہایت شوق کے ساتھ شریک ہوتے دیکھا تھا۔ بیٹا۔ آپ درست فرماتے ہیں میں ہمیشہ کھیل کے پیچھے دیوانہ بنا رہتا تھا مگر اب تو مجھ کو ایک دلی نفرت سی ہو گئی ہی

"مدرسے کی ایک جماعت میں پڑھنے والے ایک دوسرے کے ہم جماعت کہلاتے ہیں"

"یاد داشت"

-باپ- آخر اس کا کوئی سبب خاص ہوگا-بیٹا- آپ نے اکثر چار لڑکوں کو کتابیں بغل میں دابے
اندر گلی میں آتے جاتے دیکھا ہوگا-باپ- وہی گورے گورے چار لڑکے جو ایک ساتھ رہتے ہیں پھدڑی
جوتیاں پہنے منڈے ہوئے سر اونچے پائجامے نیچی چولیاں-بیٹا- ہاں جناب وہی چار لڑکے-باپ- پھر-
بیٹا- بھلا آپ نے اُن کو کسی قسم کی شرارۃ کرتے بھی دیکھا ہی-باپ- کبھی نہیں-بیٹا- جناب کچھ عجب عادۃ
اُن لڑکوں کی ہی راہ میں چلتے ہیں تو گردن نیچی کئے ہوئے-اپنے سے بڑا مل جائے جان پہچان ہو یا
نہ ہو اُن کو سلام کر لینا ضرور-کئی برس سے اس محلے میں رہتے ہیں مگر کانوں کان خبر نہیں-محلے میں
کوڑیوں لڑکے بھرے پڑے ہیں لیکن اُن کو کسی سے کچھ واسطہ نہیں-آپس میں اوپر تلے کے چاروں بھائی
ہیں نہ کبھی لڑتے نہ کبھی جھگڑتے نہ گالی بکتے نہ قسم کھاتے نہ جھوٹ بولتے نہ کسی کو چھیڑتے نہ کسی پر آوازہ کستے
ہمارے ہی مدرسے میں پڑھتے ہیں ہاں بھی اُن کا یہی حال ہی کبھی کسی نے اُن کی جھوٹی شکایۃ بھی
تو نہیں کی-ڈیڑھ بجے ایک گھنٹے کی چھٹی ہوا کرتی ہی اور لڑکے تو کھیل کود میں لگ جاتے
ہیں یہ چاروں بھائی ایک پاس کی مسجد میں نماز پڑھنے چلے جاتے ہیں-باپ- بھلا پھر
-بیٹا- سنجھلا لڑکا میرا ہم جماعۃ ہی-ایک دن میرا آموختہ یاد نہ تھا مولوی صاحب نہایۃ ناخوش
ہوئے اور اُس کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے فرمایا کہ کم بخت گھر سے گھر ملا ہی اسی کے پاس جا کر یاد کر لیا کر-
میں نے جو پوچھا کیوں صاحب یاد کرا دیا کرو گے تو کہا بسر و چشم-غرض میں اگلے دن اُن کے گھر گیا-آواز
دی اُنھوں نے مجھ کو اندر بلا لیا-دیکھا کہ ایک بہت بوڑھی سی عورۃ تخت پر جا نماز بچھائے قبلہ رو
بیٹھی ہوئی کچھ پڑھ رہی ہیں-وہ اُن لڑکوں کی نانی ہیں-لوگ اُن کو حضرۃ بی کہتے ہیں-
میں سیدھا سامنے دالان میں اپنے ہم جماعۃ کے پاس جا بیٹھا-جب حضرۃ بی اپنے

۱ جوتی کی ایڑی کو اندر کی طرف بٹھا دینے سے جوتی پھدڑی ہو جاتی ہے
۲ انگرکھے کا اوپر کا حصہ گریبان کی جگہ سے بند باندھنے تک چولی ہے
۳ "دنگا"
۴ "بہت سا" ایک کوڑی جیسے "کا ایک وزن" ۲۰
۵ "پچھلا پڑھا ہوا" یعنی سبق سے اور آنکھوں سے
۶ "قبلے کی طرف منہ کئے ہوئے"

پڑھنے سے فارغ ہوئیں تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ بیٹا گو تم نے مجھ کو سلام نہیں کیا لیکن ضرور ہی کہ میں تم کو دعا دوں - جیتے رہو عمر دراز خدا نیک ہدایۃ دے - اُن کا یہ کہنا تھا کہ میں غیرۃ کے مارے زمین میں گڑ گیا اور فوراً میں نے اُٹھ کر نہایۃ ادب کے ساتھ سلام کیا - تب حضرۃ بی نے فرمایا کہ بیٹا بُرا مت ماننا یہ بھلے مانسوں کا دستور ہی کہ اپنے سے جو بڑا ہوتا ہی اُس کو سلام کر لیا کرتے ہیں اور میں تم کو نہ ٹوکتی لیکن چونکہ تم میرے بچوں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے ہو اس سبب سے مجھ کو جتا دینا ضرور تھا - اس کے بعد حضرۃ بی نے مجھ کو مٹھائی دی اور[۱] اصرار کر کے کھلائی - مدتوں میں اُن کے گھر جاتا رہا - حضرۃ بی مجھ کو بھی اپنے اُنوں کی طرح چاہنے اور پیار کرنے لگیں اور ہمیشہ مجھ کو نصیحۃ کیا کرتی تھیں - تبھی سے میرا دل تمام کھیل کی باتوں سے کھٹا[۲] ہو گیا - باپ - یہ تو تم نے اچھا اختصار کیا - اجی اچھی طرح جی کھول کر بے تکلف سب باتیں مجھ کو سناؤ کیا کیا تم سے حضرۃ بی نے کہا رک رک کر اور چبا چبا کر باتیں کرنے سے میری طبیعۃ الجھتی ہی - ہاں تو پھر کیا ہوا بیٹا - ہر روز آنے جانے سے میں اُن لوگوں کے ساتھ خوب بے تکلف ہو گیا مگر حضرۃ بی نے بس پہلے دن سلام نہ کرنے پر ٹوکا تھا پھر کوئی گرفت[۳] نہیں کی - باوجودے کہ میں شوخی بھی کرتا تھا لیکن وہ خبر نہیں ہوتی تھیں ایک دن مجھ سے اور[۴] ہمسائے کے لڑکے سے باہر گلی میں کھیلتے کھیلتے عین اُن ہی کے دروازے پر لڑائی ہو پڑی - سخت کلامی کے بعد گالی گلوچ کی نوبۃ پونہچی پھر مار کٹائی ہونے لگی - لڑکا مجھ سے تھا کم زور[۵] اڑنگے پر چڑھا جوں ایک پٹخنی دیتا ہوں چاروں شانے چت - پھر تو میں اُس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا اور بچا کو ایسے گھسے دیئے کہ یاد ہی کئے ہوں گے اور لوگ چھڑا نہ دیتے تو میں اُس کو ادھ[۶] موا کر ہی چکا تھا - بارے دو چار آدمیوں نے مجھ کو اُس پر سے اُتارا اور دو ایک نے میری

[۱] ضد۔ [۲] کھٹی چیز کا کھانا ناگوار ہوتا ہی مراد یہ ہی کہ جی پھر گیا۔ [۳] پکڑ یعنی میری کوئی خطا نہیں پکڑی۔ [۴] ایک پہلو اُٹھا لینے اور پھر اُس کو پٹک دیتے ہیں۔ [۵] دونوں مونڈھے دونوں کولھے ملا کر چاروں شانے کہلاتے ہیں۔ [۶] نیم مردہ۔

پیٹھ بھی ٹھوکی کہ شاباش پٹھے شاباش ولیکن وہ لڑکا ایسا چیند باز تھا کہ پھر خم ٹھوک کر سامنے آ کھڑا ہوا۔ میں چاہتا تھا کہ پھر گتھ جاؤں اتنے میں اندر سے اُسی میرے ہم جماعت نے آواز دی۔ ادھر لوگوں نے کہا کہ میاں جانے بھی دو یہ تمھارے جوڑ کا نہیں ہی غرض میں اندر چلا گیا۔ میرے ہم جماعت نے پوچھا کیوں جی کس سے لڑ رہے تھے میں نے کہا میاں یہی کنجڑے والا رمضانی کم زور مار کھانے کی نشانی۔ لیکن خدا کی قسم میں نے بھی آج اُس ... کو ایسا رگڑا ہی کہ یاد ہی تو کرے گا۔ اُس وقت تک غصہ اور طیش تو فرو ہوا ہی نہ تھا۔ نہیں معلوم کیا کیا میں نے بکا کہ سب گھر والوں نے سُن کر آنکھیں نیچی کر لیں اور بڑی دیر تک سرنگوں بیٹھے رہے۔ آخر حضرۃ بی بولیں کہ سلیم بڑی افسوس کی بات ہی کہ تو ایسا پیارا لڑکا اور گن تیرے ایسے خراب۔ اس مونہ سے ایسی باتیں۔ آج کئی کئی دن سے میں تجھ کو سمجھانے والی تھی مگر اس وقت جو میں نے تیری گفتگو سنی مجھ کو یقین ہو گیا کہ تجھ کو سمجھانا بے سود ہی۔ بڑا رنج تو مجھ کو اسی بات کا ہی کہ تو ہاتھ سے گیا گزرا ہوا۔ دوسرا کھٹکا یہ ہی کہ تو میرے لڑکوں کے پاس آتا جاتا ہی اگر خدانخواستہ تیری خو بو کا ایک شمہ اُنھوں نے اختیار کیا تو میری طرف سے یہ جیتے جی مر گئے۔ ملنا جلنا تو بڑی بات ہی اب یہ محلہ مجھ کو چھوڑنا پڑا۔ اتنی بے حیائی۔ ایسی بدزبانی۔ اول تو لڑنا اور پھر گلی کوچے میں اور اُس پر ایسی موٹی موٹی گالیاں۔ میں۔ جناب خدا کی قسم ہرگز میں نے پہل نہیں کی۔ وہ سر چڑھ کر مجھ سے لڑا۔ حضرۃ بی۔ بس اپنی قسموں کو بند کرو۔ میں قسم اور گالی دونوں کو برابر سمجھتی ہوں۔ جس کو بے موقع بے محل خدا کا نام لینے میں باک نہیں اُس کو کسی بات کے بک دینے میں تامل نہیں۔ میں۔ گالی بھی پہلے اُس نے مجھ کو دی۔ حضرۃ بی۔ تم نے کیوں گالی کھانے کی بات کی۔ میں۔ یہی تو میں عرض کرتا ہوں کہ میرا مطلق قصور نہ تھا۔ حضرۃ بی۔ کیا ایسے

(حاشیہ:) ۱ نوعمر کو پٹھا کہتے ہیں جوان
۲ تکرار کرنے والا۔ بار بار جا
۳ بازو کو دو دو سر ہاتھ سے ٹھوکنا
۴ لپٹ جاؤں
۵ برابر کا
۶ ان لفظوں سے مراد ہو کہ سلیم نے اس لڑکے کی شان میں اور بے جا الفاظ کہے
۷ جو کلام نہیں سے شرمندہ ہو
۸ اور نہ تھا
۹ بے فائدہ
۱۰ ابتدا

بیہودہ لڑکوں سے ملاقات رکھنا تمھارا قصور نہیں ہے۔ میں۔ جناب آپ کو معلوم نہیں وہ اکارہ
چلنوں کے سر ہوتا ہے۔ حضرۃ بی۔ یک نشد دو شد۔ دروغ گویم بر روے تو میرے
لڑکوں کے تو کوئی بھی سر نہیں ہوتا۔ میں۔ ان سے تو سرے سے جان پہچان ہی نہیں۔ حضرۃ بی
اور تم سے ہے۔ میں۔ یہ کیونکر کہوں کہ نہیں ہے۔ حضرۃ بی۔ ہے تو وہی تمھارا قصور ہے اور اُسی کی یہ
سزا ہے کہ تم نے بازار میں گالیاں کھائیں۔ میں۔ لیکن میں نے بھی خوب ہی بدلا لیا۔ حضرۃ بی۔
بس یہی تو تمھاری خرابی کے لچھن ہیں کہ تم اس کو بدلا سمجھتے ہو۔ اگر ایک شخص تمھارے ساتھ کچھ
بُرائی کرے تو اُس کو لوگ بُرا کہیں گے یا نہیں کہیں گے۔ میں۔ ضرور کہیں گے۔ حضرۃ بی۔ اور جب تم
اُس کے ساتھ زیادہ بُرائی کرو تو کیا تم زیادہ بُرے نہ کہلاؤ گے۔ گالیاں بکنا ایک بُری بات ہے اُس نے
بکیں تو جھک مارا اور تم نے زیادہ بکیں تو زیادہ جھک مارا۔ سلیم تم اپنے میں اور اُس کنجڑے کے
چھوکرے میں کچھ فرق سمجھتے ہو۔ یہ سُن کر مجھ کو ندامت شروع ہوئی اور میں نے کہا کہ واقع میں اس وقت
تو مجھ میں اور اُس میں کچھ فرق نہ تھا۔ حضرۃ بی۔ لیکن وہ ایک بازاری آدمی کا بیٹا ہے اور تم ایک بڑے
عزۃ دار کے لڑکے ہو۔ تمھارے دادا کا شہر میں وہ شہرہ ہے کہ اُن کے نام کی لوگ تعظیم کرتے ہیں
اُن ہی کے پوتے تم ہو جھوٹ بولنے پر دلیر۔ قسم کھانے میں بے باک۔ فحش بکنے میں بے دھڑک
سلیم کوئی شخص دین ہو یا دنیا کسی جگہ اس وجہ سے عزۃ نہیں پا سکتا کہ اُس کے باپ دادا عزۃ دار تھے
اصل میں عزۃ آدمی کے کردار کی ہے۔ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ یہ عادتیں جو تم نے سیکھی ہیں عزۃ حاصل
کرنے کی ہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ سُن کر مجھ کو اس قدر شرمندگی ہوئی کہ میں رونے لگا اور حضرۃ بی
بھی آب دیدہ ہوئیں اور مجھ کو پاس بٹھا کر پیار کیا اور کہا کہ بیٹا میں تمھارے ہی فائدے

ایک جھوٹ تو تمھاری دوسرا اور بیہودہ جھوٹ بھی بولوں تو

تمھارے دور دوری کرتوت عمل آٹھوں میں آنسو بھر آئے

کے لئے کہتی ہوں اب بھی کچھ نہیں گیا لیکن چند روز بعد تم کو ان عادتوں کا چھوٹنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ میں نے اُسی وقت توبہ کی اور کہا کہ اگر اب سے آپ مجھ کو قسم کھاتے یا فحش بکتے یا جھوٹ بولتے یا بازاری لڑکوں میں کھیلتے سنیں تو مجھ کو اپنے گھر میں نہ آنے دیجئے گا۔ باپ۔ کیا بس اُسی دن سے تم کو کھیلنے سے نفرۃ ہو گئی۔ بیٹا۔ جناب نہیں مہینوں میں حضرۃ بی کے یہاں جاتا رہا اور ہر روز نصیحۃ کی دو چار باتیں وہ مجھ سے کہا کرتی تھیں۔ ایک روز اُنھوں نے مجھ سے میرے وقت کا حساب پوچھا۔ میں نے سونا اور کھانا اور کھیلنا اور تھوڑی دیر لکھنا پڑھنا بہتیرے کام گنوائے۔ مگر اُنھوں نے سُن کر ایک ایسی آہ کھینچی کہ آج تک اُس کی چوٹ میں اپنے دل میں پاتا ہوں اور کہا کہ سلیم آٹھ پہر میں خدا کا ایک کام بھی نہیں۔ خدا نے تم کو آدمی بنایا کیا ممکن نہ تھا کہ وہ تم کو بلی یا کُتا بنا دیتا۔ پھر آدمی بھی بنایا تو ایسے خاندان کا جو عزۃ دار اور خوش حال ہے ہو سکتا تھا کہ تم مزدور یا لکڑہارے کے گھر پیدا ہوتے اور ایسی ہی چھوٹی سی عمر میں تم کو پیٹ پورا کرنے کے واسطے محنۃ کرنی پڑتی اور پھر بھی سوائے چبینے کے اَور کچھ نہ پاتے اور وہ بھی پیٹ بھر کر نہیں۔ ایک لنگوٹی تم باندھے پھرتے۔ نہ پاؤں میں جوتی۔ نہ سر پر ٹوپی۔ نہ گلے میں انگرکھا۔ جہاں جاتے دُر دُر جس کے پاس کھڑے ہوتے بھٹ پھٹ۔ پھر صورۃ تم کو ایسی پاکیزہ دی کہ جو دیکھے پیار کرے۔ کیا تم کو کالا بھٹ کانا لنگڑا۔ کوڑھی بنا دینا اُس کو مشکل تھا جس خدا کے تم پر اتنے سلوک اور اتنے احسان ہیں ستم ہے کہ دن رات میں ایک دفعہ بھی اُس کے آگے سر نہ جھکاؤ۔ غضب ہے کہ ایک لمحہ بھی اُس کو یاد نہ کرو تب حضرۃ بی نے مجھ کو نماز سکھائی اور اُس کے معنی سمجھائے اور اسی طرح اُنھوں نے مجھ کو ہزارہا نصیحتیں کیں کہ بر زبان یاد نہیں رہیں مگر افسوس ہے کہ کئی مہینے سے اُن کے گھر میرا جانا چھوٹ گیا۔ یہ کہہ کر سلیم کی آنکھوں

میں آنسو بھر آئے۔ باپ۔ کیوں تم نے کس لئے اُن کے یہاں کا جانا ترک کیا۔ کیا اُن کے نواسوں سے لڑائی ہو گئی۔ بیٹا۔ جناب اُن کے نواسے مجھ کو بھائیوں سے کہیں زیادہ عزیز ہیں اگر میں اُن سے لڑتا تو دنیا میں مجھ سے زیادہ کوئی نالائق نہ تھا۔ باپ۔ پھر کیا خود حضرۃ بی تم سے ناخوش ہو گئیں۔ بیٹا۔ استغفر اللہ وہ تو اس درجے کی نیک ہیں کہ غصہ اُن کو چھو ہی نہیں گیا۔ باپ۔ تو کیا تم آپ سے آپ بیٹھ رہے۔ بیٹا۔ میں تو ہر روز وہاں جانے کے واسطے تڑپتا ہوں۔ باپ۔ تو کیا یہاں تم کو کسی نے منع کیا۔ بیٹا۔ نہیں کسی نے منع بھی نہیں کیا۔ باپ۔ پھر کیا سبب ہوا۔ بیٹا۔ اگر آپ مجھ کو اس کا سبب بیان کرنے سے معاف رکھتے تو بہتر تھا۔ باپ۔ نہیں ضرور ہی کہ میں تمھارے نہ جانے کا سبب معلوم کروں۔ بیٹا۔ اس میں ایک شخص کی شکایۃ ہو گی اور حضرۃ بی نے مجھ کو غیبۃ اور چغلی کی ممانعۃ کی ہی۔ باپ۔ لیکن کیا وہاں کے نہ جانے سے تمھارا نقصان نہیں ہی۔ بیٹا۔ ای جناب نقصان سا نقصان ہی مگر میرے اختیار کی بات نہیں۔ باپ۔ تو میں تم کو اپنے منصب پدری کی رو سے حکم دیتا ہوں کہ تم سارا حال پوست کندہ بیان کرو۔ بیٹا۔ جناب آپ پوچھتے ہیں تو میں عرض کرتا ہوں کہ حضرۃ بی نے ایک مرتبہ مجھ کو بتاکید کہا تھا کہ تم اپنے سر کے بال منڈوا ڈالو۔ اگرچہ مجھ کو بال بہت عزیز تھے اور میں اُن کی خدمۃ بھی بہت کچھ کرتا تھا لیکن چونکہ مجھ کو یقین تھا کہ حضرۃ بی جو بات کہتی ہیں ضرور میری منفعۃ کے واسطے کہتی ہیں میں نے کہا بہت خوب۔ حضرۃ بی نے اور تو کچھ سبب نہیں بیان کیا مگر اتنا کہا کہ بالوں کی بزرگ داشت میں تمھارا بہت سا وقت صرف ہوتا ہی اور وقت ایسی چیز نہیں ہی کہ اُس کو ایسی فضول باتوں میں صرف کیا جائے اور تم کو بڑے بال رکھنے کی کچھ ضرورۃ بھی نہیں ہی۔ اگلے دن جو حجام بڑے بھائی جان کا خط بنانے آیا میں نے اُس سے کہا کہ خلیفہ میرے بال بھی مونڈ دینا۔ بالوں کا

---

۴ چھوڑ دیا ۱۲
۴ یعنی نوبت اس کو ... لفظی معنی معافی ۱۲
... مانگتا ہوں بلکہ مراد یہ ہو کہ اگر میری کسی بات سے آپ کو ... حضرۃ بی کا قصور سمجھا جاوے تو میری غلطی ... معاف کرے کسی کو
۴ پیچھے پڑ رہنا ... یعنی باپ ہونے کے حق سے ۱۲
۵ صاف صاف۔ لفظی معنی اوپر کی چھال یا کھال نکلی ہوئی ۱۲
۶ خدمۃ حفاظۃ
۷ داڑھی مونچھ کی اصلاح کو خط بنوانا بولتے ہیں ۱۲
۸ حجاموں کو عموماً عزۃ کی راہ سے خلیفہ کہنے لگے ہیں ورنہ حقیقۃ میں خلیفہ اُستاد کا جانشین ۱۲

مونڈنا سُن کر بڑے بھائی جان اس قدر خفا ہوئے کہ میں عرض نہیں کر سکتا مجھ کو جو چاہتے کہہ لیتے
حضرۃ بی اور اُن کے نواسوں کو بہت ہی بُرا بھلا کہا۔ یہ کہہ کر سلیم کی آنکھوں میں پھر آنسو بھر
آئے۔ باپ۔ تمھارے بڑے بھائی سے اور حضرۃ بی سے کیا واسطہ اور اُن کو تمھارے افعال میں
میرے ہوتے کیا دخل۔ بیٹا۔ جناب نہیں معلوم اُن کو کس طرح معلوم ہو گیا تھا کہ میں اُن کے گھر آتا جاتا
ہوں۔ دو ایک مرتبہ مجھ سے پہلے بھی کہا تھا کہ تو اُن مردہ شو قل اعوذیوں کے ساتھ اکثر رہتا ہے
کیا تو بھی ملانا اور مسجد کا ٹکڑ گدا بنے گا۔ اُس دن بالوں پر کہنے لگے کہ دیکھا آخر اُن نابکاروں کی
صحبت کا یہ اثر ہوا کہ آپ اچھے خاصے سر کو چھلا ہوا کسیرو بنانے چلے ہیں کہ دیکھتے ہی ہتھیلی کھجلائے۔
چانٹا مارنے کو جی چاہے۔ ابے اکیلے سر منڈانے سے کیا ہوتا ہے ڈھیلا ڈھالا کرتہ پہن گھٹنوں تک کا
پائجامہ بنا پنج آیت کے واسطے دو چار سورتیں یاد کر اور جو چاہے کہ فقط انگلی کو خون لگا کر شہیدوں میں
داخل اور نرا سر منڈا کر بریانی کی دعوتوں میں شامل ہو جاؤں تو بچا ہاتھ دھو رکھو گھسنا تو ملنے ہی کا نہیں۔ باپ۔
تم نے کچھ جواب نہیں دیا۔ بیٹا۔ جناب اوّل تو بڑے بھائی کو جواب دینا خلاف شیوۂ ادب تھا اور اگر دیتا تو مجھ کو
جیتا بھی نہ چھوڑتے۔ جب تک میں سامنے سے ٹل نہیں گیا اُنھوں نے زبان بند نہیں کی اور ناحق
حضرۃ بی اور اُن کے نواسوں کی شان میں بُری بُری باتیں کہیں۔ غرض ڈر کے مارے پھر میں نے بال
منڈوانے کا نام نہیں لیا اور تبھی سے مجھ کو ایک حجاب سا پیدا ہوا کہ کئی بار مجھ سے کہہ چکی ہیں اپنے دل میں
کیا کہتی ہوں گی کہ کیسا خود سر لڑکا ہے۔ لیکن پھر اُنھوں نے کچھ تذکرہ نہیں کیا معلوم نہیں بھول
گئیں یا کہنے سے کچھ فائدہ نہ دیکھ کر چپ ہو رہیں لیکن ابھی تک بھی میں نے جانا نہیں
چھوڑا اگرچہ میرا جانا داخل بے غیرتی تھا۔ جب اُنھوں نے مجھ کو نماز سکھائی اور نماز کی

تاکید کی تو میں نے ایک دن گھر میں نماز پڑھنی چاہی۔ بڑے بھائی جان اور اُن کے یار دوست برابر ہنسائے جاتے تھے اور نہیں ہنستا تھا تو جا نماز اُلٹ اُلٹ دیتے۔ سجدے میں جاتا تو اوپر بیٹھ بیٹھ جاتے۔ ایسی حالۃ میں ممکن نہ تھا کہ میں نماز پڑھ سکوں اور حضرۃ بی سچ بولنے کا مجھ سے عہد لے ہی چکی تھیں۔ میں نے سوچا کہ جاؤں گا تو نماز کو پوچھیں گی کیا کہوں گا۔ بالوں کی شرمندگی اور نماز کی ندامۃ غرض اعمال کی شامۃ کہ میں نے جانا چھوڑ دیا۔ اب وہاں گئے مجھ کو تین ساڑھے تین مہینے ہو گئے۔ میری اس نا اہلی[۱] کو دیکھئے کہ تبھی سے وہ میرے ہم جماعۃ بیمار پڑے ہیں میں اُن کی عیادۃ[۲] کو بھی نہیں جا سکا۔ باپ۔ لیکن تم نے اپنی مجبوری کا حال مجھ پر کیوں نہیں ظاہر کیا۔ بیٹا۔ اس خوف سے کہ غیبۃ ہو گی۔ باپ۔ تم نے اپنے بڑے بھائی کے رودررو[۳] کہا ہوتا۔ بیٹا۔ اتنی مجال نہ مجھ میں کبھی تھی نہ اب ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میں ہر وقت آپ کے پاس رہنے سے رہا جب اکیلا پائیں گے مجھ کو ٹھیک بنائیں گے[۴]۔ باپ۔ تم کو خوف ہی خوف تھا یا تم کو بڑے بھائی نے کبھی مارا بھی تھا۔ بیٹا۔ اس کی گنتی نہ میں بتا سکتا ہوں اور نہ بڑے بھائی جان بتا سکتے ہیں۔ باپ۔ کس بات پر۔ بیٹا۔ میں تو ہمیشہ اُن کے مارنے کو ناحق بے سبب۔ بے قصور۔ بے خطا ہی سمجھا۔ باپ۔ تم نے اپنی ماں سے بھی کبھی تذکرہ نہ کیا۔ بیٹا۔ جو وجہ آپ کی خدمۃ میں عرض کرنے کی مانع تھی وہی والدہ سے کہنے کو بھی روکتی تھی۔ دوسرے میں دیکھتا تھا کہ گھر میں نماز روزے کا مطلق چرچا نہیں یہ بھی خیال ہوتا تھا کہ ایسا نہ ہو کہوں اور حسب طرح بڑے بھائی جان ناخوش ہوتے ہیں اور لوگ بھی نارضامند ہوں۔ باپ۔ تو یہ چند مہینے تمھارے رہنا یہ ہی بُری طرح گزرے۔ بیٹا۔ کچھ عرض نہیں کر سکتا ایک حضرۃ بی کی خدمۃ سے محروم رہنے

[۱] نالائقی
[۲] بیمار پرسی
[۳] مونہ در مونہ
[۴] مراد ہے ماریں گے ستائیں گے

کا صدمہ۔ دوسرے اپنی مجبوری کا رنج۔ میں نے لوگوں سے سُنا تھا کہ سگ باش و برادر خُرد مباش سو مجھ کو ہر روز اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر تو اس بات کا قلق تھا کہ میں اپنے گھر میں سب چھوٹے بڑوں کی عادتوں کو ناپسند کرتا ہوں۔ اور اپنے جی میں سوچا کرتا ہوں کہ جس گھر میں مجھ کو رہنا ہے اُس سے مجھ کو وحشت ہوتی ہے تو میں کہاں جاؤں گا اور کیا کروں گا۔ باپ۔ لیکن اگر اب تم کو حضرۃ بی کے گھر جانا ملے۔ بیٹا۔ سبحان اللہ اس سے بڑھ کر کوئی خوشی کی بات نہیں لیکن جب تک کہ میں سر کے بال نہ منڈوالوں اور نماز نہ پڑھوں میں اُن کو مُونہ نہیں دکھا سکتا۔ باپ۔ اور اگر یہ بھی ہو۔ بیٹا۔ تو پھر یہ بھی ہو کہ ہمارے گھر کی عادتیں بھی وہیں کی سی ہو جائیں۔ باپ۔ بھلا اگر دونوں ہوں۔ بیٹا۔ تو پھر مجھ کو اور کچھ درکار نہیں۔ باپ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے اس تمام گھر پر ایک بربادی اور تباہی چھا رہی ہے اور سارا خاندان گناہ اور بے دینی کی آفۃ میں مبتلا ہے۔ آوے کا آوا خراب۔ کنبے کا کنبہ گم راہ۔ تعجب ہے کہ اب تک کوئی عذاب الٰہی ہم پر نازل نہیں ہوا۔ حیرۃ ہے کہ قہرِ خدا ہم پر کیوں نہیں ٹوٹ پڑا اور خدا کا الزام اور تم سب کا اُلاہنا تمام تر مجھ پر ہے۔ میں تم لوگوں کے جسموں کی تو پرداخت و پرورش کرتا رہا۔ لیکن تمھاری روحوں کو میں نے ہلاک اور تمھاری جانوں کو میں نے تلف کیا۔ کتنے خون میری گردن پر ہیں اور کتنے وبال میرے سر پر ع بحیرتم کہ سرانجام من چہ خواہد بود۔ سلیم آج تم خوش ہو کہ تمھاری آرزو برآئی اور تمھارا مطلب خدا نے پورا کیا۔ شوق سے اپنا سر منڈواؤ۔ نماز پڑھو اور حضرۃ بی کی خدمۃ میں جاؤ۔ آج سے حضرۃ بی میری دینی ماں اور اُس کے نواسے میرے دینی فرزند ہیں اور میں خود تمھارے ساتھ چلوں گا اور حضرۃ بی کا شکریہ ادا کروں گا کہ اُنھوں نے حسبۃً للہ

تمھارے اور میرے دونوں کے ساتھ سلوک کیا۔ تمھارے ساتھ یہ کہ تم کو نیک صلاح دی اور میرے ساتھ یہ کہ جو کام میرے کرنے کا تھا وہ اُنھوں نے کیا۔ آج کے بعد سے ان شاء اللہ تم اس گھر کو حضرۃ بی کے گھر کی طرح دیکھو گے کوئی تفرقہ تم میں اور اُن کے نواسوں میں باقی نہ رہے گا۔ سلیم تمھاری آج کی گفتگو سُن کر میرا جی بہت ہی خوش ہوا اور تم مجھ کو ساری اولاد میں سب سے زیادہ عزیز رہو گے۔ تم کو میں دوسروں کے لئے نمونہ اور مثال بناؤں گا اور اُن کو جو تم سے بڑے ہیں تمھاری تقلید پر مجبور کروں گا۔

فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ کی لڑائی

اِدھر تو نصوح اور سلیم دونو باپ بیٹوں میں یہ گفتگو ہو رہی تھی اُدھر اتنی ہی دیر میں فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ میں خاصی ایک جھوڑ ہو گئی۔ نعیمہ اس وقت دو برس کی بیاہی ہوئی تھی پانچ مہینے کا پہلونٹی کا لڑکا گود میں تھا۔ ناز و نعمت میں پلی۔ نانی کی جہیتی۔ ماں کی لاڈو۔ مزاج کچھ تو قدرتی تیز، باپ کے لاڈ اور پیار سے وہی کہاوت ہو کر یلا اور نیم چڑھا اور بھی چڑچڑا ہو گیا تھا۔ ساس نندوں میں بھلا اس مزاج کی عورۃ کا کیوں گزر ہونے لگا تھا۔ گھونگھٹ کے ساتھ مُونہ کھلا اور مُونہ کا کھلنا تھا کہ سُسرال کا آنا جانا بند ہو گیا۔ اب چھ چھ مہینے سے ماں کے گھر بیٹھی ہوئی تھی مگر رسّی جلی پر بل نہ گیا باوجودے کہ اُجڑی ہوئی میکے میں پڑی تھی مزاج میں وہی طنطنہ تھا۔ کوار پنے ہی میں سو اگر کی زبان تھی کچھ یوں ہی سا لحاظ بڑی بوڑھیوں کا تھا سو بیاہے سے اُن کو بھی دھتکار بتائی۔ بیٹا جنے پیچھے تو اَور بھی کھُل کھیلی۔ مردوں تک کا لحاظ

اُٹھا دیا۔ فہمیدہ نے میاں کے روبرو بیٹیوں کا بیڑا اُٹھاتے تو اُٹھا لیا تھا لیکن نعیمہ کے تصور سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اور جی ہی جی میں کہتی تھی کہ ذرا بھی میں اُس بھڑوں کے چھتّے کو چھیڑوں گی تو میرا سر مونڈ کر بھی بس نہیں کرے گی۔ سو سو منصوبے ذہن میں باندھتی تھی مگر نعیمہ کی شکل نظر پڑی اور سب غلط ہو گئے۔ ہاں تو موقع اور محل ہی سوچتی رہی نعیمہ نے خود ہی ابتدا کی۔ بڑے سویرے بچہ حمیدہ کو دے کر خود ہاتھ مُونہ دھونے میں مصروف تھی۔ جب حمیدہ نے دیکھا کہ نماز کا وقت نکلا جاتا ہے بچے کو بٹھا نماز پڑھنے لگی۔ بچہ کس اُچھل کھری ماں کا بٹھا بٹھانا تھا کہ بلبلا اُٹھا۔ آواز سُن کر ماں دوڑی آئی۔ دیکھا کہ بچہ اکیلا پڑا رو رہا ہے اور حمیدہ کھڑی نماز پڑھ رہی ہے۔ دور سے دوڑ پیچھے سے حمیدہ کے ایسی دو ہتڑ ماری کہ حمیدہ رکوع سے پہلے سجدے میں جا گری۔ اُس وقت فہمیدہ کسی ضرورۃ سے دوسرے قطعے میں گئی تھی۔ پھر کر آئی تو دیکھا کہ حمیدہ چبوترے پر پانی کا لوٹا لئے ہوئے سر جھکائے بیٹھی ہے اور ناک سے خون کی تلّی جاری ہے۔ گھبرا کر پوچھا کہ ابھی تو میں تمھیں نماز پڑھتی کو چھوڑ گئی تھی اتنی ہی دیر میں ہوا تو کیا ہوا دیکھوں کہیں نکسیر تو نہیں پھوٹی۔ حمیدہ بیچاری نے ابھی کچھ جواب بھی نہیں دیا کہ نعیمہ خود بول اُٹھی اجی ہوا کیا ذرا کی ذرا لڑکے کو دے کر میں مُونہ دھونے چلی گئی اس نکمّی سے اتنا نہ ہو سکا کہ لڑکے کو لئے رہے آخر میں کہیں کنوئیں میں گرنے تو نہیں چلی گئی تھی۔ لڑکے کو بلکتا ہوا لٹا نیّت باندھ نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ میں جو آئی تو یوں ہی ہولے سے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا کہ آپ دھڑام سے گر پڑی کہیں تخت کی کیل لگ گئی ہوگی۔ ماں۔ اچھا تم نے ہولے سے ہاتھ رکھا تھا کہ نگوڑی لڑکی کے فصد کے برابر خون نکلا۔ کیسے دنیا میں لہو سفید ہو گئے ہیں۔ نعیمہ۔ لہو

سفید نہ ہو گئے ہوتے تو کیا یوں بھانجے کو روتا ہوا چھوڑ دیتی۔ ماں۔ لیکن اُس نے بے سبب نہیں چھوڑا اس کی نماز چلی جا رہی تھی۔ نعیمہ۔ بلا سے صدقے سے نماز کو جانے دیا ہوتا نماز پیاری تھی یا بھانجا۔ ماں۔ لڑکی ڈر خدا کے غضب سے کیا کفر بک رہی ہے اس حالۃ کو تو پہنچ چکی اور پھر بھی تُو درست نہ ہوئی۔ نعیمہ۔ خدا نہ کرے میری کونسی حالۃ تم نے بری دیکھی۔ ماں۔ اس سے بدتر حالۃ اَور کیا ہوگی کہ تین برس بیاہ کو ہوئے اور ڈھنگ سے ایک دن اپنے گھر میں رہنا نصیب نہیں ہوا۔ نعیمہ۔ وہ جہنم[۱] جلا گھر ہی ایسا دیکھ کر دیا ہو تو کوئی کیا کرے۔ ماں۔ ہاں بیٹی سچ ہے میں تو تیری ایسی ہی دشمن تھی مائیں بیٹیوں کو اسی واسطے بیاہا کرتی ہوں گی کہ بیٹیاں اُجڑی ہوئی اُن کے گھٹنے لگی بیٹھی رہیں۔ نعیمہ۔ کیا جانیں ہم کو تو آنکھیں میچ کر کنوئیں میں دھکیل دیا تھا سو پڑے ڈبکیاں[۲] کھا رہے ہیں۔ ماں۔ خیر بیٹی اللہ رکھے تمھارے آگے بھی اولاد ہے اب تم سمجھ بوجھ کر ان کی شادی بیاہ کرنا۔ نعیمہ۔ کریں ہی گے نہ کریں گے تو کیا تمھارے بھروسے بیٹھے رہیں گے۔ ماں۔ میں کیا کہتی ہوں کہ میرے بھروسے بیٹھی رہنا۔ بڑا بھروسا خدا کا۔ نعیمہ۔ کیسا خدا بھروسا اپنے دم قدم کا۔ ماں۔ یہ دوسری دفعہ ہے کہ تو خدا کی شان میں بے ادبی کر چکی ہے اب کی تو نے اس طرح کی بات مُونہ سے نکالی اور بے تامل میں تڑدے سی[۳] طمانچہ تیرے مُونہ پر کھینچ ماروں گی۔ نعیمہ۔ سچ کہنا بڑی بیچاری مارنے والیں مارو اپنی چہیتی کو مارو اپنی لاڈو کو۔ ماں۔ کیسی چہیتی کیسی لاڈو قربان کی تھی وہ اولاد جو خدا کو نہ مانے۔ نعیمہ۔ یہ کب سے۔ ماں۔ جب سے خدا نے ہدایۃ دی۔ نعیمہ۔ چلو خیر جب ہم بھی تمھاری عمر کو پونہچیں گے تو بہتیرا خدا کا ادب کر لیں گے۔ ماں۔ آپ کو خبر سے

[۱] یعنی اس کے جہنم کو جلا...
[۲] غوطے
[۳] طمانچے کی آواز

غیب دانی[۱] میں بھی دخل ہو کہ بارے میری عمر تک پونہچنے کا یقین ہو۔ نعیمہ۔ اب تم میرے مرنے کی فال نکالو۔ ماں۔ نہ کوئی کسی کی فال سے مرتا اور نہ کوئی کسی کی فال سے جیتا جس کی جتنی خدا نے لکھ دی۔ نعیمہ۔ ورنہ تم مجھ کو کاہے کو جینے دیتیں۔ ماں۔ اتنا ہی اختیار رکھتی ہوتی تو تجھ کو آدمی ہی نہ بنا لیتی۔ نعیمہ۔ نوج کیا میں حیوان ہوں۔ ماں۔ جو خدا کو نہیں جانتا وہ حیوان سے بدتر ہو۔ نعیمہ۔ اب تو ایک حمیدہ تمھارے نزدیک انسان ہو باقی سب گدھے ہیں۔ ماں۔ حمیدہ کا تجھ کو کیا جلاپا پڑ گیا تو اُس کی جوتی کی برابری تو کر لے۔ نعیمہ۔ خدا کی شان یہ اُٹھک بیٹھک کر لینے سے حمیدہ کو ایسے بھاگ لگ گئے۔ فہمیدہ دو مرتبہ بیٹی کو منع کر ہی چکی تھی اور سمجھا دیا تھا کہ اگر پھر دین کی باتوں میں بے ادبانہ کلام کرے گی تو میں تیرا مُونہ پر طمانچہ کھینچ ماروں گی۔ اس مرتبہ جو نعیمہ نے نماز کو اُٹھک بیٹھک کہا تو[۲] حرارۂ دین داری نے فہمیدہ کو بے اختیار کر دیا اور اُس نے واقع میں جیسا کہا تھا نعیمہ کے مُونہ پر ایک طمانچہ ایسے زور سے مارا کہ مُونہ ہی تو پھر گیا۔ طمانچے کا لگنا تھا کہ نعیمہ نے ایک آفت توڑ ماری۔ سب سے پہلے تو اُس نے دے دھواں[۳] دھوں دے دھواں دھوں اپنے بے زبان معصوم بچے کو پیٹ ڈالا اگر لوگ اُس کی گود سے بچے کو نہ چھین لیں تو وہ لڑکے کا خون[۴] ہی کر چکی تھی۔ اُس کے بعد تو اُس نے عجب عجب فیل مچائے گھٹنوں تو پٹخنیاں کھائی کی۔ کپڑوں کا ایک تار باقی نہ رکھا۔ نہیں معلوم اُس کا سر تھا یا لوہے کا گولہ تھا کہ ہزاروں تو دوہتھڑ اُس پر پڑے آدھے سے زیادہ بال کھسوٹ ڈالے سیکڑوں ٹکریں دیواروں میں ماریں۔ حیرت ہو کہ وہ سر بچا تو کیونکر بچا۔ اُس کے پاکھنڈ دیکھ کر سارا گھر[۵] تھرا اٹھا

اور لوگ ڈرنے لگے کہ ایسا نہ ہو تھانے والے غل سُن کر اندر گھس آئیں۔ بارے بمشکل پکڑ پکڑا کر کوٹھری کے اندر دھکیل اوپر سے کُنڈی لگا دی۔ نیچے گھر میں اتنا غل ہوا مگر بالاخانہ کچھ ایسا الگ سا تھا کہ نصوح کو مطلق خبر نہیں ہوئی جب سلیم باپ سے باتیں کر کے نیچے اُتر آیا تو فہمیدہ اوپر گئی۔ اُس وقت تک غیظ[۵۱] و غضب اور رنج و تعب[۵۲] کے آثار اُس کے چہرے سے نمودار[۵۳] تو تھے ہی دور ہی سے نصوح نے پوچھا خیر یہ تو ہے۔ فہمیدہ۔ اللہ تعالیٰ خیر یہ ہی رکھے۔ کیوں تم نے کیا سمجھ کر پوچھا۔ نصوح۔ تمھارے چہرے پر ہوائیاں[۵۴] اُڑ رہی ہیں ہونٹھ خشک ہو رہے ہیں سر سے پاؤں تک کھڑی کانپ رہی ہو آخر یہ سب باتیں بے سبب تو نہیں ہیں۔ فہمیدہ نے نعیمہ کی اپنی تمام سرگزشت[۵۵] بیان کی۔ نصوح یہ ماجرا سُن کر دم بخود ہو گیا۔ آدھے گھنٹے کے قریب دونو میاں بی بی چُپ سناٹے میں بیٹھے رہ گئے۔ آخر فہمیدہ نے کہا پھر اب کیا صلاح۔ نصوح۔ صلاح یہی ہے کہ جو ہونی ہو سو ہو اب نرمی اور لینت[۵۶] نہیں کرنی چاہیے معاذ اللہ ایسا عقیدہ بھلا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ کسی اہل اسلام کے خاندان کی لڑکی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خدا اس کے نزدیک کوئی چیز ہی نہیں۔ مجھ کو تو اس کے ساتھ کھانا حرام ہے۔ بڑی خیر یہ گزری کہ میں وہاں موجود نہ تھا ورنہ میرے روبرو ایسا کلمہ اُس کے مُونہ سے نکلا ہوتا تو شاید میں تلوار کھینچ مارتا ایسی اولاد کے ہونے سے نہ ہونا اچھا۔ بہتر ہوگا کہ ابھی پالکی منگا اس کو اس کی سُسرال پونہچا دو فہمیدہ بھلا کیسی باتیں کرتے ہو بے طلب بے تقریب بھیج دیں۔ ایک تو پہلے ہی سے اس نے اپنی عزۃ کو خاک میں ملا رکھا ہو رہی سہی اَور بھی غارۃ ہو۔ مجھ کو کیا خبر تھی ورنہ تمہاری عیادۃ[۵۷] کی تقریب سے عورۃ مرد سارا سمدھیانہ آیا تھا اور اِس کے لے جانے کے لئے منتیں[۵۸]

[۵۱] غصہ [۵۲] تکان [۵۳] ظاہر [۵۴] چہرے پر ہوائیاں اُڑنا کنایہ ہے رنگ زرد ہو جانے سے [۵۵] جو حقیقت گزری تھی [۵۶] نرمی۔ ملائم پن [۵۷] بیمار پرسی [۵۸] خوشامدیں

کرتے تھے۔ نصوح۔ جو کم بخت عورۃ خدا کی عزۃ و حرمۃ نہ رکھے وہ دنیا میں ہر طرح کی
بے عزتی اور بے حرمتی کی سزاوار ہے۔ جب اُس کو خدا کا پاس[۱] ادب نہیں مجھ کو ہرگز ہرگز
اُس کا پاس محبت نہیں۔ فہمیدہ۔ میں کہتی ہوں شاید اب بھی یہ درست ہو جائے۔ نصوح
توبہ توبہ اُس کے دل میں مطلق نورِ ایمان نہیں وہ سرے سے خدا ہی کی قائل نہیں پھر کیا
درستی کی امید۔ فہمیدہ۔ سسرال بھیج دینا تو ٹھیک نہیں۔ نصوح۔ پھر مجھ سے کیا صلاح
پوچھتی ہو جو تمھارے جی میں آئے سو کرو۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ اُس کے ایسے خیالات ہوں اور میں
اُس کو اپنے گھر میں رہنے دوں اور جو شخص خدا ہی کو نہیں مانتا وہ کیوں اُس روزی میں شریک
ہو جو ہم کو خدائے تعالیٰ اپنی مہربانی اور عنایۃ سے دیتا ہے۔ فہمیدہ۔ لیکن خدائے تعالیٰ اپنا رزق
کسی سے دریغ[۲] نہیں رکھتا بُرے بھلے سب اُس کے یہاں سے روزی پاتے ہیں۔ نصوح۔ میں اُس کے
رزق کا انسداد[۳] نہیں کرتا لیکن میں اپنی کمائی میں منکرِ خدا کو شریک نہیں کرنا چاہتا۔ فہمیدہ۔
ایسی سختی سے گھر میں کوئی کاہے کو رہنے لگا۔ نصوح۔ میں اُس گھر کی فکر میں ہوں جہاں مجھ کو
ہمیشہ رہنا ہے دنیا کا گھر چند روزہ گھر ہے آج اُجڑا تو اور کل اُجڑا تو۔ ایک نہ ایک دن اُجڑے گا
ضرور۔ کیا میرے آباد کرنے سے آباد رہ سکتا ہے۔ فہمیدہ۔ ہاں لیکن ایک مرے پیچھے اُجڑنا
اور ایک جیتے جی اُجڑنا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ نصوح۔ لیکن تم دل کی ایسی کچّی تھیں تو تم نے
ہامی[۴] کیوں بھری اور تمھارا یہ حال ہے تو واقع میں خاندان کی اصلاح ہو نہیں سکتی۔ فہمیدہ۔ کیا اولاد
کے واسطے جی نہیں کڑھتا۔ میں نے ان کو اسی دن کے واسطے پالا تھا کہ یہ بڑے ہو کر مجھ سے
چھوٹ جائیں۔ بے شک مجھ سے تو اتنا صبر نہیں ہو سکتا۔ اتنا کہہ کر فہمیدہ کا جی[۵] بھر آیا اور وہ

[۱] لحاظ۔
[۲] یعنی روزی دینے میں مضائقہ نہیں کرتا۔ بندی۔
[۳] یعنی بند۔
[۴] یعنی اقرار کیوں کی تھی۔
[۵] یعنی اس کو رقت ہوئی رونے لگی۔

رونے لگی۔ نصوح۔ میں نہیں کہتا کہ تمھارا جی نہیں کڑھتا اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ مجھ کو تمھاری برابر ان کی محبت ہے لیکن میں نے یہ بھی تو نہیں کہا کہ تم ان کو چھوڑ دو۔ فہمیدہ۔ کیوں ابھی تم نے نعیمہ کو سسرال بھیج دینے کے لئے نہیں کہا۔ نصوح۔ کیا نعیمہ کبھی سسرال نہیں گئی اور سسرال بھیج دینا اور چھوڑ دینا ایک ہی بات ہے۔ فہمیدہ۔ لیکن ایک ہنسی خوشی جانا جس طرح دنیا جہان کی بیٹیاں میکے سے جایا کرتی ہیں اور ایک لڑ کر جانا اور لڑائی بھی ایسی لڑائی کہ عمر بھر ایسی نہیں ہوئی۔ مجھ کو یاد نہیں کہ میں نے نعیمہ کو کبھی ہاتھ بھی لگایا ہو۔ جواب اس سے زیادہ سخت سخت اس نے دئے۔ مگر جب وہ جواب دیتی تھی میں ہنس دیا کرتی تھی۔ اس مرتبہ نہیں معلوم میں کچھ ایسی آپے سے باہر ہو گئی کہ چھوٹتے ہی تھپڑ کھینچ مارا اتنا بھی مجھ کو خیال نہ رہا کہ یہ بیاہی ہوئی صاحب اولاد ہے۔ نصوح۔ اگر تم نے اس کو تھپڑ نہ مارا ہوتا تو میں تم سے پوچھتا کہ تم کیسی دین دار تھیں کہ ایک شخص نے جس کے دفع کرنے پر تم کو قدرت حاصل تھی تمھارے مونہ پر خدا کی شان میں بے ادبی کی استخفاف و استہزا کے ساتھ اس کا نام پاک لیا اور مطلق تم کو برا نہ لگا۔ فہمیدہ۔ برا نہ لگتا تو میں مارتی ہی کیوں۔ نصوح۔ بے شک تم نے مارا تو بہت بجا کیا لیکن اب اُس کا افسوس کرنا اپنے تئیں ملزم بنانا ہے۔ فہمیدہ۔ لیکن لڑکی جو ہاتھ سے جاتی ہے۔ نصوح۔ یہ حالہ تمھارے لئے ایک امتحان کی حالہ ہے۔ ایمان اور اولاد دو چیزیں ہیں اور سخت افسوس کی بات ہے کہ ان دونو کا اکٹھا ہونا ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ اس واسطے کہ ہماری اولاد دین کی عدو اور ایمان کی دشمن ہے۔ اگر اولاد کا مونہ کریں تو دین و ایمان ہاتھ سے جاتا ہے اور اگر ایمان کا حفظ کریں تو اولاد چھوٹتی ہے۔ پس تم کو اختیار ہے دونو میں سے جس کو چاہو لو۔ فہمیدہ۔ میں

ایمان لوں گی میں ایمان لوں گی جو عاقبۃ میں میرے کام آئے گا۔نصوح۔جزاک اللہ صد آفرین ہی تمھاری فہم پر بے شک ایمان بڑی چیز ہی۔فہمیدہ۔رہی اولاد کیا کروں چھاتی پر پتھر رکھوں گی۔ مجھ کو کیا خبر تھی کہ اس پیٹ کم بخت کو یوں آگ لگے گی اور اس ناشاد کوکھ میں ایسے کیڑے پڑیں گے فہمیدہ یہ کہہ کر بڑی درد و حسرۃ کے ساتھ روئی کہ اُس کو دیکھ کر نصوح بھی بے قرار ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد نصوح بولا کہ دل کو مضبوط رکھو اور اللہ کو یاد کرو جب تمھاری نیۃ بخیر ہی تو سب ان شاء اللہ بہتر ہی بہتر ہو گا وہ بڑا قادر ہی۔چاہے تو دم کے دم میں ہماری ساری اولاد کو ولی کر دے۔دعا کرو کہ اللہ ان کو نیک راہ دکھائے۔فہمیدہ۔رُواں رُواں دعا کر رہا ہی اللہ ہی قبول کرے اور اُسی سے لو لگی ہی۔نصوح۔بھلا نعیمہ کوٹھری کے اندر کیا کر رہی تھی۔فہمیدہ۔رو رہی تھی اور کیا کر رہی تھی۔میں چلتے ہوئے کہتی آئی تھی کہ کواڑ کھول کر اس کو پانی وانی پلا دینا۔نصوح۔اور کھانا۔فہمیدہ۔کیا خوب نہ ابھی دو دن نہ چار دن ابھی سے کھانا۔نصوح۔یہ تو بڑی خرابی کی بات ہی۔فہمیدہ۔اور کیا۔بڑا رونا تو کھانے ہی کا ہی۔وہ مجھ سے چاہے مہینوں نہ بولتی مگر کھانا کھا لیتی تو کچھ اندیشے کی بات نہ تھی۔اُدھر اُس کو تکلیف ہو گی ادھر بچہ دودھ کو پھڑکے گا۔نصوح۔تم اپنا دودھ پلا دینا۔فہمیدہ میں تو اُس کو سو دفعہ پلاؤں مگر اللہ رکھے سیانا بچہ ہی۔ماں کی گود پہچانتا ہی۔کہتے ہیں کہ چالیس دن کا بچہ ماں کی پرچھائیں دیکھنے لگتا ہی۔اب تو سوتے کو ایک دفعہ پلا آئی ہوں۔جاگتے ہیں پئے تو جانوں کہ پیا۔ نصوح۔کھانا کھلانے کی تدبیر ضرور کرنی چاہیئے۔میں جا کر کہوں۔فہمیدہ۔نہ خدا کے لئے تم اُتر نا ہی مت۔نصوح۔میں آہستگی سے سمجھا دوں گا۔فہمیدہ۔

مردوں کی آہستگی کا کچھ اعتبار نہیں اور پھر تمھاری آہستگی کہ ابھی باتوں ہی باتوں میں تم تلوار کھینچنے لگے تھے۔ نصوح۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ کسی طرح کی سختی نہیں کروں گا۔ فہمیدہ۔ پھر بھی کیا ہوا تمھارا دخل دینا مناسب نہیں۔ آخر ایک آدمی گھر میں ایسا بھی ہونا چاہئے کہ چھوٹے بڑے سب اُس کا لحاظ کریں۔ اور فرض کیا کہ تم گئے اور رنج اُس کا تازہ ہے اُس نے نہ مانا تو پھر بڑی دشواری پڑے گی اور اُس کو یہ شرم دامن گیر ہوگی کہ دیکھو باپ تک مجھ کو سمجھا کر ہار گئے اور میں نے کسی کا کہنا نہ مانا اب جو من جاؤں گی تو باپ جی میں کیا کہیں گے۔ نصوح۔ اچھا تو ایک تدبیر کرو اس کی سہیلیوں میں سے کوئی سمجھدار ہو اُس کو بلا بھیجو وہ سمجھا بجھا کر راضی کر لے گی۔ فہمیدہ۔ ہاں یہ ایک معقول تدبیر ہے میں اپنی بھانجی صالحہ کو بلاتی ہوں وہ نو ہم عمر ہیں اور دونو کی ملی بھگت بھی بہت ہے۔ نصوح۔ بس تمھارے انتخاب پر میرا صاد ہے۔ تمھاری بہن کے گھر نماز روزے کا بھی خوب چرچا رہا کرتا ہے۔ جمعے کے جمعے وعظ ہوتا ہے صالحہ کے خیالات ضرور دین دارانہ خیالات ہوں گے۔ فہمیدہ۔ اللہ اکبر اُن کے گھر کی دین داری ضرب المثل ہے۔ ہماری بہن اللہ رکھے اتنی بڑی نمازن ہیں کہ اُنھوں نے اپنے ہوش میں تو کسی وقت کی نماز قضا کی نہیں۔ اتنا تو بال بچوں کا بکھیڑا اُن کے ساتھ ہے اور خدا کی مرضی گھر میں سدا تنگی رہتی ہے سب کام کاج بیچاری کو اپنے ہی ہاتھوں کرنا پڑتا ہے لیکن پنج وقتی نماز اور فمی بشوق کی منزل کیا امکان کہ قضا ہو۔ نصوح۔ سبحان اللہ وہی لوگ بڑے خوش قسمت ہیں دنیا کے فقیر دین کے امیر۔ فہمیدہ۔ اور لطف یہ کہ ہر وقت ہشاش بشاش کبھی عسرۃ کی شکایت یا تنگ دستی کا گلہ ہم نے تو اُن کے مونہ سے سنا نہیں۔ اور چھوٹے بڑے سب مستغنی

مشکل الفاظ کے معنی: شرم دامن گیر ہوگی = اس بات کی شرم دامن پکڑے گی یعنی روکے گی۔ من جانا = راضی ہونا۔ سمجھدار = عقلمند۔ ہم عمر = ایک عمر کے۔ ملی بھگت = میل جول۔ صاد = صحیح کا نشان یعنی پسند ہے۔ وعظ = نصیحت۔ ضرب المثل = مشہور۔ نمازن = نمازی۔ فمی بشوق = قرآن کی منزلیں جو سات دن میں ختم کی جاتی ہیں۔ عسرۃ = تنگی۔ مستغنی = بے پروا۔

اور سیر چشم۔ ہم کو اتنا تو خدا نے دے رکھا ہے لیکن میں سچ کہتی ہوں کہیں شادی بیاہ میں کسی
بیوی کو اپنے سے بہتر زیور یا کپڑا پہنے دیکھتی ہوں تو ضرور میرا جی کڑھتا ہے۔ اور بچوں کا بھی
یہی حال ہے کوئی چیز کسی کے پاس ذرا دیکھ پائیں جب تک ویسی ہی موجود نہ ہو جائے میری
جان کھا جائیں۔ لیکن ہماری بہن کے دل میں کبھی ایسا خیال ہی نہیں آیا۔ اگر مجھ پر اُن کو
حسد ہوتا تو موقع تھا۔ لیکن میرے اور میرے بچوں کے زیور اور کپڑے دیکھ کر باغ باغ ہو جاتی
ہیں اور ہر چیز پر کہے جاتی ہیں ماشاءاللہ چشم بد دور اللہ زیادہ دے اللہ نصیب کرے۔ بچے ہیں
کہ دنیا کی نعمت اُن کے سامنے رکھ دو آنکھ اُٹھا کر بھی تو نہیں دیکھتے۔ نصوح۔ سچ ہے الغنیٰ غنی النفس۔
تونگری بدل ست نہ بمال۔ دنیا کے مال وحشمت کی اُن کی نظروں میں وقعت ہی نہیں پھر حسد
کیوں کریں۔ فہمیدہ۔ اور مجھ سے اور میرے بچوں سے اس قدر محبت کرتی ہیں کہ ڈولی سے اُترتی
ہیں تو اوپر تلے بلائیں لیے چلی جاتی ہیں۔ بلکہ مجھ کو اُن کے بچوں سے ذرا بھی انس نہیں۔
نصوح۔ اُن کی یہ محبت اور ہمدردی خدا پرستی کی وجہ سے ہے۔ اور کچھ تمہاری تخصیص نہیں
سب کے ساتھ اُن کی یہی کیفیت ہوگی۔ فہمیدہ۔ بچوں کو کچھ ایسا سدھار رکھا ہے کہ کبھی آپس میں
لڑتے ہی نہیں۔ ایک ہمارے بچے ہیں کہ ایک دم کو ایک کی ایک سے نہیں بنتی۔ نصوح۔ یہ
اُن کی تعلیم و تلقین کا نتیجہ اور اُن کے اپنے عمدہ نمونے کا اثر ہے۔ مگر تم اُن کو اکثر مہمان بلا کر اپنے
یہاں رکھا کرو کہ ہمارے گھر پر بھی اُن کا پرتو پڑے۔ فہمیدہ۔ ہماری بہن غیرۃ مند بڑی ہیں۔ میں نے کئی
بار اُن سے کہا تو یہی جواب دیا کہ میرے ساتھ بکھیڑا بہت ہے تمہاری سسرال والے نہیں معلوم
دل میں کیا سمجھیں کیا کہیں اس سے میرا آنا نہیں ہو سکتا۔ خدا کرے کہ تم بیٹے بیٹیوں کی

شادیاں کرو بیاہ کرو تو دیکھو بے بلائے پونہچتی ہوں یا نہیں۔ نصوح۔ کوئی سامان ایسا نہیں ہوسکتا کہ اُن کو فکر معاش سے فارغ البالی ہو۔ فہمیدہ۔ وہ ہمارے بہنوئی صاحب کچھ اس کی پیروی ہی نہیں کرتے جب کبھی اُن سے اس کا مذکور آیا بس ایک چلتی سی بات یہی کہہ دیا کرتے ہیں کہ جتنا ہم کو اب ملتا ہی دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لئے کافی ہی کون دردسر مول لے۔ نصوح۔ گھر میں تکلیف رہا کرتی ہوگی۔ فہمیدہ۔ تکلیف تو ہونی ہی چاہیے۔ بیس روپے مہینے کی نوکری اور ہمارے بہنوئی کی سی احتیاط اللہ رکھے اتنا بڑا کنبہ۔ مگر جیسا میں نے تم سے کہا جب سُنا اُن کو شکر گزاری ہی کرتے سُنا اور کچھ خدا نے برکت بھی ایسی ہی دی ہی کہ کپڑا۔ لتا۔ گہنا پاتا۔ سامان ظاہر حیثیت کے موافق کچھ بُرا نہیں۔ کسی کے قرضدار نہیں۔ نیوتے بیوہار کے ایسے کھرے کہ اگر کسی نے اُن کے گھر ایک روپیہ دیا ہوگا تو اُنھوں نے دو ضرور دئے ہوں گے۔ غرض کنبے اور برادری میں بھی کسی سے شرمندہ نہیں۔ نصوح۔ بڑی ہی اچھی زندگی ہی۔ فہمیدہ۔ اس میں شک نہیں۔ کیسی ہی مصیبت ہو میں نے اُن کو مضطر اور بے قرار نہیں دیکھا۔ ہر بات میں اللہ پر توکل خدا پر بھروسا نصوح۔ مجھ کو حیرت ہی کہ تم دونو سگی بہنیں اور عادتوں میں اتنا تفاوت۔ فہمیدہ۔ ماں کے گھر تک تو میرا بھی یہی حال تھا۔ اُنھوں نے ہم دونو کو یکساں سکھایا۔ برابر پڑھایا۔ مگر بُرا مت ماننا میں تمھارے پلے بندھی۔ تمھارے گھر میں آکر جو دیکھا تو دین کا کچھ تذکرہ نہ پایا۔ رفتہ رفتہ نماز وغیرہ کی سب عادتیں چھوٹ گئیں۔ ہماری ماں اللہ جنت نصیب کرے بڑی ہی دیندار تھیں۔ جب دُلھن کو رخصت کرتے ہیں تو دستور ہی کہ بیٹی کی ماں بیٹے کی ماں سے کہا کرتی ہی کہ میں تمھاری خدمت کو لونڈی دیتی ہوں۔ ہماری ماں نے مجھ کو اب تک یاد ہی رخصت کرتے وقت اماں جان سے

یہ کہا تھا کہ دیکھو بوا میری لڑکی نے آج تک نماز قضا نہیں کی اب میں اس کو تمھارے سپرد کرتی ہوں اتنا خیال رکھنا کہ اس کی نماز قضا نہ ہو ورنہ میں بری الذمہ[1] ہوں اس کا وبال اس پر ہوگا یا تمھاری گردن پر۔ جب میں نئی نئی بیاہ کر آئی تو شرم کے مارے اُٹھتی بیٹھتی چلتی پھرتی میں نہ تھی تمام کنبے کی عورتیں ایک دم کو مجھ سے الگ نہ ہوتی تھیں کہ میں تنہائی پا کر دو رکعت نماز پڑھ لیتی۔ اور باوجودے کہ میری اماں نے چلتے چلتے اماں[2] جان سے کہہ دیا تھا مگر اُنھوں نے بھی کچھ خیال نہ کیا۔ بس اُسی دن سے میری نماز جانی شروع ہوئی۔ دو چار دن دل کو افسوس رہا۔ ہوتے ہوتے عادۃ چھوٹ گئی اور ایسی شامت کی مار آئی کہ پھر مجھ کو نماز پڑھنے کا رنج بھی نہیں ہوتا تھا۔ غرض دنیا کی چند روزہ شرم نے مجھ کو پکّی بے دین بنا دیا اور میری وہی کہاوت ہوئی کہ جس نے کی شرم اُس کے پھوٹے[3] کرم۔ لیکن چونکہ نماز کی خوبی بچپن سے ذہن میں بیٹھ چکی تھی اب بھی اتنا تھا کہ جس دن سر[4] دھویا دو چار وقت کی نماز ضرور پڑھ لیا کرتی تھی۔ یا کوئی بال بچہ بیمار ہوا تو نماز پڑھنے لگی خدا نے اُس تردد کو دفع کر دیا پھر چھوڑ دی اب البتہ میں نے مصمم[5] عہد کر لیا ہے کہ برابر نماز پڑھوں گی خدا میرے قول کو پورا کرے۔ نصوح۔ آمین ثم آمین۔ اس کے بعد فہمیدہ نے نیچے اُتر فوراً صالحہ کے واسطے ڈولی بھیجی اور لونڈیوں سے کہہ دیا کہ کہار سواری لے کر آئیں تو چپکے سے پہلے مجھ کو خبر دینا ۱۲

نصوح اور منجھلے بیٹے علیم کی گفتگو

نصوح نے نماز عصر سے فارغ ہو کر منجھلے بیٹے علیم کو پُچھوایا کہ دیکھو مدرسے سے

آئے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ ابھی آئے ہیں اور کپڑے اُتار رہے ہیں تو کہلا بھیجا کہ اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر ذرا کی ذرا میرے پاس ہو جائیں۔ تھوڑی دیر میں علیم مدرسے کا لباس اُتار کتابیں ٹھکانے سے رکھ باپ کی خدمۃ میں جا حاضر ہوا۔ دیکھتے ہی باپ نے کہا آؤ صاحب آج کل تو میں نے سُنا ہی تم کو بہت ہی محنۃ کرنی پڑتی ہی۔ بیٹا۔ امتحان ششماہی قریب ہی اُسی کے واسطے کچھ طیاری کر رہا ہوں دن تھوڑے سے رہ گئے اور کتابیں دیکھنے کو بہت باقی ہیں۔ ہر چند ارادہ کرتا ہوں کہ رات کو گھر پر کتاب دیکھا کروں مگر نہیں بن پڑتا۔ لوگ جو بھائی جان کے پاس آکر بیٹھتے ہیں ایسی اودھم مچاتے ہیں کہ طبیعۃ اُچاٹ ہوئی چلی جاتی ہی۔ باپ۔ پھر تم کچھ اس کا انسداد نہیں کرتے۔ بیٹا۔ اس کا انسداد میرے اختیار سے خارج ہی اور رات رائگاں جاتی ہی۔ دن کو البتہ میں نے مکان کا رہنا ہی چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی اور اپنے کسی ہم جماعۃ کے یہاں چلا گیا۔ باپ۔ اور بڑے امتحان کے واسطے بھی تم کچھ طیاری کر رہے ہو۔ بیٹا۔ ابھی اُس کے بہت دن پڑے ہیں اس سے فارغ ہو کر دیکھا جائے گا۔ باپ کیا اُس کا کوئی وقت مقرر ہی۔ بیٹا۔ جناب ہاں۔ بڑے دن کی تعطیل کے قریب ہوا کرتا ہی۔ باپ۔ نہیں نہیں تم نے میری مراد کو نہیں سمجھا میں حساب آخرۃ کو بڑا امتحان کہتا ہوں۔ کیا وہ بڑا امتحان نہیں ہی۔ علیم باپ کا مُونہ دیکھنے لگا تو پھر باپ نے کہا کیا تم حساب آخرۃ کو بڑا امتحان نہیں سمجھتے یا تم کو اس میں کچھ کلام ہی۔ علیم۔ کیوں نہیں سچ پوچھئے تو سب سے بڑا سخت امتحان وہی ہی۔ باپ۔ تو جب میں تمھارے ان دنیاوی چھوٹے چھوٹے امتحانوں کی خبر رکھتا ہوں تو کیا اُس بڑے سخت امتحان کی نسبۃ میں نے تم سے پوچھا تو کچھ بے جا کیا۔ بیٹا۔ جناب میں تو نہیں کہتا کہ آپ نے بے جا کیا ایسا کہنا میرے نزدیک گستاخی اور گناہ دونوں ہی۔ باپ۔ اچھا تو میں

۱ ششماہی یعنی چھ مہینے کا
۲ اودھم یعنی شور و غل
۳ اُچاٹ یعنی بیزار
۴ رائگاں یعنی ضائع بے کار
۵ بڑے دن یعنی ہر برس ۲۵ دسمبر کو انگریزوں کا بڑا دن ہوتا ہی اسی تہوار کی چھٹی بھی بڑی ہوتی ہی کیونکہ آخر سال ہوتا ہی

سُننا چاہتا ہوں کہ تم اُس بڑے سخت امتحان کے واسطے کیا طیاری کر رہے ہو۔ بیٹا۔ جناب سچ تو یہ ہے کہ میں نے اُس امتحان کے واسطے مطلق طیاری نہیں کی۔ باپ۔ کیا یہ غفلت نہیں ہے۔ بیٹا۔ جناب غفلت بھی پرلے درجے کی غفلت ہے۔ باپ۔ لیکن جب تم ایسے دانش مند ہو کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے امتحانوں کے لئے مہینوں اور برسوں پہلے سے تیاری کرتے ہو تو اُس سخت امتحان سے غافل رہنا بڑے تعجب کی بات ہے۔ بیٹا۔ شامتِ نفس۔ باپ۔ لیکن تمھاری غفلت کا کچھ اَور بھی سبب ضرور ہوگا۔ بیٹا۔ سبب یہی ہے میری سہل انگاری[ل]۔ باپ۔ تم جواب دیتے ہو لیکن صرف لفظوں کو پھیر پھار کر۔ میں تم سے غفلت کا سبب پوچھتا ہوں اور تم نے کہا کہ سہل انگاری اور سہل انگاری اور غفلت ایک چیز ہے تو گویا تم نے غفلت کو غفلت کا سبب کہا۔ بیٹا۔ شاید گھر میں دین داری کا چرچا نہ ہونے سے میری غفلت کو ترقی ہوئی ہو۔ باپ۔ بے شک یہی سبب ہے تمھاری غفلت کا۔ اور میں نے تم سے کھود کھود کر اس لئے دریافت کیا کہ جہاں تک تمھاری غفلت میری بے پروائی کی وجہ سے ہے اُس کا الزام مجھ پر ہے اور ضرور ہے کہ میں تمھارے روبرو اُس کا اقرار کروں اور تم چھوٹے ہو کر مجھ کو ملامت کرو۔ بیٹا۔ نہیں جناب قصور سراسر میرا ہی مجھ کو خدا نے اتنی موٹی بات کے سمجھنے کی عقل دی تھی کہ مجھ کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور میرے پیدا کرنے سے صرف یہی غرض نہیں ہونی چاہئے کہ میں جانوروں کی طرح کھانے اور پانی سے اپنا پیٹ بھر کر سوا کروں۔ باپ۔ تمھاری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمھاری دینی معلومات بھی کم درجے کی نہیں ہے لیکن نہ تو دین کے مسائل[ع] میں نے تم کو خود سکھائے نہ اُن کے

[ل] غفلت بے پروائی سے
[ع] مسائل یعنی ترتیب احکام شرع

سیکھنے کی کبھی تاکید کی۔ مدرسے میں تاریخ وجغرافیہ وہندسہ وریاضی کے سوائے کوئی دوسری
چیز پڑھاتے نہیں پھر تم نے دینی معلومات حاصل کی تو کہاں سے کی۔ بیٹا۔ اس میں شک نہیں
کہ میں نے چھوٹی سی عمر میں قرآن پڑھا تھا لیکن وہ دوسرے ملک کی زبان میں ہی طوطے
کی طرح اول سے آخر تک پڑھ گیا مطلق سمجھ میں نہیں آیا کہ اس میں کیا لکھا ہی اور کیا اس کا
مطلب ہی۔ پھر مکتب میں گیا تو وہاں بھی کوئی دین کی کتاب پڑھنے کا اتفاق نہ ہوا قصے
کہانی اُن میں بھی اکثر بُری بُری باتیں۔ یہاں تک کہ جن دنوں میں بہار دانش پڑھتا تھا ایک
پادری صاحب چاندنی چوک میں سر بازار وعظ کہا کرتے تھے۔ مکتب سے آتے ہوئے لوگوں
کی بھیڑ دیکھ کر میں بھی کھڑا ہو جاتا تھا۔ پادری صاحب کے ساتھ کتابوں کا بھی ایک بڑا بھاری ذخیرہ
رہتا تھا اور اکثر لوگوں کو اُس میں سے کتابیں دیا کرتے تھے۔ ہمارے مکتب کے کئی لڑکے بھی
کتابیں لائے تھے۔ اُنھوں نے کتاب کی جلد تو اُکھاڑ لی اور ورقوں کو یا تو پھاڑ کر پھینک دیا
یا پٹھے بنائے۔ کتابوں کی عمدہ عمدہ جلدیں دیکھ کر مجھ کو بھی لالچ آیا اور میں نے کہا چلو ہم
بھی پادری صاحب سے کتاب مانگیں۔ مکتب سے اُٹھ میں سیدھا پادری صاحب کے
پاس چلا گیا۔ بہت سے لوگ اُن کو گھیرے ہوئے تھے۔ اُن میں ہمارے مکتب کے بھی دو چار
لڑکے تھے۔ لوگ اُن کے ساتھ کچھ مذہبی بحث کر رہے تھے اُس کو میں نے خوب نہیں سمجھا مگر
ایک بات تھی کہ اکیلے پادری صاحب ایک طرف تھے اور ہندو مسلمان سیکڑوں آدمی ایک طرف
لوگ اُن کو بہت سخت سخت باتیں بھی کہتے تھے کوئی دوسرا ہوتا تو ضرور لڑ پڑتا مگر
پادری صاحب کی پیشانی پر چین بھی تو نہیں آتی تھی۔ سخت بات سُن کر اُلٹے مسکرا دیتے

تھے۔ لڑکے ایک شیطان ہوتے ہیں تھوڑی دیر تک تو کھڑے سنتے رہے۔ چلنے لگے تو
اُن میں سے ایک نے کہا لولو ہی ہے لولو ہی۔ اُس کی یہ بات سب لوگوں کو ناگوار ہوئی
اور دو چار آدمیوں نے اُس کو مارنے کے لئے تھپڑ بھی اُٹھائے۔ پادری صاحب نے روکا
اور منع کیا کہ خبردار اس سے کچھ مت بولو لولو موتی کو بھی کہتے ہیں شاید اُس نے یہ سمجھ کر
کہا تو اُس کو انعام دینا چاہئے۔ پادری صاحب کی اس بات نے مجھ پر کیا شاید سب
لوگوں کے دل پر بڑا ہی اثر کیا۔ اور جب شام ہوئی لوگ رخصت ہوئے تو کئی آدمی آپس میں
کہتے جاتے تھے کہ بھائی اِس شخص کا عقیدہ چاہے کیسا ہی ہو لیکن حلم اور بردباری
یہ صفت تو اس میں اولیاء اللہ کی سی ہے۔ غرض پادری صاحب تو وعظ میں مصروف تھے اور میں
اپنی تاک میں تھا کہ ذرا بھیڑ کم ہو یا پادری صاحب کا سلسلۂ سخن منقطع ہو تو کتاب مانگوں۔
لیکن نہیں معلوم پادری صاحب کو میری قیافے سے یا کس طرح معلوم ہو گیا کہ میں کچھ اُن سے
کہنا چاہتا ہوں۔ آپ ہی پوچھا کہ صاحب زادے تم کچھ مجھ سے کہو گے۔ میں نے کہا کہ آپ سب
لوگوں کو کتابیں دیتے ہیں ایک کتاب مجھ کو بھی دیجئے۔ پادری صاحب۔ بہت خوب اس
الماری میں سے تم ایک کتاب پسند کر لو۔ میں نے سنہری جلد کی ایک بڑی موٹی سی کتاب
چھانٹی تو پادری صاحب نے کہا کہ مجھ کو اس کے دینے میں تو کچھ عذر نہیں لیکن تم اس کو پڑھ بھی
سکو گے۔ کون سی کتاب تم پڑھتے ہو۔ میں نے کہا بہار دانش۔ پادری صاحب۔ بھلا تمھارا
آج کا سبق میں بھی سنوں۔ میں نے جزدان میں سے کتاب نکال پڑھنا شروع کیا۔ اُس
دن کا سبق کم بخت ایسا فحش اور بیہودہ تھا کہ لوگوں کے مجمع میں مجھ کو اُس کا

پڑھنا دشوار تھا۔ بمشکل کوئی دو تین سطریں میں نے پڑھی ہوں گی کہ پادری صاحب نے فرمایا بے شک تم نے جو کتاب پسند کی ہے اس کو بخوبی پڑھ سکوگے اور وہ کتاب میں تم کو خوشی سے دیتا ہوں لیکن میں افسوس کرتا ہوں کہ کیوں میں نے تم کو ایسی کتاب کے پڑھنے کو کہا جس کے پڑھنے سے تم اور سننے سے میں اور یہ سب صاحب جو کھڑے ہوے ہیں خدا کے گنہ گار ہوئے۔ خدا ہم سب کی خطا کو معاف کرے۔ اور تم چاہے میری دوسری بات مانو یا نہ مانو لیکن اس کتاب کو تو ضرور چھوڑ دو کہ اس کا مطلب تمہارے مذہب کے بھی بالکل خلاف ہے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ایسے پڑھنے سے نہ پڑھنا تمہارے حق میں بہت بہتر ہے۔ یہ کتاب جو تم پڑھتے ہو تم کو گناہ اور برائی سکھاتی اور بداخلاقی اور بے حیائی کی خراب راہ دکھاتی ہے۔ باوجودے کہ لوگ پادری صاحب کی ہر ہر بات کو کاٹتے تھے مگر اس کو سب نے تسلیم کیا۔ پادری صاحب سے جو کتاب میں مانگ کر لایا اُس کا نام تو مجھ کو معلوم نہیں مگر سلیس اردو میں کسی خدا پرست اور پارسا آدمی کے حالات تھے۔ اگرچہ فی الواقع میں اُس کتاب کو جلد ہی کے لالچ سے لایا تھا لیکن میں نے کہا کہ لاؤ دیکھوں تو اس میں لکھا کیا ہے۔ چنانچہ میں نے اُس کو دیکھنا شروع کیا۔ جوں جوں میں اُس کو پڑھتا جاتا تھا میرا دل اُس میں لگتا تھا اور اُس کی باتیں مجھ کو بھلی معلوم ہوتی جاتی تھیں۔ اُس کتاب کے پڑھنے سے مجھ کو معلوم ہوا کہ میرا طرز زندگی جانوروں سے بھی بدتر ہے اور میں روے زمین پر بدترین مخلوقات ہوں۔ اکثر اوقات مجھ کو اپنی حالت پر رونا آتا تھا اور گھر والوں کا وتیرہ دیکھ دیکھ کر مجھ کو ایک وحشت ہوتی تھی۔ یا تو میری یہ کیفیت تھی کہ مصیبت زدہ لوگوں کو دیکھ کر ہنسا کرتا تھا یا اس کتاب کی برکت سے دوسروں کی تکلیف کو میں اپنی تکلیف سمجھنے لگا۔ مکتب اور بہار دانش وغیرہ کو

یعنی اپنی مرضی کا نہیں اختیار اپنے ہی کی ... صاف ... ان ...

درد ... بیک ... طور طریقہ

نومیں نے اُسی دن سلام کیا تھا جس روز کہ پادری صاحب نے مجھ کو نصیحت کی۔ گھر میں اکیلا پڑا ہوا دن بھر اُسی کتاب کو دیکھا کرتا۔ مکتب کے لڑکے چند بار مجھ کو بلانے آئے مگر میں نہ گیا۔ آخر خود میاں جی صاحب تشریف لائے اور میں نے جی مضبوط کر کے اُن سے صاف کہہ دیا کہ مجھ کو پڑھنا منظور نہیں۔ آپ اُن دنوں دکھن میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک روز نصیبوں کی شامت میں نہیں معلوم کہاں چلا گیا میری غیبت میں وہ کتاب کہیں بھائی جان کی نظر پڑ گئی اور شب برات کے کوئی چار یا پانچ دن باقی تھے بھائی جان کو پٹاخوں کے واسطے ردی درکار تھی بے تامل کتاب کو چیر پھاڑ برابر کر دیا۔ میں نے آ کر دیکھا بہتیرا سر پٹکا کیا ہوتا تھا۔ دوڑا ہوا چوک گیا کہ پادری صاحب ہوں تو دوسرا نسخہ لاؤں۔ مگر معلوم ہوا کہ صاحب آگرے چلے گئے۔ میں کفِ افسوس مَل کر رہ گیا۔ بھائی صاحب کے دوستوں سے شکایت کی تو اُنھوں نے کہا میاں شکر کرو کہ وہ کتاب پھٹ گئی۔ نہیں تم کرسٹان ہی ہو گئے ہوتے۔ یہ جواب سُن کر تو مجھ کو ایک نئی حیرۃ پیدا ہوئی کہ اگر کرسٹان ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن کا حال میں نے اُس کتاب میں پڑھا تو اُن کو بُرا سمجھنا کیا معنی۔ خیر چندے یہ خیالات رہے۔ اُس کے بعد تو میں مدرسے میں داخل ہوا اور دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ اگر آپ کے نزدیک میرے خیالات دین و مذہب سے کچھ علاقہ رکھتے ہیں تو یہ صرف اُس کتاب کا اثر ہے ورنہ دین کا کوئی رسالہ بھی مجھ کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ باپ۔ اہل اسلام اور عیسائیوں کے معتقدات میں کچھ اختلاف ہے مگر پھر بھی جس قدر کہ عیسائیوں کا مذہب اسلام سے ملتا ہوا ہے اتنا کوئی دوسرا مذہب نہیں ملتا۔ قرآن میں کئی جگہ عیسائیوں اور اُن کے بزرگان دین قسیسوں اور راہبوں کی تعریف آئی ہے عیسائیوں کی نرم دلی اور خاکساری کی مدح کی ہے۔ اُن کی انجیل کلام الٰہی ہے۔

عیسائیوں کے ساتھ ہوا کلنا درست۔ مناکحت روا۔ غرض اس قدر مغایرت کہ اہل اسلام عیسائیوں کے ساتھ برتتے ہیں میں اس کو ٹھیک نہیں سمجھتا یہ اس ملک کے ہندوؤں کے اختلاط کا اثر ہے افسوس ہے ہم مسلمانوں پر کہ ایسا عمدہ اور پاکیزہ اور مکمل اور بدیہی مذہب رکھ کر مطلقاً اُس کی قدر نہیں کرتے۔ پادریوں کا سا اہتمام تو کہاں نصیب ہونا تھا اتنی بھی توفیق نہیں کہ اپنی اولاد کے دین و مذہب کی تو خبر رکھیں اولاد تو اولاد سرے سے اپنے ہی مذہب کا ٹھکانا نہیں نام کے مسلمان اور عمل دیکھو تو بدتر از شیطان۔ میں کسی دوسرے کو کیا الزام دوں کہ میں آپ سب سے بدتر نکھتر ہوں۔ کیا یہ کچھ تھوڑی بات ہے کہ تمھاری اتنی عمر ہونے آئی اور بہتیرا ہی کچھ لکھا پڑھا بھی مگر دین کی ایک ہی کتاب تمھاری نظر سے گزری وہ بھی عیسائیوں کی اور اتفاقیہ طور پر۔ خیر بہر کیف اس وقت جو ضرورت مجھ کو در پیش ہے یقین ہے کہ تمھارا اُس کتاب کا دیکھ لینا بھی اُس میں بہت کام آئے گا ہمدردی کی جیسی کچھ تاکید ہے تم نے اُس کتاب میں دیکھا ہوگا۔ بیٹا۔ اگر وہ مذہبی کتاب تھی تو میں جانتا ہوں کہ خاکساری و ہمدردی شرط عیسائیت ہے۔ باپ۔ شرط عیسائیۃ کیسی بلکہ شرط انسانیۃ ہے درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو، ورنہ طاعۃ کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں، لیکن میں تم سے سننا چاہتا ہوں کہ تم اس فرض کی تعمیل کہاں تک کرتے ہو۔ بیٹا۔ جناب شاید اگر میں اس کو ہمدردی کہہ سکوں تو مدرسے کا جو لڑکا مجھ سے کچھ پوچھنا یا پڑھنا چاہتا ہے میں اُس میں مطلق دریغ نہیں کرتا گو میرا ذاتی حرج بھی ہوتا ہو امتحان سالانہ میں مجھ کو نقد روپئے لے تھے میں نے ایک پیسا اپنے اوپر خرچ نہیں کیا محلے میں چند آدمی رہتے ہیں جن کو میں محتاج سمجھتا ہوں وقتاً فوقتاً اُن کو اُس میں سے دیتا رہا بلکہ ایک مرتبہ میں ایک دقت میں بھی مبتلا ہو گیا تھا۔ باپ۔ وہ کیا۔ بیٹا۔ ایک مرتبہ عید کو ایک بڑی بھاری ٹوپی مجھ کو ماں جان

سلہ ساتھ کھانا
سلہ آپس میں شادی بیاہ کرنا
سلہ ملنا جلنا میل جول
سلہ ظاہر صاف
سلہ بد دلیل
سلہ نکھٹو بے کار
سلہ عبادۃ بندگی
سلہ فرشتے
سلہ مشکل

نے بنادی تھی۔ وہی ٹوپی اوڑھے ہوئے میں خالہ جان کے یہاں جاتا تھا میاں مسکین کے کوچے میں پونہچا تو بہت سے چپراسی پیادے ایک گھر کو گھیرے ہوئے تھے اور بہت سے تماشائی بھی وہاں جمع تھے۔ یہ دیکھ کر میں بھی لوگوں میں جا گھسا۔ تو معلوم ہوا کہ ایک نہایت غریب بوڑھی سی عورت ہے چھوٹے چھوٹے کئی بچے ہیں سرکاری پیادے اُس کے میاں کو پکڑے لئے جا رہے ہیں اس واسطے کہ اُس نے کسی بنئے کے یہاں سے اُدھار کھایا تھا اور بنئے نے اُس پر ڈگری جاری کرائی تھی۔ وہ مرد کہتا تھا قرضہ واجب ہے مگر میں کیا کروں اس وقت بالکل تہی دست ہوں۔ ہر چند اس بیچارے نے بنئے کی اور سرکاری پیادوں کی بہتیری ہی خوشآمد کی مگر نہ بنیا مانتا تھا نہ پیادے باز آتے تھے اور پکڑے لئے چلے جاتے تھے۔ لوگ جو وہاں کھڑے تھے اُنھوں نے بھی کہا لالہ جہاں تم نے اتنے دنوں صبر کیا دس پانچ روز اور صبر کر جاؤ تو بنیا بولا اچھی کہی میاں جی اچھی کہی برسوں کا ناتواں اور روج کی ٹال مٹول بھگوان جانے ابھی تو کھاں ساہب کی اجنت اُتروائے لیتا ہوں۔ وہ شخص جس پر ڈگری جاری تھی غریب تو تھا لیکن غیرت مند بھی تھا۔ بنئے نے جو عزت اُتروانے کا نام لیا سُرخ ہو گیا اور گھر میں گھس تلوار میان سے نکال چاہتا تھا کہ بنئے کا سر الگ کر دے کہ اُس کی بیوی اُس کے پیروں میں لپٹ گئی اور رو کر کہنے لگی خدا کے لئے کیا غضب کرتے ہو یہی تمھارا غصہ ہے تو پہلے مجھ پر اور بچوں پر ہاتھ صاف کرو۔ کیوں کہ تمھارے بعد ہمارا تو کہیں بھی ٹھکانا نہیں۔ ماں کو روتا دیکھ بچے اس طرح ڈاڑھیں مار مار کر روئے کہ میرا دل ہل گیا اور دوڑ کر سب کے سب باپ کو لپٹ گئے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر خان صاحب بھی ٹھنڈے ہوئے اور تلوار کو میان کر کے کھونٹی سے لٹکا دیا اور بی بی سے کہا اچھا تو نیک بخت پھر مجھ کو اس بے عزتی سے بچنے کی کوئی تدبیر بتا۔ بی بی نے کہا بلا سے جو چیز گھر میں ہے اُس کو دے کر کسی طرح اپنا پنڈ چھڑاؤ

تم کسی طرح رہ جاؤ تو پھر جیسی ہو گی دیکھی جائے گی۔ توا۔ چکی۔ پانی پینے کا کٹورا۔ نہیں معلوم
کن وقتوں کی ہلکی ہلکی بے قلعی دو پتیلیاں بس یہی اُس گھر کی کل کائنات تھی۔ چاندی کی دو دو
چوڑیاں لیکن ایسی پتلی جیسے تار اُس نیک بخت عورۃ کے ہاتھوں میں تھیں۔ یہ سب سامان
خان صاحب نے باہر لاکر اُس بنئے کے روبرو رکھ دیا۔ اول تو بنیا ان چیزوں کو ہاتھ ہی نہیں لگاتا تھا
لوگوں نے بہت کچھ کہا سنا یہاں تک کہ اُن سرکاری پیادوں کو بھی رحم آیا اُنھوں نے بھی بنئے کو سمجھایا
بارے خدا خدا کرکے وہ اس بات پر رضامند ہوا کہ پانچ روپئے اصل اور دو روپئے سود
ساتوں کے ساتوں دے دیں تو فارغ خطی لکھ دے لیکن خان صاحب کا کل اثاثہ چار ساڑھے
چار سے زیادہ کا نہ تھا۔ تب پھر گھر میں گئے اور بی بی سے کہا کہ ڈھائی روپئے کی کسر رہ گئی ہے۔
تو بی بی نے کہا اب تو کوئی چیز بھی میرے پاس نہیں۔ ہاں لڑکی کے کانوں میں چاندی کی بالیاں
ہیں دیکھو جو اِن کو ملا کر پوری پڑے۔ وہ لڑکی کوئی چھ برس کی تھی بس بعینہ جتنی ہماری حمیدہ۔ ماں
جو لگی اُس کی بالیاں اُتارنے تو وہ لڑکی اس حسرۃ کے ساتھ روئی کہ مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں نے
دل میں کہا کہ الٰہی اس وقت مجھ سے کچھ بھی اس کی مدد نہیں ہو سکتی۔ فوراً خیال آیا
کہ ایک روپیہ اور کوئی دو آنے کے پیسے تو نقد میرے پاس ہیں دیکھوں ٹوپی بک جائے
تو شاید خان صاحب کا سارا قرضہ چُک جائے۔ بازار تو قریب تھا ہی فوراً میں گلی کے
باہر نکل آیا۔ رومال تو سر کو لپیٹ لیا اور ٹوپی ہاتھ میں لے ایک گوٹے والے کو دکھائی۔ اُس نے
چھ کی آنکی۔ میں نے بھی چھوٹتے ہی کہا لا بلا سے چھ ہی دے۔ غرض چھ وہ اور ایک میرے پاس نقد
تھا ہی ساتوں روپئے لے میں نے چپکے سے اُس عورۃ کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ تب تک پیادے خاں صاحب

کو گرفتار کر کے لے جا چکے تھے اور گھر میں رونا پیٹنا مچ رہا تھا۔ دفعۃً[1] پورے سات روپے ہاتھ
میں دیکھ اُس عورۃ پر ایک شادیٔ[2] مرگ کی سی کیفیۃ طاری[3] ہو گئی اور اُس خوشی میں اُس نے
کچھ نہیں سوچا کہ یہ روپیہ کیسا ہے اور کس نے دیا ہے۔ فوراً اپنے ہمسائے کو روپے دے کر
دوڑایا اور خود بچوں سمیت دروازے میں آکھڑی ہوئی۔ بات کی بات میں خان صاحب چھوٹ
آئے۔ تو بچوں کو کیسی خوشی کہ کودیں اور اچھلیں کبھی باپ کے کندھے پر اور کبھی ماں کی گود میں
اور کبھی ایک پر ایک۔ اب اُس عورۃ کو میرا خیال آیا اور بچوں سے بولی کم بختو کیا اودھم[4] مچائی
ہے (اور میری طرف اشارہ کر کے کہا) دعا دو اس اللہ کے بندے کی جان و مال کو جس نے آج
باپ کی اور تم سب کی جانیں رکھ لیں۔ نہیں ٹکڑا بھی مانگا نہ ملتا۔ کوئی چچا یا ماموں بیٹھا تھا
کہ اُس کو تمہارا درد ہوتا اور اس مصیبۃ کے وقت تمہاری دست گیری[5] کرتا۔ صرف ایک باپ کے دم
کا سہارا کہ اللہ رکھے اُس کے ہاتھ پاؤں چلتے ہیں تو محنۃ سے مزدوری سے خدا کا شکر ہے روکھی
سوکھی روز کے روز دو وقت نہیں تو ایک ہی وقت ملے تو جاتی ہے۔ ہمارے حق میں تو یہ
لڑکا کیا ہے رحمۃ کا فرشتہ ہے۔ نہ جان نہ پہچان نہ رشتہ نہ ناتا اور اس اللہ کے بندے نے
بھر مٹھی روپئے دے کر آج ہم سب کو نئے سر سے زندہ کیا۔ وہ بچے جس شکر گزاری کی نظر سے
مجھ کو دیکھتے تھے اُس کی مسرۃ[6] اب تک میں اپنے دل میں پاتا ہوں۔ روپیہ خرچ کرنے کے بعد
مجھ کو عمر بھر ایسی خوشی نہیں ہوئی جیسی کہ اُس دن تھی۔ مگر دونو میاں بی بی کے ذہن میں اُس وقت
تک یہ بات نہیں آئی تھی کہ میں نے روپیہ اُن کو دے دیا۔ وہ سمجھے تھے کہ قرض کے طور پر دیا ہے۔ میں تو کھسکنے
کو تھا اگر وہ عورۃ زبردستی مجھ کو اپنے گھر میں لے گئی اور ٹوٹی سی ایک چوکی پڑی تھی میں ہرچند منع کرتا رہا

ف۱ یکایک
ف۲ بے حد خوشی
ف۳ پوری طرح سے مسلط ہو جانا، چھا گئی
ف۴ غل شور
ف۵ لفظی معنی ہاتھ پکڑنا مراد ہے مدد کرنا
ف۶ خوشی

جلدی سے اُس کو اپنے دوپٹے سے جھاڑ مجھ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میاں سے بولی نوج کوئی
تم جیسا بے خبر ہو۔ کھڑے کیا ہو جاؤ ایک گلوری بازار سے میاں کے لئے بنوا لاؤ۔ میں۔ نہیں
بی پان نہیں کھاتا تکلیف مت کرو۔ عورۃ۔ بیٹا تمھاری خدمت میں اور ہم کو تکلیف۔ جی
چاہتا ہے کہ آنکھیں تمھارے تلووں میں بچھادوں۔ قربان اس پیاری پیاری صورۃ کے۔
نثار اس بھولی بھولی شکل کے۔ بیٹا تم یہ تو بتاؤ کہ تم ہو کون۔ میں۔ میری خالہ میاں صابر بخش
کی سرائے میں رہتی ہیں۔ عورۃ۔ پھر بیٹا یہ اپنا روپیہ تم ہم سے کب لوگے۔ ہم اپنا اور بچوں کا
پیٹ کاٹیں گے اور تمھارا قرضہ سب سے پہلے ادا کریں گے۔ مگر کام ان دنوں مندا ہے۔ دیں گے
تو ہم جس طرح بن پڑے گا وہی مہینے میں۔ مگر جہاں تم نے اتنی مہربانی کی ہے لہٰذا اتنا سلوک
اَور کرو کہ دو روپئے مہینا قسط کا لے لیا کرو۔ میں۔ آپ روپئے کے ادا کرنے کا کچھ فکر نہ کیجئے
میں نے لینے کی نیتہ سے نہیں دیا۔ یہ سن کر تمام خاندان کا خاندان اتنا خوش ہوا کہ میں
بیان نہیں کر سکتا اور میں اُن میں اس وقعتہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جیسے خوش دل اور شکر گزار
رعایا میں کوئی بادشاہ یا حلقۂ مریدانِ ارادۃ مند میں کوئی پیر و مرشد۔ اُس عورۃ کے مونہ
سے مارے خوشی اور شکر گزاری کے بات نہیں نکلتی تھی۔ بار بار میری بلائیں لیتی تھی اور میرے
ہاتھوں کو چومتی اور آنکھوں کو لگاتی تھی۔ اُسی کی بلاؤں میں رومال سر پر سے کھسک گیا تو
اُس نے دیکھا کہ میری سر پر ٹوپی نہیں۔ پوچھا تو مجھ کو کہنا پڑا کہ وہی ٹوپی بیچ کر میں نے روپیہ دیا۔
پھر تو اُس کا یہ حال تھا کہ بچھی جاتی تھی۔ سات روپئے کی بھی کچھ حقیقۃ تھی مگر اُس نے مجھ کو سیکڑوں
ہزاروں ہی دعائیں دی ہوں گی۔ اُس نے جو تنی احسان مندی ظاہر کی میں اُلٹا اُسی کا ممنون ہوا

جس قدر وہ خوش آمد کرتی تھی میں شرمندہ ہوتا تھا۔ اور جتنا وہ عاجزی سے پیش آتی تھی میں زمین میں گڑا جاتا تھا۔ غرض میں وہاں سے رخصت ہوا تو ٹوپی نہ ہونے کی وجہ سے سیدھا گھر لوٹ آیا۔ عین گلی میں بھائی جان سے ملاقات ہوئی۔ اُنھوں نے میری ہیئتِ کذائی دیکھ کر تعجب کیا اور پوچھا کہ ایں کیا ٹوپی کے بدلے چنے لے کھائے۔ میں نے کچھ جواب نہیں دیا اِس واسطے کہ مجھ کو اُس بات کا ظاہر کرنا منظور نہ تھا۔ شام کو بھائی جان سے اور اماں جان سے تکرار ہوئی۔ بھائی جان کچھ روپے مانگتے تھے اور اماں جان کہتی تھیں بیٹا ان فضول خرچیوں سے گھر کے دن چلے گا۔ لو پرسوں میں نے تم کو چار روپے دئے تم نے چاروں کے چاروں برابر کئے۔ ناحق بھر چیز تم گھر میں لائے ہو تو بتادو۔ اتنا چٹورپن ایسا اسراف۔ بھائی جان نے کہا میں چٹورا نہیں ہوں چٹورے تمھارے منجھلے صاحبزادے ہیں جن کو تم بڑا مولوی سمجھتی ہو کہ سر کی ٹوپی تک بیچ کر کھا گئے۔ اماں جان نے مجھ کو بلا کر پوچھا۔ میں نے کہا اگر بیچ کر کھا جانا ثابت ہو جائے تو جو چور کی سزا وہ میری سزا۔ اماں جان۔ پھر کیا کہیں کھو دی۔ میں۔ کھوئی بھی نہیں۔ اماں جان۔ بھائی تو تو عجب تماشے کا لڑکا ہے بیچی نہیں۔ کھوئی نہیں۔ پھر ٹوپی گئی تو کہاں گئی۔ میں۔ اگر آپ کو میری بات کا اعتبار ہے تو بس سمجھ لیجئے کہ میں نے کہیں اُس کو بے جا طور پر صرف نہیں کیا۔ اماں جان۔ اگر یہی تمھارے لچھن ہیں تو تم نے پڑھ لکھ کر ڈبو یا۔ میں اُس وقت عجب مشکل میں مبتلا تھا ظاہر کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا اور بے ظاہر کئے بن نہیں پڑتی تھی ع گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ مگر مجھ کو یقین تھا کہ جب میرا معاملہ پاک صاف ہے تو گو بالفعل بھائی جان کے کہنے اور میرے چپ رہنے سے اماں جان کو ایک بدگمانی سی ہو گئی ہے لیکن کبھی نہ کبھی ضرور ان کے دل سے خدشہ دفع ہو ہی جائے گا

اور کچھ نہ ہوگا تو میرے اگلے پچھلے فعلوں کو دیکھ کر اتنا تو جی میں سمجھ لیں گی کہ بیٹا بد راہ نہیں ہی نہیں معلوم ٹوپی کا کیا بھید ہی۔ سو خدا کی قدرۃ ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ صالحہ بیمار پڑی تو اماں جان اس کی عیادۃ کو گئیں۔ میں اُن کے ساتھ تھا۔ ابھی اماں جان سواری سے نہیں اُتری تھیں کہ اُدھر سے وہی خاں صاحب چلے آرہے تھے مجھ کو دیکھ کر دور ہی سے دعائیں دینے لگے اور ایسی تپاک اور دل سوزی کے ساتھ میری خیر و عافیۃ پوچھی کہ جیسے کوئی اپنا بزرگ اور اپنا عزیز دریافت حال کرتا ہی۔ خیر میں نے مناسب حالۃ جواب دیا۔ اماں جان آخر یہ سب باتیں پردے کے اندر بیٹھی ہوئی سُن رہی تھیں۔ اُترتے کے ساتھ ہی مجھ سے پوچھا علیم یہ کون شخص تھا جو تم سے باتیں کرتا تھا۔ میں۔ یہ ایک خان صاحب ہیں اور میاں مسکین کے کوچے میں رہتے ہیں بس میں اسی قدر جانتا ہوں۔ اماں جان۔ لیکن یہ باتیں تو تم سے ایسے گرویدہ ہو ہو کر کرتے تھے کہ گویا برسوں کی جان پہچان ہی۔ میں۔ نہیں۔ شاید اُن کو میرا نام بھی معلوم نہیں۔ اماں جان۔ پھر تمھارے ساتھ ایسے خلوص سے کیوں پیش آئے۔ میں۔ بعض لوگوں کا دستور ہوتا ہی کہ ذرا سے تعارف میں بھی بڑے تپاک کے ساتھ پیش آیا کرتے ہیں۔ اگرچہ میرے جواب سے اماں جان کی تشفی نہیں ہوئی مگر اُن کو اندر جانے کی جلدی تھی چلی گئیں۔ خاں صاحب نے کہیں اپنے گھر میرا تذکرہ جا کیا۔ میں تو گھر چلا آیا مگر غالب ہی کہ ان کی بیوی اماں جان کے پاس گئیں اور میرے اُس ٹوپی بیچنے اور روپئے دینے کا تمام ماجرا بیان کیا۔ پھر جو اماں جان آئیں تو مجھ سے کہنے لگیں علیم ہم نے تمھاری چوری آخر پکڑی پر پاپڑی۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ میری چوری۔ اماں جان۔ جی ہاں چوری۔ میں۔ بھلا میں بھی سنوں۔ اماں جان۔ کیوں تم پہلے ٹوپی کا حال بتا لو تب مجھ سے

اپنی چوری کی حقیقة سنو۔ اتنا کہنے سے میں سمجھ گیا اور ہنس کر چپ ہو رہا۔ باپ۔ بے شک جتنی
باتیں تم نے بیان کیں داخلِ ہمدردی ہیں۔ خصوصاً یہ خاں صاحب کا قصہ ہمدردی کی
ایک اعلیٰ درجے کی مثال ہے۔ لیکن چشمے سے پہلے وہ مقامات سیراب ہو جانے چاہئیں جہاں سے
وہ چشمہ نکلا ہے۔ اسی طرح پہلے اپنے عزیز و اقارب نیکی اور سلوک کے مستحق ہیں۔ بیٹا۔ میں خدا کا
شکر کرتا ہوں کہ میرے قریب کے رشتہ دار میرے سلوک کے حاجة مند نہیں ہیں اور خدا نے
اُن کو مجھ سے بے نیاز اور مستغنی کیا ہے۔ باپ۔ کیا سلوک صرف روپئے پیسے ہی کے دینے سے
ہوتا ہے۔ بیٹا۔ میں تو ایسا ہی سمجھتا تھا۔ باپ۔ نہیں جو جس چیز کا حاجة مند ہے اُس کا رفعِ حاجة
کرنا ہمدردی اور نفع رسانی ہے۔ ہمارا خاندان دین داری سے بے بہرہ اور خداشناسی سے
بے نصیب ہے۔ اور شیوۂ خدا پرستی میں ہر ہر متنفس کو تعلیم و تلقین کی حاجة اور وعظ
و نصیحة کی ضرورة ہے۔ تم نے اس فرض کو ادا کرنا تو در کنار ابھی تک فرض ہی نہیں سمجھا۔ بیٹا۔
آپ بجا فرماتے ہیں۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ باپ۔ اور تم سے کہیں زیادہ غلطی میری ہے۔
بہر کیف اب بھی تلافیٔ مافات کرنی ضرور ہے اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ اپنے گھر میں کسی کو
لایعنی طور پر زندگی نہ کرنے دوں۔ اگرچہ میں اس بات کو نہایة حسرة اور افسوس کے ساتھ تسلیم کرتا ہوں
کہ اب اصلاح کا وقت باقی نہیں اور میرا عزم عزمِ بے ہنگام ہے لیکن اگر تم میری مدد کرو تو میں کامیابی
کی بہت کچھ امید کر سکتا ہوں۔ بیٹا۔ ان شاء اللہ آپ مجھ کو نافرمان بیٹا اور ناخلف فرزند نہیں پائیں گے۔ مگر مجھ کو
حیرة ہے کہ میں آپ کی کیا مدد کر سکوں گا۔ باپ۔ تمہارا یہی مدد کرنا ہے کہ بس تم دین داری کا نمونہ بن جاؤ۔ اور اگرچہ
معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں تم نے بضرورة امتحان موسیقی کو ترک کر رکھی ہے لیکن مناسب ہے کہ گنجفہ شطرنج کبوتر

سیراب: پانی کا سوتا۔ یعنی ان مقامات کو پانی دیا جانا چاہئے
نفع رسانی: فائدہ پہنچانا
بے بہرہ: بے نصیب
شیوہ: طریقہ
مافات: جو بات فوت ہو گئی
مصمم: پکا ارادہ
لایعنی: بیہودہ
ناخلف: نالائق

کنکوا۔ بٹیر۔ مرغ تمام مشاغلِ[1] لایعنی کے ترک کا عہدِ واثق[3] کرو۔ بیٹا۔ یہ تو سراسر میری منفعۃ کی بات ہی اور اگر میں اس میں کسی طرح کا انکار کروں تو آپ کی نافرمانی اپنی خرابی خدا کا گناہ دنیا کی بدنامی عاقبۃ[4] کی رسوائی[5] کوئی پہلو بھی تو اچھا نہیں۔ اور اگر بالفرض آپ کوئی ایسی بات بھی فرماتے جس میں میرا نقصان ہوتا تاہم مجھ کو سوائے تعمیلِ ارشاد کیا چارہ[6] تھا۔ بندہ اور خدا غلام اور مالک۔ رعیۃ اور بادشاہ۔ نوکر اور آقا۔ شاگرد اور اُستاد۔ بیٹا اور باپ۔ میں تو جانتا ہوں یہ سب کچھ ایک ہی طرح کی نسبتیں ہیں۔ اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ میرا طرزِ زندگی آئندہ ایسا ہی ہوگا جیسا آپ کو منظور ہی۔ باپ۔ بارک[7] اللہ وجزاک اللہ بس تم نے آج مجھ کو مطمئن[8] کر دیا۔ خدا تم کو دنیا اور دین دونوں میں سرخ رو رکھے[9]۔ اچھا اب جاؤ اپنا کام کرو ذرا اپنے بڑے بھائی کو میرے پاس بھیج دینا۔ بیٹا۔ شاید آپ یہی گفتگو اُن سے کرنی چاہتے ہیں۔ باپ۔ ضرور۔ بیٹا۔ اگر بالمشافہان[10] سے گفتگو نہ ہوتی تو میرے نزدیک بہتر تھا۔ باپ۔ تمھارا خوف بے جا نہیں ہی۔ میں کئی کئی دن سے اس بات میں غور کر رہا ہوں۔ آخر کار یہی تجویز ٹھیری کہ ایک دفعہ مجھ کو رو در رو اتمامِ[11] حجۃ کر دینا ضرور ہی۔

نصوح نے بڑے بیٹے کلیم کو بلایا اور ہر چند فہمیدہ اور علیم دونوں نے سمجھایا مگر وہ نہ آیا پر نہ آیا

غرض علیم رخصتہ ہو کر مردانے مکان میں گیا تو میاں کلیم کو پیامِ[12] طلب جا سنایا۔ کلیم۔ کیا ہی۔ خیریۃ تو ہی۔ آج کل تو ہم لوگوں پر بڑی عنایۃ ہی۔ علیم۔ بھلا کبھی عنایۃ[13] نہیں

ف ۱ مشغلے ۱۲
ف ۲ بیہودہ۔ چھوڑ دینا ۱۲
ف ۳ پکا قول و قرار ۱۲
ف ۴ آخرت ۱۲
ف ۵ فضیحت۔ بدنامی ۱۲
ف ۶ علاج ۱۲
ف ۷ خدا اس کا بدلہ دے ۱۲

بھی تھی۔ اتنے میں سلیم بھی دروازے سے نمودار ہوا۔ مگر اس سے پہلے وہ اپنا سر منڈوا چکا تھا۔
اور اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو بڑے بھائی جان دیکھ لیں چاہتا تھا کہ چپکے چپکے دبے پاؤں
گھر میں گھس جائے۔ لیکن جوں ہی بے چارے نے دروازے کے اندر قدم رکھا تھا
کہ کلیم نے آواز دی۔ سلیم تو بھائی کی آواز سن کر کانپ اٹھا اور سمجھا کہ سر منڈے الٹے
ہی اولے پڑے مگر منجھلے بھائی کو بیٹھا ہوا دیکھ کر کسی قدر دم میں دم آیا اور پاس آکر
بے پوچھے کہنے لگا کہ ابا جان کے حکم سے میں نے آج بال منڈوا دئے۔ بڑا بھائی (منجھلے
کی طرف مخاطب ہو کر) دیکھئے۔ ع صورۃ بہ بین حالش مپرس ٭ ایک شفقۃ پدری تو یہ
ہے کہ بے چارے کی اچھی خاصی صورۃ کو لے کر بگاڑ دیا اور برسوں کی کمائی خاک میں ملا دی
ایک ہم ہیں کہ دیا اپنی بھی صورۃ کو بگاڑ ٭ ایک وہ ہیں جنھیں تصویر بنا آتی ہے ٭
کیوں سلیم تمھارا دل تو بالوں کے واسطے بہت کڑھا ہوگا۔ چھوٹا بھائی۔ میں تو خود ایک مدۃ
سے بالوں کے منڈوا دینے کی فکر میں تھا۔ بلکہ شاید آپ کو یاد ہوگا ایک مرتبہ سر کھول کر حجام
کے روبرو بیٹھ گیا تھا۔ آپ خفا ہونے لگے تو میں اٹھ کھڑا ہوا۔ بڑا بھائی۔ آہا اب مجھ کو یاد آیا کہ تمھارے
اُن چار یاروں نے جن کو میں مکر و فریب کے عناصر اربعہ سمجھتا ہوں تم کو بہکایا تھا۔ بھلا ایسے کوڑ مغزوں
کو کالج میں پڑھنے سے فائدہ ٭ صحبۃ عیسےٰ بنائے خر کو انساں کس طرح ٭ تربیۃ سے واقعی
نا اہل دانا کب بنے ٭ چھوٹا بھائی۔ آپ ناحق اُن بے چاروں کو برا کہتے ہیں۔ وہی بات تو ابا جان نے بھی
کہی۔ بڑا بھائی۔ ابا جان نے ابھی بیماری سے اٹھ کر کہی یا کبھی پہلے بھی کہی تھی۔ چھوٹا بھائی۔ نہیں پہلے
تو کبھی کچھ نہیں کہا۔ بڑا بھائی۔ پھر سمجھ لو کہ ابا جان کو خلل دماغ ہے۔ میں نے تو شروع ہی میں کہہ دیا تھا

کہ ڈاکٹر نے جو اسہال بند کرنے کی دوا دی ہے ابخرے دماغ کو چڑھ گئے ہیں۔ منجھلا بھائی۔ یہ کیسی
بات آپ کہتے ہیں۔ ابھی میں ابا جان کے پاس سے چلا آتا ہوں۔ دو گھنٹے تک برابر مجھ سے گفتگو کرتے
رہے۔ میرے نزدیک تو اُن کے خیالات پہلے سے کہیں عمدہ اور معقول ہو گئے ہیں۔ بڑا بھائی۔
سنتا ہوں کہ ان دنوں نماز بہت پڑھا کرتے ہیں۔ منجھلا بھائی۔ تو کیا اسی کو آپ نے خللِ دماغ
قرار دیا۔ بڑا بھائی۔ کیا خللِ دماغ کے سر میں سینگ لگے ہوتے ہیں۔ بیمار ہو کر اُٹھے تھے کوئی
بڑا بھاری جلسہ کرتے کہ شہر میں نام ہوتا۔ اُٹھے بھی تو اونگھتے ہوئے۔ دو چار مرتبہ میں نے
اُن کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ یہ نوری جولاہا تو امام بنتا ہے اور محلے کے سقے۔ حجام۔ کنجڑے
مسجد کے مسافر۔ اس قسم کے لوگ اُس کے مقتدی ہوتے ہیں۔ اور اُن ہی میں یہ حضرت بھی ہوتے
ہیں۔ بھائی میں تو تم سے سچ کہوں یہ دیکھ کر مجھ کو اس قدر شرم آتی ہے کہ میں نے اُدھر کا رستہ
چلنا چھوڑ دیا۔ اور یہ ملّا نے جو خدا کی قدرت ہمارے ابا جان کے ہم نشین بنے ہیں اس قدر تو
ذلیل وقات ہیں کہ دعوت کے لقموں اور مسجد کی روٹیوں پر تو ان کی گزر ہے مگر مغرور بھی پرلے ہی سرے
کے ہوتے ہیں۔ کبھی راہ میں مٹھ بھیڑ ہو جاتی ہے تو خیر یہ تو مجال نہیں کہ سلام نہ کریں لیکن اتنے
بُرے ٹرّے کہ نہ بندگی نہ آداب۔ نہ تسلیم دور ہی سے السلام علیکم کا پتھر کھینچ کر مارتے ہیں۔ ہاتھ
یہ نہیں اُٹھاتے سر یہ نہیں جھکاتے۔ اور اس پر طرّہ یہ کہ دس قدم سے مصافحے کو ہاتھ پھیلا کر
لپکتے ہیں۔ ع دراز دستیٔ ایں کوتہ آستیناں بیں ٭ سلیم تم کو صرف سر ہی منڈانے کا حکم
تھا۔ یا نماز کی بھی ہدایت ہوئی ہے۔ چھوٹا بھائی جناب نماز کے لئے تو سخت تاکید کی کہ خبردار کسی وقت کی
قضا نہ ہونے پائے۔ اور اس کے علاوہ کنکوا اُڑانا شطرنج کھیلنا۔ جانوروں کی لڑائی میں شریک ہونا۔

جھوٹ بولنا۔ قسم کھانا۔ بیہودہ بات بکنا۔ بُرے لڑکوں میں بیٹھنا۔ اِن سب باتوں سے منع کیا
ہی۔ بڑا بھائی۔ کیوں نہیں تم سے ایک ہی بات کہہ دی کہ مر رہو۔ منجھلا بھائی۔ یہ جملہ[۱] سُن کر
بے اختیار ہنس پڑا اور کہنے لگا کیا آپ کے نزدیک ان شرطوں کی تعمیل کرنا اور مرنا دونوں برابر ہیں
بڑا بھائی۔ جب تمام کھیلوں کی ممانعت اور لوگوں سے ملنے اور بات کرنے کی بندی ہوئی تو تم ہی انصاف
کرو کہ ایسے جینے اور مرنے میں کیا امتیاز ہو سکتا ہی [۲] زندگی زندہ دلی کا ہی نام؛ مردہ دل
خاک جیا کرتے ہیں۔ منجھلا بھائی۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ہماری بالفعل کی زندگی کی نسبت اُس طرح
کی زندگی میں جو اباجان تعلیم کرتے ہیں روحی مسرۃ زیادہ ہی۔ اگرچہ میں کھیل کود کی چیزوں
میں خصوصاً ان دنوں کم مصروف ہوتا ہوں اس واسطے کہ مدرسے کے کام سے فرصت نہیں ملتی
مگر جتنا مصروف ہوتا ہوں اُس سے سوائے کوفت[۲] اور کبیدگی[۳] کے میں تو کوئی نتیجہ نہیں دیکھتا۔ رہا یار
دوستوں کا مشغلہ سو ان میں سے کسی کو کسی کا دوست نہیں سمجھتا۔ بھلا کوئی سے دو ایسے
بتائیے جن میں ہر روز تُو تُو مَیں مَیں[۴] کی نوبت نہ پہنچتی ہو۔ بڑا بھائی۔ پھر بھی یہ لوگ اُن حجاموں
اور کنجڑوں اور مسجد کے مسافروں سے بہتر ہیں جو نمازیں پڑھ پڑھ کر شریف بننا چاہتے ہیں
[۵] زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند؛ حق را بسجودے و نبی را بدرودے۔ منجھلا بھائی۔
اگر شریف ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے کہ ہم اور ہمارے یار دوست ہیں تو میرے نزدیک ایسی شرافت پر
کوئی معقول پسند آدمی ناز[۶] نہیں کر سکتا بھلا کون سی بیہودگی ہی جو ہم لوگ نہیں کرتے خصوصاً جب کہ
اکٹھے ہوں۔ کس قسم کی بے تہذیبی ہی جس کے مرتکب[۷] ہم نہیں ہوتے خاص کر اُس وقت
کہ ایک دوسرے سے ملیں۔ دھول دھپا۔ لام کاف[۸]۔ چھیڑ چھاڑ۔ مار کٹائی۔ دھینگا مشتی[۹]

---

۱ بات ۱۲
۲ طبیعت کی خستگی یعنی ملال ۱۲
۳ رنجیدگی ۱۲
۴ مراد ہی زبانی تکرار ۱۲
۵ خبردار اُن میں جا کر نہ ملنا جو سجدہ کر کے خدا کو اور درود بھیج کر پیغمبر کو دھوکا دیتے ہیں ۱۲
۶ فخر یعنی گھمنڈ ۱۲
۷ یعنی ہم سے سرزد نہیں ہوتی ۱۲ ہم سے ایسا فعل نہیں ہوتا
۸ گالی گلوچ ۱۲
۹ ہاتھا پائی ۱۲ مار کٹائی ۱۲

ہاتھا پائی۔ کس خاص چیز کا نام لوں۔ ایک جلسہ اور دنیا بھر کی تفضیح۔ ایک مجمع اور زمانے کی رسوائی۔ نام کے شریف اور پاجیوں کی سی عادۃ۔ کہنے کو بھلے مانس اور بازاریوں جیسی طبیعۃ۔ بڑا بھائی۔ چلو خیر معلوم ہوتا ہی کہ تم توبۃ کرنے کو طیار بیٹھے ہو۔ منجھلا بھائی۔ طیار کیسا ابھی توبۃ کئے چلا آتا ہوں۔ بڑا بھائی۔ سلیم تم اپنی کہو۔ چھوٹا بھائی جناب میں ان سے پہلے منڈ چکا ہوں۔ بڑا بھائی تمھارا منڈنا سند نہیں تمھارا معاملہ ع ورنستانی بستم میرسد، کا معاملہ ہی مگر (منجھلے بھائی کی طرف اشارہ کر کے) ان کو توڑا تو انھوں نے اپنے نزدیک بڑا کفر توڑا۔ رہ گیا اکیلا میں۔ منجھلا بھائی۔ آپ اسی وقت تک اکیلے ہیں کہ اباجان تک نہیں پہنچے۔ گئے اور داخل حلقۃ ہوئے۔ بڑا بھائی۔ اجی بس اس کو دل سے دور رکھیں ع یاں وہ نشے نہیں جنھیں ترشی اُتار دے، منجھلا بھائی۔ اباجان سے ملنا شرط ہی۔ بڑا بھائی۔ آخر کریں گے کیا۔ منجھلا بھائی۔ سمجھائیں گے۔ بڑا بھائی ع میں نہ سمجھوں تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے، منجھلا بھائی۔ وہ باتیں ہی اس طرح کی کہتے ہیں کہ لوہے کو پگھلائیں پتھر کو موم بنائیں۔ بڑا بھائی۔ تو بس میں جا بھی چکا۔ منجھلا بھائی۔ یہ بات تو آپ کی بالکل نامناسب ہی۔ بڑا بھائی۔ ہو ع رند عالم سوز را با مصلحۃ بینی چہ کار، منجھلا بھائی۔ لیکن شاید اباجان نے آپ کو کچھ اَور ہی بات کہنے کو بلایا ہو۔ بڑا بھائی۔ اجی تانت باجی راگ پایا اس کے سوا اَور کوئی بات نہیں۔ منجھلا بھائی۔ اگر اباجان نے دوبارہ بلوا بھیجا۔ بڑا بھائی۔ تو میں جانوں گا کہ ضرور اُن کو خلل دماغ ہی۔ منجھلا بھائی۔ والد جیسے میرے ویسے آپ کے۔ آپ کو اختیار ہی ان کی

شان میں جو چاہیں سو کہیں لیکن اتنا میں آپ سے کہے دیتا ہوں کہ اس اصرار کا انجام اچھا نہیں۔ بڑا بھائی۔ اتنا میں بھی سمجھتا ہوں لیکن میں اس انجام کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ منجھلا بھائی۔ لیکن اس بگاڑ میں آپ فائدہ کیا سمجھتے ہیں۔ بڑا بھائی۔ اور میرا نقصان ہی کیا ہے۔ منجھلا بھائی۔ اگر اور کچھ نقصان نہ بھی ہو تو ابا جان کی ناخوشی کیا کچھ تھوڑا نقصان ہے۔ بڑا بھائی۔ ع رنج وآزردگی غیر سبب را چہ علاج۔ منجھلا بھائی۔ اول تو ابھی آزردگی کی نوبۃ نہیں آئی لیکن اگر خدا نخواستہ آئے گی تو لوگ اس کو بے سبب نہیں کہیں گے اور سبب کی ابتدا آپ کی طرف سے ہوتی ہے کہ انھوں نے بلایا ہے اور آپ نہیں جاتے۔ بھلا دنیا میں کوئی باپ ایسا ہوگا کہ فرزند اس کی نافرمانی کرے اور وہ ناخوش نہ ہو۔ بڑا بھائی۔ ان کو میرے افعال سے بحث کیا اور میرے اعمال سے تعرض کیوں۔ منجھلا بھائی۔ اول تو میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ آپ سے کیا کہیں گے۔ لیکن مانا کہ وہی کہیں جو مجھ سے اور سلیم سے کہا تو کیا ان کو نصیحۃ کا اختیار اور ہدایۃ کا منصب نہیں ہے۔ بڑا بھائی۔ ہے لیکن حمیدہ پر اور سلیم پر اور تم پر کیوں کہ تم بطوع خاطر ان کی نصیحۃ سننی چاہتے ہو۔ منجھلا بھائی۔ کیوں جیسے ہم ان کے فرزند ویسے آپ۔ بڑا بھائی۔ میں فرزند کبھی تھا اب سینگ کٹا کر بچھڑوں میں ملنا میرے لئے عار ہے اور میں اپنے تئیں ان کی حکومۃ سے مستثنےٰ اور ان کے اختیارات سے آزاد سمجھتا ہوں۔ منجھلا بھائی۔ لیکن شریفوں میں یہ دستور نہیں ہے کہ اولاد بڑی ہو جائے تو ماں باپ کا ادب اور لحاظ اٹھا دے۔ میں دیکھتا تھا کہ ابا جان اس قدر جد مرحوم کا پاس کرتے تھے کہ ان کے سامنے حقہ پینا کیسا

ا۔ بے وجہ جو آزردگی ہو اس کا علاج کیا۔
۲۔ خدا نہ کرے۔
۳۔ دل کی خوشی سے۔
۴۔ یہ کہاوت ہے۔
۵۔ خارج۔
۶۔ دادا۔
۷۔ جن پر خدا رحم کرے یعنی مرے ہوئے لوگوں کو مرحوم کہتے ہیں۔

پان کھانے میں بھی ان کو تامل ہوتا تھا کیا آپ نے نہیں دیکھا۔ بڑا بھائی۔ لیکن میں نے
بھی اس وقت تک اباجان کو الٹ کر جواب نہیں دیا۔ منجھلا بھائی۔ درست ہے۔ لیکن
یا بآن شوراشوری یا بایں بےنمکی۔ بڑا بھائی۔ تالی دونو ہاتھوں سے بجتی ہے اب بھی اگر
اباجان میرے حال سے تعرض نہ کریں تو میں کسی طرح کی نافرمانی یا گستاخی کرنی نہیں
چاہتا۔ منجھلا بھائی۔ تو اس صورۃ میں کچھ آپ کی اطاعۃ بھی محمود نہیں ہے۔ بڑا بھائی۔
میں مدح سے باز آیا مجھ کو میرے حال پر رہنے دیں اور میرے نیک و بد سے متعرض نہ
ہوں۔ رند خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو۔ تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو۔ منجھلا بھائی۔
اس کا مطلب یہ کہ آپ ان سے قطع تعلق کر چکے۔ بڑا بھائی کیا ضرور ہے کہ جب میں پھر
لڑکوں کی طرح مکتب میں پڑھوں تب ہی بیٹا کہلاؤں ورنہ فرزندی سے عاق کیا جاؤں
منجھلا بھائی۔ کوئی آپ سے مکتب میں پڑھنے کے لئے نہیں کہتا اور یہ بھی امید نہیں ہے
کہ اباجان آپ کی بڑائی کا پاس نہ کریں۔ بڑا بھائی۔ جب کہ مجھ کو اپنا نیک و بد سمجھنے
اور نفع و نقصان میں امتیاز کرنے کی عقل ہے تو مجھ سے یہ کہنا کہ یہ کرو اور یہ مت کرو گویا
مجھ کو بے تمیز لڑکا بنانا ہے۔ منجھلا بھائی۔ کیا انسان کی رائے غلطی نہیں کرتی۔ بڑا بھائی۔
ایسا احتمال ان کی رائے پر بھی ہو سکتا ہے۔ منجھلا بھائی۔ تو کیوں نہیں آپ ان ہی سے جا کر گفتگو کرتے
کہ بحث ہو ہوا کر ایک بات قرار پائے۔ بڑا بھائی۔ مجھ کو گفتگو کرنے کی کچھ ضرورۃ نہیں ع ہر کسے
مصلحت خویش نکو میداند۔ منجھلا بھائی۔ ان ہی کو ضرورۃ سہی اور جب کہ آپ کو اپنی رائے پر وثوق ہے پھر آپ بالمشافہہ
گفتگو کرنے سے گریز کیوں کرتے ہیں۔ بڑا بھائی۔ دنیا میں کوئی مباحثہ طے ہوا ہے جو یہ ہو گا۔

یا تو اس قدر تیزی یا اتنا پھیکا پن
یعنی لڑائی ایک طرف سے نہیں ہوتی
تعریف
ہر شخص اپنی مصلحت اپنا فائدہ آپ خوب سمجھتا ہے
بھروسا
روبرو
فیصلہ، چکوتا

منجھلا بھائی - ہٹ دھرمی اور تعصب[۵۱] اور سخن پروری[۵۲] نہ ہو تو پھر ہر بحث کا خاتمہ ہے۔ بڑا بھائی
ہمارے ابا جان کو بھی ایک بات کی زٹ[۵۳] لگ جاتی ہے۔ اب نماز روزے کا خیال آگیا ہے
تو بس اسی کی دُھن[۵۴] ہے۔ چند روز بعد دیکھ لینا وہی ابا جان ہیں وہی ہم ہیں اور وہی کھیل
تماشے ہیں۔ منجھلا بھائی - آپ چونکہ مجھ سے بڑے ہیں بے شک زیادہ واقفیت رکھتے
ہیں۔ لیکن میں بھی ابا جان کے مزاج سے ناآشنا نہیں ہوں۔ اصلاحِ خاندان کا ان کو
تہِ دل سے خیال ہے۔ اور اس خصوص میں ان کو ایک اہتمام خاص ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا
کہ ان کا ارادہ متزلزل[۵۵] و عزم ناپائدار ہو اور آپ کے بارے میں جو کچھ ان کو منظور ہو مگر آپ کے
سوا میں تو گھر بھر میں کسی کو نہیں دیکھتا کہ وہ گھر میں رہے اور اپنا پرانا ڈھرّا[۵۶] نہ چھوڑے۔
بڑا بھائی - ذرا اماں جان سے اور مجھ سے دو دو باتیں ہو جائیں تو تم کو ارادے کا استحکام[۵۷]
اور عزم کا استقلال خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ چھوٹا بھائی - اماں جان تو آج بڑی
خفہ بیٹھی ہیں۔ بڑا بھائی - کیوں۔ چھوٹا بھائی - آپ کو نہیں معلوم آپا جان سے اور ان سے
آج بڑی لڑائی ہوئی - بڑا بھائی - کس بات پر۔ چھوٹا بھائی - آپا جان لڑکا حمیدہ کو دے کر ہاتھ منھ
دھونے چلی گئیں۔ حمیدہ لڑکے کو بٹھا نماز پڑھنے لگی۔ آپا جان نے نماز پڑھتی کو دھکیل دیا اس کی
ناک میں تخت کی کیل لگ گئی۔ ڈھیر سا خون نکلا۔ اسی پر تکرار ہونے لگی۔ آپا جان نے کئی مرتبہ
توبہ توبہ نماز کو بُرا کہا۔ اماں جان نے بار بار منع کیا نہ مانا۔ آخر اماں جان نے تھپڑ کھینچ مارا۔ بڑا بھائی - سچ کہو۔
چھوٹا بھائی - آپ چل کر دیکھ لیجئے آپا جان کوٹھری میں پڑی رو رہی ہیں۔ صبح سے کھانا نہیں کھایا۔
منجھلا بھائی - واقعی کچھ لڑائی ضرور ہوئی ہے۔ میں جو ابا جان کے پاس گیا تو آتے جاتے سب کو

چپ دیکھا اور سمجھا کہ بے سبب نہیں ہی۔ بڑا بھائی کہیں گھر بھر نے متوالی کودوں تو نہیں کھالی۔
ابھی سے جہاد بھی شروع ہو گیا۔ حمیدہ کا نماز پڑھنا دیکھو اور ایک ذراسی بات پر بیچاری نعیمہ
کے مار کھانے پر خیال کرو۔ منجھلا بھائی۔ میرے نزدیک تو ان میں سے کوئی بات بھی تعجب
کی نہیں۔ حمیدہ نے نماز پڑھی تو کیا کمال کیا باتیں تو بڑی بوڑھیوں کی سی کرتی ہی۔
بڑا بھائی۔ تو کیا ضرور ہی کہ باتیں بڑی بوڑھیوں کی سی کرے تو نماز بھی بڑی بوڑھیوں کی سی
پڑھے۔ اس کی عمر گڑیاں کھیلنے اور ہنڈ کلھیا پکانے کی ہی نہ زہد و مراقبے کی۔ منجھلا بھائی
کیا یہ ایسی مشکل بات ہی کہ حمیدہ اس کو نہیں سمجھ سکتی۔ بڑا بھائی۔ مار مار کر سمجھایا
جائے تو شاید صدرے اور شمس بازغہ کو بھی کہہ دے گی کہ ہاں سمجھ گئی۔ منجھلا بھائی
لیکن اس کو تو مار نہیں پٹی۔ بڑا بھائی۔ ایک کو پٹی تو گویا سبھی کو پٹی۔ جب نعیمہ ہی کو
اماں جان نے تھپڑ کھینچ مارا تو اب کس کی عزۃ رہ گئی۔ بڑی بیٹی۔ بیاہی ہوئی۔ صاحب اولاد
کو مارنا شرافۃ دین دارانہ ہی ع نے کعبے نے دیر کے قابل ؛ مذہب ان کا سیر کے قابل ہی
سلام ہی ایسے دین کو کہ انسان اپنے آپے سے باہر ہو جائے اور دنیا کے نیک و بد پر کچھ نظر نہ کرے۔ آخر
یہ خبر ممکن نہیں کہ اس کی سسرال نہ پہنچے۔ سمدھیانے والے کیا کہیں گے۔ غیرۃ ہو تو گھر بھر
چلو بھر پانی میں ڈوب مریں۔ حیا ہو تو کنبے میں مونہ نہ دکھائیں اسی پر تم مجھ کو ابا جان کے پاس جانے
کی رائے دیتے ہو۔ اگر کہیں مجھ پر بھی ایسا ہی دست شفقۃ پھیر دیا تو پھر ع این منم کاندر میان خاک
و خوں بینی سرے ؛ اور مجھ کو نعیمہ کے جان بر ہونے کی بھی امید نہیں ع سن لیجیو کہ آج اگر ہی
تو کل نہیں ؛ منجھلا بھائی۔ اس بات کا مجھ کو بھی تعجب ہی لیکن جب تک ابا جان

کے نمونہ سے تمام کیفیت نہ سُن لوں میں نہیں کہہ سکتا کہ انھوں نے بے جا کیا یا بجا کیا۔
بڑا بھائی۔ تمھارے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہوتا اور پھر تم بجا اور بے جا میں تردد رکھتے تو
میں تم کو خلفِ رشید[۱] اور فرزندِ سعادت مند جانتا ؎ جس پہ بیتی ہو یہ وہی جانے ؛
جو کہ بے درد ہو وہ کیا جانے ؛ منجھلا بھائی۔ شاید وقت پر طبیعت کا حال دگرگوں[۲] ہو جائے
تو خبر نہیں ورنہ میں تو ماں باپ کی تادیب[۳] کو موجبِ بے حرمتی[۴] نہیں سمجھتا۔ بڑا بھائی۔ شاید
ایسی ہی باتوں نے ان کو دلیر کر دیا ہے۔ منجھلا بھائی۔ جس کو خدا ماں یا باپ بناتا ہے تو اس کو
اتنی بات کے سمجھنے کی عقل بھی دیتا ہے کہ اولاد پر اس کو کیسے کیسے اختیارات حاصل ہیں۔
بڑا بھائی۔ غرض تمھارے نزدیک ماں باپ کو اختیار ہے کہ اولاد گو بڑی بھی ہو جائے
مگر ان کو بے تمیز بچوں کی طرح ماریں پیٹیں تو کچھ الزام نہیں۔ منجھلا بھائی۔ مجھ سے فتوے[۵]
طلب نہیں ہے کہ ایک عام رائے دوں البتہ اپنے گھر کے اس خاص معاملے میں اتنا کہہ سکتا ہوں
کہ اماں جان نے جب بہت ہی ضرورۃ سمجھی ہو گی تو آپا جان پر ہاتھ اٹھایا ہو گا۔ اور فرض کیا
کہ اماں جان ہی کی زیادتی سہی تو کیا ایک طمانچے کے مارنے سے ان کی عمر بھر کی شفقتیں اکارت
اور سالہا سال کی نیکی برباد ؎ اے[۶] آنکہ بجائے تست ہر دم کرمے ؛ عذرش بنہ ار کند
بعمرے ستمے ؛ اب بھی آپا جان کی جو محبت اماں جان کو ہو گی مجھ کو اور آپ کو اس کا ایک شمہ[۷] تو ہو لے ؛
بڑا بھائی۔ غرض جو کچھ ہو ؎ میرے[۸] وحشت خانے میں جوشِ جنوں کی دھوم ہے ؛ عافیت مفقود اور آسودگی
معدوم ہے ؛ بھائی بھائی یہی باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں رسولن نامی لونڈی دوڑی آئی اور علیم
سے کہا کہ میاں پوچھتے ہیں میری بات کا جواب تم نے ہست نیست[۹] کچھ نہ دیا۔ رسولن کو

[۱] سپوت ۱۲
[۲] دوسرے رنگ کا ۱۲
[۳] ادب دینا ۱۲
[۴] بے عزتی ۱۲
[۵] مذہب کا حکم۔ مسئلہ مولویوں سے پوچھیں اس کا جواب ۱۲
[۶] جو ہر دم تجھ پر مہربانی کرے اگر عمر بھر میں کوئی ظلم بھی کرے تو اس کا عذر [illegible]
[۷] ذرہ [illegible] سمجھنا چاہیے ۱۲
[۸] [illegible] گھر وحشت خانہ ہے [illegible] اور جنون کی ایسی دھوم [illegible] کہ آرام [illegible] دونوں معدوم ہیں ۱۲
[۹] ہاں نہیں ۱۲

تو علیم نے یہ کہہ کر رخصت کیا کہ تو چل کر کہہ کہ ابھی آتے ہیں اور بڑے بھائی سے کہا کہ ابا جان آپ کے منتظر بیٹھے ہیں جائیے کھڑے کھڑے ہو آئیے۔ بڑا بھائی۔ اگر مجھ کو یہ یقین ہوتا کہ میرا جانا اور چلا آنا ایک سرسری[91] بات ہے تو میں اب تک جا کر کبھی کا چلا نہ آیا ہوتا۔ منجھلا بھائی۔ آپ نے یہ کیوں کر تجویز کر لیا کہ سرسری نہیں ہے۔ بڑا بھائی۔ خدا کو دیکھا نہیں تو عقل سے پہچانا۔ منجھلا بھائی۔ بس شاید ابا جان کو اتنی ہی بات آپ کے مونہہ سے سننی منظور ہے۔ بڑا بھائی۔ ع ہر سخن[92] موقع و ہر نکتہ مکانے دارد۔ منجھلا بھائی۔ مجھ کو حیرت ہے کہ آپ کو تردد کس بات کا ہے۔ بڑا بھائی۔ میں ان کے مزاج سے خائف[93] اور اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ منجھلا بھائی۔ لیکن جانے میں جس بات کا احتمال ہے نہ جانے میں اس کا تیقن ہے۔ بڑا بھائی۔ احتمال تم کو ہے نہ مجھ کو۔ میں سمجھا بیٹھا ہوں کہ بالا خانے پر چڑھا اور آفت نازل ہوئی۔ منجھلا بھائی۔ میں زیادہ اصرار کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتا آپ کو اختیار ہے جو چاہیے سو کیجیے لیکن کہے دیتا ہوں کہ اس کا انجام بخیر نہیں معلوم ہوتا۔ بڑا بھائی ع ہر چہ[94] بادا باد ما کشتی در آب انداختیم۔ منجھلا بھائی۔ تو پھر میں ابا جان سے کہلائے بھیجتا ہوں۔ بڑا بھائی۔ یہ تم کو اختیار ہے میں جب ان کے بلانے سے جانا لابد نہیں سمجھتا تو ان کے پوچھنے سے جواب دینے کو کب ضروری جانتا ہوں۔ منجھلا بھائی مایوس ہو کر اٹھا اور تھوڑی دور جا کر پھر لوٹ آیا اور کہنے لگا کہ میرا پاؤں آگے نہیں پڑتا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہوں تو کیا کہوں۔ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کا نہ جانا بڑی ہی خرابی برپا کرے گا۔ نہیں معلوم اس وقت آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ آپ جاتے اور ان کی بات کو نہ مانتے

تاہم چنداں قباحت نہ تھی لیکن نہ جانے میں بگاڑ کا ابتدا فساد کا آغاز نافرمانی کا شروع آپ کی طرف سے ہوتا ہے۔ تمام دنیا آپ کو اس کا الزام دے گی اور سارا جہان آپ پر قصور عائد کرے گا۔ اور چوں کہ میں اس کا نتیجہ سرتاسر آپ کے حق میں بُرا سمجھتا ہوں میں نہیں چاہتا کہ میری اس میں شرکت ہو۔ آپ کو جانا منظور نہیں تو بہتر ہوگا کہ آپ کسی دوسرے کے ہاتھ کہلا بھیجئے۔ بڑا بھائی۔ لیکن مجھ سے انھوں نے پوچھا نہیں تو میں کیوں کہلا بھیجوں منجھلا بھائی۔ ایسا روکھا جواب سُن کر پھر چلا۔ بے چارہ عجب ضغطے میں تھا کہ ادھر باپ نے بتاکید پوچھ بھیجا ہے تو جواب میں کچھ ہاں یا نہیں کہنا چاہیئے۔ اور چوں کہ سمجھ چکا تھا کہ نہ جانا بھائی کی ہمیشہ ہمیشہ تباہی کا موجب ہوگا اندر سے جی نہیں مانتا تھا کہ اس کی بربادی کی بات مُونہ سے نکالے۔ اسی گھبراہٹ میں دوڑا ہوا ماں کے پاس گیا اور کہا کہ اماں جان غضب ہوا چاہتا ہے۔ ماں بے چاری نعیمہ کے سوچ میں بیٹھی ہوئی تھی کیوں کہ کوٹھری میں فرش پر ایک حالت سے پڑے پڑے نعیمہ کو سارا دن گزرا۔ نہ تو اس نے سر اُٹھایا نہ کوئی چیز اس کے مُونہ میں گئی۔ ماں نے گلوریاں خاص دان میں بھروا کر پاس رکھوا دی تھیں وہ بھی سب اسی طرح رکھی رکھی سوکھ گئیں۔ پانی اور کھانے کا کیا مذکور۔ لڑکا گھڑی دو گھڑی تو چپکا رہا پھر اس نے اَلگ رونا شروع کیا۔ سارا گھر اس کو سنبھالتا تھا مگر اس نے تالو سے زبان نہ لگائی۔ بہتیرا نانی بہلا پھسلا کر دودھ دیتی مگر گود میں سے نکل نکل پڑتا تھا۔ نہ اُٹھے سُکھ نہ بیٹھے چین سب کو حیران کر مارا۔ دن تو خیر بری بھلی طرح گزر بھی گیا اب رات آئی تو یہ جانا کہ قیامت آئی صالحہ کو جو بلوایا تھا تو ایک یوں ہی سا پیام کہلا بھیجا تھا وہاں سے جواب آیا کہ آج شام کو گھر میں

مولوی صاحب کا وعظ ہے۔ ان شاء اللہ کل بڑے تڑکے نماز صبح پڑھ کر میں پونہچوں گی۔ اسی اضطراب
میں میاں علیم نے جو ایک دم سے جا کر کہا کہ غضب ہوا چاہتا ہے ماں کا کلیجہ دھک سے ہو گیا۔
اور سمجھی کہ نعیمہ کی خیر نہیں۔ گھبرا کر پوچھا کیا۔ بیٹا۔ بھائی جان کو ابّا جان چار گھڑی دن رہے
سے بلا رہے ہیں یہ وقت ہونے آیا نہیں جاتے۔ میں مردانے میں پردہ کرا دوں آپ ذرا
چل کر سمجھا دیجئے شاید مان جائیں۔ میں تو کہہ کر تھک گیا۔ فہمیدہ کا حال یہ تھا کہ نعیمہ سے
بدتر اس کی کیفیت تھی۔ لوگوں کے دکھانے کو دسترخوان پر بیٹھ تو گئی تھی مگر ایک دانہ حلق
سے نہیں اُترا۔ جیسی بیٹھی تھی ویسی ہی مُونہ جھٹلا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ بار بار کسی نہ کسی بہانے
سے کوٹھری کے پاس جاتی۔ کواڑوں کے پاس کھڑی ہو ہو کر درزوں میں جھانکتی۔ اور نعیمہ کے
رونے کی آہٹ لیتی۔ گھر والوں میں سے جو سامنے آنکلتا اُس کو بھیجتی کہ جاؤ ہو سکے تو مناؤ
لیکن کسی کو اتنا جیہہ نہ تھا کہ کوٹھری کے اندر قدم رکھتا۔ بیدارا جس نے نعیمہ کو پالا تھا اور ہر طرح
کا دعوے رکھتی تھی لڑکے کو لے کر دودھ پلوانے کے بہانے سے پاس جا کر بیٹھی۔ ابھی
مُونہ سے بات بھی نہیں کہنے پائی تھی کہ نعیمہ نے ایک ایسی دولتّی چلائی کہ بیدارا کئی لڑکنیاں
کھا کر گیند کی طرح لڑکتی لڑکاتی باہر آ کر گری۔ خدا نے بڑی خیر کی کہ لڑکا نہالچے سمیت گود
سے نکل پڑا ورنہ اتنی دور میں نہیں معلوم کیا سے کیا ہو جاتا۔ بیدارا کی مدارات دیکھ کر پھر تو جس سے
فہمیدہ کوٹھری میں جانے کا نام لیتی وہ کانوں پر ہاتھ دھرتی کہ نہ بیوی میری ہڈیوں
میں تو خدا کی لاٹھی سہارنے کا بوتا نہیں ہے۔ چاہتے سب تھے کہ نعیمہ کو منائیں مگر کوٹھری میں جانے سے
ایسا ڈرتے تھے کہ گویا اندر کالی ناگن بیٹھی ہے پاؤں رکھا اور اُس نے ڈس لیا۔ باہر اُس ذرا سے

فتنے یعنی نعیمہ کے بچے نے آفت توڑ رکھی تھی۔ اُگال دان۔ پان دان۔ سینیاں بجائے گنڈیاں کھڑکھڑائے مگر اس عزیز کے کان پر جوں نہ چلتی تھی۔ گود میں لٹاؤ۔ جھولے میں سُلاؤ۔ کندھے لگاؤ۔ لئے لئے پھرو مگر کسی طرح اس کو قرار نہ تھا۔ بے زبان بچہ مُونہ سے بولتا نہیں چالتا نہیں برابر روئے جاتا ہی۔ کوئی کیا جانے کہ اس کو کس بات کی تکلیف ہی۔ پہلے تو یہ خیال ہوا کہ کہیں افیم تو نہیں تھوک دی۔ مسوّ برابر چھوڑ خاصی مٹر جتنی گولی دی مطلق اثر نہیں جانا کہ شاید ہنسلی جاتی رہی۔ وہ بھی ملوائی اور دونا چلایا سمجھے کہ پیٹ میں درد ہی۔ دودھ میں سہاگہ گھس کر دیا پھر بھی نہ چپ ہوا۔ آخر جب خوب ہلاک ہولیا تو ہار کر کوئی دو گھڑی دن رہے نانی کے کندھے لگ کر سو گیا۔ یہ بیچاری بھی دن بھر کی تھکی ماندی نہار مُونہ اُس پر دل اُداس۔ طبیعۃ مغموم۔ بت کی طرح ایک دیوار سے لگی ہوئی بیٹھی اونگھ رہی تھی کہ پہلے صالحہ کا جواب آیا اوپر سے میاں علیم بھائی کا مژدہ لے کر پونہچے۔ سن کر رہی سہی عقل بھی کھوئی گئی۔ تھوڑی دیر تک تو چپ سنّاٹے میں بیٹھی رہی۔ اس کے بعد اپنے آپے میں آئی تو علیم سے کہا پھر بیٹا تم نے بڑے بھائی کو کچھ نہ سمجھایا۔ بیٹا میں نے کتنا کتنا سمجھایا۔ ماں۔ نعیمہ کا حال تم نے کچھ سُنا۔ بیٹا۔ جی ہاں سُنا۔ ماں۔ بس خدا نے دونوں کو ایک سانچے میں ڈھالا ہی۔ مجھ کو تو امید نہیں کہ کلیم رو براہ ہو۔ جب اُس کو خدا ہی کا خوف اور باپ ہی کا ڈر نہ ہوا تو بھلا میں کون بلا ہوں۔ یوں تم کہتے ہو تو چلو میں اپنی طرف سے کہہ سُن بہتیرا کچھ دوں گی۔ کیوں علیم بھلا تمھارے نزدیک میری یاد تی تھی یا نعیمہ کی۔ بیٹا۔ میں نے مفصل حال تو سُنا نہیں لیکن جس قدر سُنا اُس سے سرتا سر آپا کا قصور معلوم ہوتا ہی اور مجھ کو زیادہ تحقیقات کرنے کی ضرورۃ بھی نہیں۔ میں نے سننے کے

ساتھ ہی کہہ دیا تھا کہ اماں جان نے جب ایسی ہی سخت ضرورۃ سمجھی ہوگی تو آپا پر ہاتھ اُٹھایا
ہوگا۔ ماں۔ علیم کیا میں تم سے کہوں خدا کی شان میں ایک ایک بے ادبی کہ معاذ اللہ میں
تو تھرا اُٹھی کہ ایسا نہ ہو کہیں چھت گر پڑے اور جان جان کر منع کرتے کرتے۔ بیٹا۔ بے شک
آپ نے مارا تو بہت واجب کیا۔ خیر آپا کا تو چنداں اندیشہ نہیں۔ آپ ہی غصہ اُتر جائے گا۔
بڑے بھائی کا بڑا کھٹکا ہے۔ یہاں کل تک وارا نیارا ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ماں۔ دونو
ایک دوسرے کے قدم بر قدم ہیں۔ اس نعیمہ نے کیا وارا نیارا کرنے میں کچھ اُٹھا رکھا ہے
سارا سارا دن گزر گیا۔ نہ پانی پیا۔ نہ کھانا کھایا۔ نہ بچے کو دودھ پلایا۔ بیٹا۔ بچے کو دودھ نہیں
پلایا۔ بھلا اُس بے چارے کا کیا قصور۔ ماں۔ بیدارا ایک دفعہ لے کر گئی تھی بیچاری کے ایسی لات
ماری کہ دیکھو صحنچی میں ہلدی تھوپے پڑی کراہ رہی ہے۔ بیٹا۔ میں چلوں اور سمجھا دوں۔ ماں۔
نہ بیٹا اپنی عزۃ اپنے ہاتھ تم گئے اور چھوٹے تو ہو ہی کچھ جا بے جا کہہ بیٹھی تو ناحق تم کو بُرا لگے گا کیا فائدہ
بیٹا۔ جب وہ میری بڑی ہیں تو مجھ کو اُن کا کہنا بُرا کیوں لگے گا۔ ماں۔ تو بھی تمھارے جانے سے کچھ
فائدہ نہیں۔ میں نے صالحہ کو بلوا بھیجا ہے وہ آئے گی تو اُس کو اپنے طور پر ٹھیک ٹھاک کر لے گی
بیٹا۔ واقعی یہ آپ نے خوب تجویز کی مگر اب رات ہوگئی کب آئے گی۔ ماں۔ اُن کے یہاں اس وقت
وعظ ہے اس سبب سے اُس نے کہلا بھیجا ہے کہ کل بڑے تڑکے پونہچوں گی۔ خیر جوں توں رات
کٹ ہی جائے گی۔ بیٹا۔ میں جا کر صالحہ کو لے نہ آؤں۔ اتنے آپ بھائی جان سے باتیں
کیجئے۔ ماں۔ ہاں بہتر تو ہوگا۔ میں نے اُس کو یہ حال کہلا نہیں بھیجا ورنہ وہ تو
سنتے کے ساتھ دوڑی آتی۔ غرض علیم تو صالحہ کو لینے گیا اور فہمیدہ پردہ

کرو امر دالنے بیں پونہچی۔ اتنی ہی دیر میں یہاں تاش کھیلنی شروع ہوگئی تھی۔ فہمیدہ جو گئی تو چاندنی پر تاش کے ورق بکھرے ہوئے پڑے تھے۔ فہمیدہ نے دیکھ کر کہا آگ لگے اس کھیل کو کھیل نہ ہوا بلائے جان ہوا کہ رات کو بھی بند نہیں ہوتا۔ بیٹا۔ نکما بیٹھا ہوا آدمی کچھ کرے یا نہ کرے ع بے کار مباش کچھ کیا کر۔ ماں۔ بیٹا خدا نہ کرے کہ تم نکمے ہو۔ کرنے والا ہو تو کام بہتیرے۔ باپ نے تم کو کئی دفعہ بلایا نکمے تو تھے تم سے اتنا نہ ہو سکا کہ جاؤں سُن تو آؤں کیا کہتے ہیں۔ بیٹا۔ بس میں نے یہیں سے بیٹھے بیٹھے سُن لیا۔ ماں۔ کچھ نہ سُنا نہ سُنایا جاؤ ہوا آؤ اچھی بات نہیں۔ بیٹا۔ اچھی بات کیا نہیں جانتا ہوں جو وہ کہیں گے۔ ماں۔ تم جانتے سہی مگر جا کر سُن لینے میں بھی بیٹا کچھ قباحت ہی۔ بیٹا۔ ع قباحت سی قباحت ہی خرابی سی خرابی ہی۔ ماں۔ میں بھی سنوں۔ بیٹا۔ اب مجھی سے کہلواتی ہو تم آپ سمجھ جاؤ۔ ماں۔ میں تو تمھاری پہیلی نہیں سمجھتی۔ بیٹا۔ ایسی پہیلیاں نعیمہ خوب بوجھتی ہی۔ ماں۔ خدا کسی کو ایسی الٹی سمجھ نہ دے جیسی نعیمہ کی ہی۔ تم اُس کی زبان سُنتے کہ خدا تک کا لحاظ اس نے اُٹھا دیا۔ نماز کو اُٹھک بیٹھک۔ خدا کی شان میں توبہ توبہ یہ کلمہ کہ کیسا خدا۔ بے دین سے بے دین بھی ایسی بات مُونہ سے نہیں نکالتا۔ ابھی ایک آفت گھر پر آچکی ہی کہ ایک چھوڑ تین تین مردے اسی گھر سے اُٹھے مگر مطلق خوف نہیں ذرا سا ڈر نہیں۔ بیٹا۔ وبا بھی ایک مرگِ انبوہ تھا اچھے بُرے سبھی قسم کے لوگ مرے۔ ماں۔ تو کیا اچھوں کو مرتا دیکھ کر آدمی بُرا بن جائے۔ بیٹا۔ نہیں میں تو یہ نہیں کہتا کہ بُرا ہونا اچھا ہی۔ ماں۔ اس سے بڑھ کر اَور کیا بُرائی

ہو گی کہ آدمی خدا کو خدا نہ سمجھے۔ بیٹا۔ اچھی خدا کو خدا کون نہیں سمجھتا۔ نعیمہ کے مونہ سے
نہیں معلوم کیوں کر ایک بات نکل گئی ہو گی۔ ماں۔ پھر تم کو باپ کے پاس جانے میں کیا تامل ہے
۔بیٹا۔ میں نے سنا ہے کہ وہ نماز پڑھنے کا قول کراتے ہیں۔ کھیل کود کو منع کرتے ہیں۔ ماں
ابھی تو تم نے کہا کہ میں خدا کو خدا سمجھتا ہوں تو کیا نماز اُس کا حکم نہیں ہے۔ بیٹا۔ میں یہ
بھی نہیں کہتا کہ نماز اُس کا حکم نہیں ہے لیکن مجھ سے ایسے حکم کی تعمیل نہیں ہو سکتی۔ ماں۔
تو تم نے یہ ناحق کہا کہ میں خدا کو خدا سمجھتا ہوں اگر تم خدا کو خدا سمجھتے تو ضرور اُس کا حکم
مانتے۔ چلو بیٹا دنیا اور دین دونوں سے آزاد ہوئے ادھر باپ بلائے اور نہ جاؤ لوگو
باپ کو باپ نہ جانا اُدھر خدا فرمائے اور نماز نہ پڑھو یعنی خدا کو خدا نہ سمجھا۔ بیٹا۔ مجھ کو
حیرۃ ہے گھر میں کیوں یہ نئے نئے دستور اور قاعدے جاری کئے جاتے ہیں۔ وہی خدا
ہے اور وہی ہم سب ہیں تو جس طرح پہلے سے رہتے سہتے چلے آئے ہیں اب بھی رہتے
دوسرے کے افعال سے کیا بحث اور کسی کے اعمال سے کیا سروکار۔ اگر کوئی بے دین
ہے تو اپنے لئے اور کوئی زاہد اور پرہیزگار ہے تو اپنے واسطے۔ ماں۔ سروکار کیوں نہیں۔ اولاد
کی تعلیم ماں باپ پر فرض ہے۔ بیٹا۔ پہلے سے فرض تھی یا اب علالۃ میں کوئی خاص وحی نازل ہوئی
ہے۔ ماں۔ اگر تم ایسی حقارۃ سے باپ کا ذکر کرتے ہو تو یہ تمھاری سعادۃ مندی کی دلیل ہے۔ تم تو کتابیں
پڑھتے ہو ماں باپ کا کیسا کچھ ادب لکھا ہے۔ لوگوں میں بھی اس کی ایک کہاوت مشہور ہے با ادب با نصیب
تمھارے باپ بیچارے نے تو ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مجھ کو الہام ہوتا ہے یا مجھ پر آسمان سے وحی اُترتی ہے
۔بیٹا۔ اگر وحی نہیں ہے تو اُسی علالۃ کا اثر ہے۔ ماں۔ تم باپ تک گئے ہوتے تو کبھی ایسا شبہہ

نہ کرتے۔ یہ تمھاری نئی تجویز نہیں ہے۔ تم تو ابتدائے علالۃ سے باپ کو جنون اور سرسام بتاتے ہو۔ لیکن کیا مجنوں کا یہی کام ہے کہ عاقبۃ تک کی مآل اندیشی کرے۔ دیوانے ایسے ہی ہوتے ہیں کہ آخرۃ تک کا انجام سوچیں۔ ایک مرتبہ ذرا کی ذرا چل کر اُن کی باتیں سُنو اور پھر اُن کو مجنون سمجھو تو البتہ میں قائل ہو جاؤں گی۔ بیٹا۔ کیا میں بھی سلیم ہوں کہ اُن کی باتوں میں آجاؤں گا۔ ماں۔ ہماری نظروں میں تو تم سلیم سے بھی چھوٹے ہو۔ بیٹا۔ بس یہ مہربانی نعیمہ ہی کے ساتھ خاص رہی۔ ماں۔ اگر مہربانی ہی مہربانی ہوتی تو شاید تم کو اس کے کہنے کی نوبت بھی نہ آتی۔ کیوں کہ مہربانی اُسی کے ساتھ کی جاتی ہے جو اُس کی قدر کرے اور مہربانی کرنے والے کا احسان مانے۔ مجبوری تو یہی ہے کہ نری مہربانی نہیں ہے بلکہ اپنی گردن کا بوجھ اور اپنے سر کا فرض اُتارنا ہے۔ بیٹا۔ یہ نیا مسئلہ ہے کہ بڈھے طوطوں کو مار مار کر پڑھایا جائے۔ ماں۔ تم نے اپنے تئیں بڈھا سمجھتے ہو۔ بیٹا۔ میں دودھ پیتا ہوا بے تمیز بچہ سہی لیکن میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے افعال سے تعرض کرے۔ میں اپنا بُرا بھلا آپ سمجھ سکتا ہوں۔ ماں۔ ماں باپ بھی اولاد کے بدخواہ نہیں ہوتے ہم لوگ بھی تمھاری ہی بہتری کے لئے کہتے ہیں۔ بیٹا۔ مجھ کو اپنی بہتری منظور نہیں ہے۔ ماں۔ میں جانتی ہوں کہ یہ بات تم اُس وقت ضد سے کہہ رہے ہو بھلا دنیا میں کوئی بھی ایسا ہے جو اپنی بہتری نہیں چاہتا۔ بیٹا۔ جب میں تمھاری مداخلۃ اپنے افعال میں نہیں جائز رکھتا تو تم بیٹھے بٹھائے مجھ کو چھیڑنے والی کون۔ ماں۔ میں تمھاری ماں وہ تمھارے باپ۔ بیٹا۔ یہ بھی اچھی زبردستی ہے مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ مجھ کو تمھارے ماں باپ ہونے سے انکار نہیں۔ گفتگو اس بات میں ہے کہ تم کو میرے افعال میں زبردستی

بلکہ خطرناک بیماری ہو سر کو ایک طرف سے چڑھ کر جو اس شخص ہو جاتے ہیں ۱۲ عاقبۃ اندیشی یعنی اُس بات کی طرف اشارہ ہے جو فہمیدہ نے نعیمہ کو مار تھا ۱۲ یہ کہاوت ہے طوطا بڈھا ہوا تو نہیں پڑھتا ۱۲ بدخواہ دشمن ۱۲ چاہنے والے ۱۲ نہ مانو یا نہ مانو اور کہو یا نہ کہو میں تمھارے گھر مہمان ہوں ۱۲

دخل دینے کا اختیار ہی یا نہیں۔ سو میں سمجھتا ہوں کہ نہیں ہی۔ تم کہتی ہو کہ ہم مجبوری دخل
دیتے ہیں اس واسطے کہ ماں باپ پر اولاد کا تعلیم کرنا فرض ہی۔ سو اول تو میں اس کو داخلِ
تعلیم ہی نہیں سمجھتا اور مانا کہ داخل تعلیم ہو بھی تو میرے نزدیک صرف دس بارہ برس
کی عمر تک اولاد محتاجِ تعلیم ہی اس کے بعد ماں باپ کو اُن کے رائے میں کچھ دخل نہیں وہ اپنا
نفع ونقصان خود سمجھ سکتے ہیں۔ اگر یہی منظور تھا کہ میں بڑا ہو کر مسجد کا ملّانا یا قبرستان کا
قرآن خواں یا لنگرخانۂ خیراتی کا ٹکڑگدا بنوں تو شروع سے مجھ کو ایسی ہی تعلیم کی ہوتی کہ آج
تک بھلا کچھ نہیں تو میں دو چار حج بھی کر آیا ہوتا۔ پنج آیت میں میری قراءۃ کی دھوم ہوتی۔
تراویح میں میرے لہجۂ قرآن خوانی کی شہرۃ۔ کہیں مردہ مرتا جائے نماز مجھ کو ملتی۔ کہیں
قربانی ہوتی کھال میرے پاس آتی۔ صدقے کا میں اڑھتیا ہوتا۔ زکوۃ کا ٹھیکہ دار۔ دعوتوں
کا مستحق خیرات کا حق دار۔ نہ یہ کہ پڑھاؤ کچھ پوچھو کچھ۔ سکھاؤ اور چیز اور امتحان لو دوسری چیز
میں۔ دنیا میں جیسے اور شریف معزز خاندانوں کے بیٹے ہیں اگر میں سب میں اچھا نہیں
تو کسی سے برا بھی نہیں۔ مشاعرے میں میری غزل ساتھ کے مشق کرنے والوں میں سب سے بڑھی چڑھی
ہوتی ہی۔ شطرنج میں مرزا شاہ رخ تو خیر پرانے کھیلنے والوں میں ہیں اور حق یہ ہی کہ اچھی شطرنج کھیلتے
ہیں دوسرا کوئی مجھ کو مات کر دے تو البتہ میں اُس کی ٹانگ تلے سے نکل جاؤں ہمارے محلے
میں میاں وزیر بادشاہی پیادوں کے جمعدار بڑے شاطروں میں مشہور رہیں ہیں فرزیں اٹھا کر اُن کے
ساتھ کھیلتا ہوں۔ گنجیفہ اگرچہ میں کم کھیلتا ہوں لیکن بیٹھ جاؤں تو ایسا بھی نہیں کہ کوئی صفوا
ناوری چڑھائے۔ اور قریب قریب یہی حال تاش اور چوسر کا ہی۔ کبوتر جیسے آج ہماری

چھتری کے دم دار ہیں شہر میں شاید دو چار جگہ اَور ہوں گے۔ پتنگ میں ایسا اڑاتا ہوں کہ ایک ڈھیلچئے سے دو ڈھڈے کی تکل ایک نہیں تو سیکڑوں کاٹی ہوں گی۔ لکھنے سے میں عاری نہیں۔ پڑھنے سے میں عاجز نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ امیروں اور امیرزادوں کا وہ کون سا ہنر ہی جو مجھ کو نہیں آتا ۵ قسمۃ سے تو ناچار ہوں ای ذوق وگرنہ ؛ سب فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا ؛ کل کی بات ہی کہ میری مدح ہوتی تھی اور مجھ کو ہر ہر بات پر شاباش ملتی تھی۔ اب دفعۃً میں ایسا بے ہنر ہو گیا کہ مجھ کو سیکھنے اور تعلیم پانے کی ضرورۃ ہی ع ہائے ہم کیا کہیں کیا ہو گئے کیا کیا ہو کر ؛ میرا کون سا فعل ہی جو تم کو یا ابّا جان کو معلوم نہیں۔ کیا ابا جان نے میری غزلیں نہیں سنیں۔ میں ان کے ہاتھ کی صاد کئے ہوئے دکھا سکتا ہوں۔ ابھی پورا ایک مہینا بھی نہیں گزرا کہ شطرنج کا ایک بڑا مشکل نقشہ ابا جان نے کسی اخبار میں دیکھا تھا اُس کو میں نے حل کیا۔ کبوتر اُڑتے تم نے نہیں دیکھے یا پتنگوں کی لڑائی اُنھوں نے نہیں سنی۔ کبھی تم نے روکا یا اُنھوں نے ٹوکا۔ اب یہ نئی بات البتہ سننے میں آتی ہی کہ نماز پڑھو۔ مسجد میں معتکف بن کر بیٹھو کھیلو مت۔ کسی یار آشنا سے ملو مت۔ بازار مت جاؤ۔ میلے تماشے میں مت شریک ہو بھلا کوئی مجھ سے یہ باتیں ہونے والی ہیں ۵ جو دل قمار خانے میں بت سے لگا چکے ؛ وہ کعتبین چھوڑ کے کعبے کو جا چکے ؛ ماں میں سچ کہتی ہوں کہ جتنی باتیں تم نے کہیں تمھارے باپ جن کو تم مجنون اور مختل الحواس تجویز کرتے ہو سب پہلے سے سمجھے ہوئے بیٹھے ہیں اور اُن کو معلوم ہی کہ تم سے ان عادتوں کا ترک ہونا دشوار ہی اور ابتدا میں تم کو تعلیم نہ کرنے کا تذکرہ کر کے اس قدر

حسرت کے ساتھ روتے ہیں کہ دیکھنے والا تاب نہیں لا سکتا۔ غضب تو یہی ہے کہ تم اُن تک چلتے نہیں ورنہ تم کو معلوم ہو جاتا کہ باپ کے دل کی کیا کیفیت ہے۔ وہ خود قائل ہیں کہ اولاد کا کچھ قصور نہیں ان کے بگاڑ کا وبال ان کی خرابی کا الزام سب میری گردن پر ہے اپنے تئیں کوستے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں ان کا باپ تھا یا عدو تھا کہ میں نے جان بوجھ کر ان کا ستیاناس کیا دیدہ و دانستہ ان کو غارت کیا۔ اب کس مونہہ سے ان کو سمجھاؤں اور کیونکر ان سے آنکھیں ملاؤں۔ مگر پھر آپ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر میں نے اپنے فرض کے ادا کرنے میں اب تک کوتاہی کی تو کیا تلافیِ مافات سے غافل رہنا ترکِ فرض سے کچھ کم ہے۔ ناچار اپنے مقدور بھر کوشش کروں گا مجبور حتی الوسع زحمت اُٹھاؤں گا۔ بیٹا۔ خیر ایسا ہی فرض کا خیال ہے تو دوسرے بچوں کو اپنی رائے کے مطابق تعلیم کریں مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیں۔ ماں۔ کیوں۔ کیا خدانخواستہ تم اولاد میں نہیں ہو۔ بیٹا۔ ہوں لیکن مجھ سے بھی آخر کہہ نہ چلے بس اُن کے ذمے سے فرض ساقط ہو گیا۔ ماں۔ یہی حجت دوسرے بھی پیش کر سکتے ہیں۔ بیٹا۔ جھک مارنے کی بات ہے چھوٹوں کو ماننا چاہیئے۔ ماں۔ کیا چھوٹے سدا چھوٹے رہیں گے۔ بیٹا۔ بڑے ہوئے پیچھے بے شک اُن کو بھی آزادی ہونی چاہیئے۔ ماں۔ گھر میں اگر کوئی انتظام کرنا منظور ہو تو جب تک چھوٹے بڑے سب اُس کی تعمیل نہ کریں وہ انتظام چل نہیں سکتا۔ بیٹا۔ چلے یا نہ چلے بی بی میں تم سے صاف کہوں مجھ سے تو یہ نماز روزے کا کھٹراگ سنبھلنے والا نہیں۔ یہ سر حاضر ہے نعیمہ کی طرح چاہو مجھ کو بھی دو چار جوتیاں مار لو۔ ماں۔ الٰہی نماز کچھ ایسی مشکل ہے کہ جوتیاں کھانی قبول پر نماز پڑھنی منظور نہیں۔ بیٹا۔ مجھ کو تو ایسی ہی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ ماں۔ خیر تم میری اور باپ

کی خاطر سے پڑھ لیا کرنا۔ بیٹا۔ مجھ سے ہو ہی نہیں سکتی۔ ماں۔ تو یوں کہو تم کو باپ کے کہنے
کی ضد ہی۔ بیٹا۔ جو کچھ سمجھو۔ ماں۔ بھلا پھر اس کا انجام کیا ہوگا۔ بیٹا۔ ہوگا کیا بہت کریں گے
خفہ ہوں گے۔ دو چار دن میں سامنے نہ جاؤں گا آخر تم کہہ سن کر بات کو رفت وگزشت
کرا ہی دوگی۔ کیوں بی اماں کرا دو گی نہ۔ ہماری اماں جان نہیں۔ ماں۔ اگر یہی انجام ہوتا
تو میں تم سے اتنا اصرار ہرگز نہ کرتی۔ بیٹا۔ پھر کیا مجھے پھانسی دلوا دیں گے مار ڈالیں گے
کیا کریں گے۔ ماں۔ بھلا بیٹا کوئی کسی کو مار سکتا ہی ایک ذرا سا ہاتھ لگانے پر تو نعیمہ نے
یہ آفت توڑ رکھی ہی کہ اللہ پناہ دے جان سے مارنا تو خدا کا گناہ اور حاکم کا جرم۔ بیٹا۔ شاید
یہ کریں کہ گھر سے نکال دیں۔ ماں۔ شاید تم تو بیٹھے ہو اُن کو اس بلا کا اہتمام ہی کہ اگر میں
بھی ان کی راے کے خلاف کروں تو تیس برس کا گھر خاک میں ملانے کو طیار ہیں۔ بیٹا۔ شاید اسی ڈر کے
مارے تم سب کے سب اُن ہی کی سی کہنے لگے۔ ماں۔ نہیں اس وقت تک تو کسی کے ساتھ کسی طرح کی سختی
کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ باتیں ہی وہ اس غضب کی کرتے ہیں کہ گنجائش انکار باقی نہیں رہتی۔ لیکن
ہاں جو تمھاری طرح کوئی کٹھ حجتی کرتا تو ضرور بگڑتے۔ بیٹا۔ میں اُن کی خفگی سے تو خیر کسی قدر ڈرتا
بھی تھا لیکن گھر سے نکلنے کی تو بندۂ درگاہ ذرا بھی پروا نہیں کرتے اور گھر کی طمع سے جو نماز پڑھے
میں اُس کو بھی کچھ کہتا ہوں۔ اپنے کھانے کپڑے پر گھمنڈ کرتے ہوں گے میں اُن جیسے دس کو کھانا
کپڑا دے سکتا ہوں۔ ماں۔ باپ بیچارے نے تو یہ بات بھی مونہ سے نہیں نکالی تم اپنے دل
سے جو چاہو سو کہو۔ بیٹا۔ نہیں۔ اُن کے اصرار سے معلوم ہوتا ہی کہ کھانے کپڑے کا
ڈراوا دکھا کر چاہتے ہیں کہ دین کا ٹوکرا زبردستی ہم لوگوں کے سر پر لاد دیں۔ سو

یہ دل سے دور رکھیں۔ میں خود گھر سے دل برداشتہ ہو رہا ہوں۔ نہیں معلوم کیا سبب
تھا کہ میں اب تک رہ گیا۔ اگر پہلے سے ذرا بھی مجھ کو معلوم ہوا ہوتا تو خدا کی قسم کبھی کا گھر سے
ایسا گیا ہوتا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اور اب دیکھ لینا دیوانہ را ہوئے بس است
ماں۔ بیٹا تم کیسی باتیں کرتے ہو باپ تک تم گئے نہیں نہ اپنی کہی نہ اُن کی سنی آپ ہی آپ
تم نے ایک بات فرض کر لی اور اُس پر غصہ کرنے لگے۔ بیٹا۔ درست۔ چھیڑ چھاڑ میری طرف سے
شروع ہوئی یا اُن کی طرف سے۔ ماں۔ اپنی بہتری کی بات کو تم نے چھیڑ چھاڑ سمجھا۔ اور مانا
کہ اُن ہی کی طرف سے چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی سہی تو تم کو گھر سے ناراض ہونے کا کیا سبب
گھر میں تو میں بھی ہوں اللہ رکھے تمھارے بھائی ہیں بہنیں ہیں ہم سب نے تمھارا کیا قصور
کیا ہے۔ بیٹا۔ تم سب تو اُن ہی سے ملے ہوئے ہو۔ اچھا اگر تم کو میرا پاس ہے تو میرا ساتھ دو
ماں۔ اگر تمھارے باپ کی زیادتی ہوتی تو بے شک میں تمھاری طرف داری کرتی۔ انسان
وہ کام کرے کہ دس بھلے آدمیوں میں بات آپڑے تو لوگ اُس کو الزام نہ دیں۔ فرض کیا کہ تم
اتنی ہی بات پر گھر سے خفا ہو کر چلے گئے تو لوگ تم ہی کو قصوروار ٹھیرائیں گے۔ بیٹا۔ لوگ میرے قاضی
نہیں مفتی نہیں۔ میں کسی کی رعیت نہیں۔ جب میں اپنے سگے باپ کے کہنے کی پروا نہیں کرتا
تو لوگ پڑے بھونکا کریں۔ ماں۔ بیٹا دنیا میں رہ کر تو ایسی آزادی نبھ نہیں سکتی۔ بیٹا۔ اجی
ایسے نبھے کہ جسے کہتے ہیں ع کیسا اس کو نباہتا ہوں ؎ ان شاء اللہ دیکھئے گا۔ ماں۔
تو کیا تم گھر سے چلے جاؤ گے۔ بیٹا۔ کوئی مجھ کو روک بھی سکتا ہے ع مانع دشت نوردی
کوئی تدبیر نہیں ؎ ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں ؎ ماں۔ کیوں

روکنے والی میں موجود بیٹھی ہوں۔ کیا میرا تم پر اتنا بھی حق نہیں۔ یہ کہہ کر فہمیدہ کا دل بھر آیا اور اُس پر رقّت طاری ہوگئی۔ میں نے تم کو نو مہینے اسی دن کے واسطے پیٹ میں رکھا تھا اور اسی لئے تمھارے پالنے کی مصیبتیں اُٹھائی تھیں کہ جب بہار دیکھنے کے دن آئیں تو تم مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ کلیم سچ کہتی ہوں ذرا جا دیکھ قیامت تک تو دودھ بخشنے ہی کی نہیں۔ بیٹا۔ ع این ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر۔ ماں۔ بھلا ایسے جانے میں کیا فلاح و برکت ہوگی کہ باپ کو ناراضمند کر کے جاؤ اور ماں کو ناخوش اور وہ بھی بے سبب۔ بیٹا۔ خیراب تو یہی دل پر ٹھنی ہے ع سر جائے یہ درد سر نہ جائے ؛ اور کچھ خاص کر یہی سبب نہیں مدتوں سے میرا دل گھر میں بیٹھے بیٹھے اُکتا گیا تھا اور ہمیشہ خیال آیا کرتا تھا کہ چلوں ذرا باہر کی بھی ہوا کھاؤں ع چل درِ میکدہ تک ہی حرکۃ میں برکۃ ؛ ماں۔ گھر سے ناراض ہو کر جاؤ گے تو اچھا باپ دادے کا نام تمام شہر میں اُچھلے گا۔ بیٹا۔ جب باپ نے میرا پاس آب رو نہ کیا تو خاندان کی عزۃ رہے تو بلا سے اور جائے تو بلا سے۔ ماں۔ باپ دادوں کی عزۃ تو رہے یا جائے تم نے گھر سے باہر قدم رکھا اور تمھاری بات دو کوڑی کی ہوئی۔ یہی تمھارے دوست آشنا جو رات دن تمھاری لَلّو پتّو میں لگے رہتے ہیں سلام تک کے روادار تو ہونے ہی کے نہیں۔ ہم دردی اور غم گساری کا تو کیا مذکور ہے۔ بیٹا۔ گھر سے نکل کر کیا میں نے دلّی میں رہنے کی قسم کھائی ہے۔ ملک خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست ؛ جدھر کو مونہ اُٹھ گیا چل کھڑے ہوئے۔ ماں۔ بھلا میں سنوں کہ تم نے کون سا ٹھکانا سوچا ہے۔ بیٹا۔ ع جب سے کدہ چھٹا

---

۱ عورتوں کا مسئلہ ہے کہ جب تک ماں اولاد کو اپنا دودھ نہ بخشے اُن کی نجات نہیں۔

۲ عاشقی میں جہاں اور غم ہیں یہ بھی سہی۔

۳ سر جائے یعنی بلا سے جو خیال ہے وہ تو جائے گا۔

۴ کسم نہ ہو جو عربی کی مثل ہے (حرکت میں برکت)۔

۵ خانے کے دروازے تک ہی چل۔

۶ یعنی بحر ۔۔۔ خوش آمد۔

۷ دنیا میں جگہ کی کمی نہیں ہے۔

۸ جب شراب خانہ چھوٹ گیا تو جہاں بیٹھ رہے۔

۹ جہاں بیٹھ گیا جگہ ہے۔

توپھر اب کیا جگہ کی قید ؛ مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو ؛ ماں - بھلا پھر اس میں
خوبی کیا نکلی کہ تم نے عیش چھوڑا - آرام چھوڑا - گھر چھوڑا - عزیز واقارب چھوڑے
اور ان سب کے بدلے ملا تو کیا ملا بدنامی کا خلعت - رسوائی کا خطاب - مفلسی اور محتاجی
کا انعام تکلیف و مصیبت کا پروانہ - تردد و پریشانی کا فرمان - موٹی سی موٹی سمجھ
اور چھوٹی سی چھوٹی عقل بھی اس کو جائز نہیں رکھتی - بیٹا - عقل[۵۲] چہ گتی است کہ پیش
مرداں بیاید - ماں - تم تو باپ کو باولا اور مجنون بتاتے تھے مگر باولوں کی سی باتیں
دیوانوں کی سی حرکتیں تم خود کرتے ہو - دیکھو کہے دیتی ہوں بہت پچھتاؤ گے - بہت
افسوس کرو گے - میں یہ نہیں کہتی کہ تم میری بات مانو لیکن جس کو تم اپنے نزدیک
معقول پسند اور دانش مند سمجھتے ہو اُس سے پوچھو - صلاح لو مشورہ کرو - دیکھو تو
کیا کہتا ہے - بیٹا ع رائے اپنی صلاح ہے اپنی ؛ ماں - بھلا اتنا تو تم سمجھو کہ میں
جو تم سے اتنا اصرار کر رہی ہوں اور اتنی دیر سے تمھارے پیچھے[۵۳] سر کھپا رہی ہوں
اس میں کچھ میرا نفع یا تمھارے باپ کا فائدہ ہے - اگر تم نیک ہو گے تو کچھ ہم کو بخش دو گے
یا کُو[۵۴] راہ چلو گے تو کچھ ہم سے چھین لو گے - مگر خدا نے یہ اولاد کی مامتا[۵۵] کم بخت ایسی ہمارے
پیچھے لگا دی ہے کہ جی نہیں مانتا اور دل صبر نہیں کرتا کہ تم کو بگڑتے دیکھیں اور نہ روکیں
تم خرابی کے لچھن اختیار کرو اور ہم منع نہ کریں - ماں اور بیٹے میں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ بیدارا اندر سے
ایک خط لئے ہوئے نکلی اور وہ خط اُس نے کلیم کے ہاتھ دیا - رات کا وقت اور بیدارا کا اندر سے لے کر نکلنا
فہمیدہ سمجھ گئی کہ ضرور کلیم کے باپ کا خط ہے - جب تک کلیم خط پڑھتا رہا فہمیدہ چپ بیٹھی دیکھا

کی۔ خط پڑھ چکنے کے بعد کلیم چاہتا تھا کہ پھر وہی بات شروع کرے اتنے میں فہمیدہ نے پوچھا
باپ نے کیا لکھا ہے۔ بیٹا۔ اُن کو تو جانتی ہو جس بات کے پیچھے پڑتے ہیں تو پہروں کی
خبر لاتے ہیں۔ پھر بلایا ہے۔ ماں۔ صرف بلاوے کا اتنا بڑا بھاری خط ذرا میں بھی دیکھوں
فہمیدہ نے خط لے کر پڑھا تو اُس میں لکھا تھا (خط) ای جان پدر ارشد کہ اللہ تعالیٰ
میں نے تم کو پہلے علیم اور پھر رسولن کے ہاتھ بلوایا اور تم نہ تو آئے اور نہ معذوری و معذرۃ
کہلا بھیجی جس سے ظاہر ہے کہ تم نے مجھ کو ہیچ اور میرے حکم کو بے وقعت محض سمجھا۔ اگرچہ میرے
نزدیک دنیا کا ضروری سے ضروری کام بھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ باپ بلائے اور بیٹا
اُس کام کے حیلے سے باپ کے پاس حاضر ہونے میں مکث کرے لیکن اگر کوئی ضرورۃ
ایسی درپیش تھی کہ تم اُس کو میری طلب پر مقدم رکھنا چاہتے تھے تو اُس ضرورۃ کو مجھ پر ظاہر اور اپنی
مجبوری سے مجھ کو مطمئن کرنا بھی تم پر لازم تھا۔ نہ صرف اس نظر سے کہ میں تمہارا باپ ہوں اور تم میرے بیٹے بلکہ
آداب تمدن اور اخلاق معاشرۃ اسی طرح کے برتاو کے مقتضی ہیں دنیا کا انتظام جس قاعدے اور دستور
سے چلتا ہے تم اپنے تئیں اُس سے بے خبر اور ناواقف نہیں کہہ سکتے۔ ہر گھر میں ایک مالک۔ ہر محلے میں ایک
رئیس ہر بازار میں ایک چودھری۔ ہر شہر میں ایک حاکم۔ ہر ملک میں ایک بادشاہ۔ ہر فوج میں ایک
سپہ سالار۔ ہر کام کا ایک افسر۔ ہر فرقے کا ایک سر گروہ ہوتا ہے۔ الغرض ہر گھر ایک چھوٹی سی سلطنۃ
ہے۔ اور جو شخص اُس گھر میں بڑا بوڑھا ہے وہ اُس میں بمنزلہ بادشاہ کے ہے۔ اور گھر کے دوسرے لوگ
بطور رعایا اُس کے محکوم ہیں۔ اگر ملک کی بدنظمی حاکم ملک کی غفلۃ اور بے عنوانی سے
ہوتی ہے تو ضرور اس گھر میں جو خرابی ہے اُس کا الزام مجھ پر ہے۔ اور میں نہایۃ

ندامت اور حسرت کے ساتھ تسلیم کرتا ہوں کہ اب تک میں بہت ہی غافل بادشاہ اور بڑا ہی بے خبر حاکم رہا ہوں۔ میری غفلت نے میرے ملک کو غارت اور میری سلطنت کو تباہ کر دیا۔ میری بے خبری نے نہ صرف مجھ کو ضعیف الاختیار بنایا بلکہ رعیت کو بھی ایسا سقیم الحال کر دیا کہ اب اُن کے پنپنے کی امید نہیں جس طرح چھوٹے چھوٹے نواب اور رجواڑے سلطانِ وقت کے حضور میں اپنے ملکوں کی بدنظمی کے واسطے جواب دہی کیا کرتے ہیں اور اُن کو غفلت اور بے عنوانی کی سزا ملتی ہے۔ واجد علی شاہ سے سلطنت منتزع ہوئی۔ والیِ ٹونک مسندِ حکومت سے اُتار دیئے گئے میں بھی بادشاہِ دوجہاں کے حضور میں اپنے گھر کی خرابی کا جواب دہ ہوں۔ اور دوسروں کو سزایاب ہوتے دیکھ کر اب مجھ کو سچا اور پورا تنبہ ہوا ہے۔ اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ آئندہ سے میری خانہ داری کے ملک میں جتنے رخنے ہیں بند۔ جتنے خلل ہیں مسدود۔ جتنے نقص ہیں پورے۔ جتنے سقم ہیں دفع کئے جائیں۔ بڑی خطرناک قباحت جو میں اپنے ملکِ خانہ داری میں پاتا ہوں یہ ہے کہ میں اور میری رعایا یعنی تم لوگ شاہنشاہِ دوجہاں سے سرکشی و بغاوت پر آمادہ و کمربستہ ہیں۔ اور خراجِ عبادت جو ہم کو وقت مقرر پر ادا کرنا چاہیئے بالکل باقی پڑا ہے خراج جو ہم پر عائد کیا گیا ہے میں دیکھتا ہوں تو نہایت ہی ہلکا اور نرم اور رعایتی ہے۔ اگر ہم چاہتے تو کوئی قسط بھی باقی نہ رہتی اور جو مطالبہ شاہی تھا بے زحمت اپنے وقت پر خزانۂ عامرہ سرکاری میں داخل ہو جایا کرتا۔ باایں ہمہ جو کوتاہی ہماری طرف سے ہوئی ظاہر ہے۔ اس نادہندی کی کوئی نامعقول تاویل بھی تو ہم نہیں کر سکتے اب دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو پچھلا خراج تمام و کمال بےباق کریں اور اپنا قصور معاف کرائیں اور آئندہ کو عہد کریں کہ کبھی باقی نہ رکھیں گے۔ یا بادشاہ کے ساتھ لڑیں اور مقابلہ کریں اور ہو سکے تو اپنے تئیں اُن کے

ربقۂ اطاعۃ سے آزاد کرلیں۔ شاہی قوۃ اور ہمارا ضعف تو ظاہر ہی۔ بھلا ہماری تو کیا ہستی ہی فرعون اور نمرود اور شداد اور ہامان اور قارون کیسے کیسے جابر و مقتدر ہو گزرے ہیں باغی ہوئے تو کسی کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ پس سوائے اطاعۃ و انقیاد دوسرا چارہ نہیں۔ رعایائے ملک میں تم کو سربرآوردہ اور ممتاز سمجھ کر صلاح و مشورے کے لئے بلایا تھا۔ تمہارے نہ آنے سے ثابت ہوا کہ تم کو سرکار کا ذرا سا بھی خوف نہیں۔ اب تک میں نے تشبیہ و تمثیل میں تم سے گفتگو کی اور اس سے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس مجبوری سے میں تمہارے معاملات میں دخل دیتا اور تمہارے افعال سے تعرض کرتا ہوں۔ میرا دخل و تعرض بے شک تم کو دخل بے جا اور تعرض ناروا معلوم ہوتا ہوگا۔ لیکن ذرا اپنی اور میری ذمہ داری کو انصاف کے ساتھ موازنہ کروگے تو سمجھ لوگے کہ اس کو بے جا اور ناروا سمجھنا بڑی غلطی ہی جن شرطوں کا میں تم کو پابند کرنا چاہتا ہوں میں اپنے تئیں اور کسی کے تئیں اُن سے مستثنیٰ نہیں کرتا۔ پھر شکایۃ کیا اور گلہ کیوں۔ تم جیسے نوجوان آدمیوں کو مذہب کے بارے میں کبھی کبھی خدشات بھی واقع ہوا کرتے ہیں اور یہ کچھ عیب کی بات نہیں۔ خدشے کا واقع ہونا دلیل جستجو ہی اور جستجو کا انجام ہی حصول۔ جوئندہ یابندہ۔ اگر تم میں سے کوئی ایسا خدشہ پیش کرنا چاہے تو میں اس کا جواب دینے کو موجود ہوں۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں مذہب کے اصول ایسے سچے اور یقینی اور بدیہی اصول ہیں کہ ان میں رد و انکار کا مدخل ہو ہی نہیں سکتا چونکہ ابتدائے شعور سے اب تک ہم لوگ غفلۃ اور سستی اور بے پروائی اور خداوند جل و علا شانہٗ کی مخالفۃ اور عدول حکمی اور نافرمانی میں زندگی بسر کرتے رہے اور گناہ اور خطاکاری کی عادتیں ہمارے دلوں میں راسخ ہو گئی ہیں البتہ میں جانتا ہوں اور مانتا ہوں کہ ایک مدۃ میں زنگ معصیۃ ہمارے سینوں سے دور ہو کر

کی رہتی ج فرمان برداری ۵ بڑی ہی زبردستی گلا ہیں

۵۳ فرعون مصر کا بادشاہ تھا ہامان اس کا وزیر دونو کا فر حضرۃ موسیٰ نے دونوں کو ہلاک کیا۔ قارون حضرۃ موسیٰ کا رشتہ دار تھا حضرۃ موسیٰ کا کہنا نہ مانا گھر بار سمیت زمین میں دھنس گیا۔ نمرود شداد دو کافر بادشاہ تھے خدا سے منحرف ہلا کو مجھ نے ہلاک کیا

شداد نے بہشت کا جواب عدن میں ایک باغ بنوایا اس میں گھسنے نہ پایا

۱۳ سخت کم ۱۴ سختی اور دلیلے ۱۵ مقصد ۱۶ فرماں برداری ۱۷ علاج ۱۸ سب سے پہلے ۱۹ مقابلہ ۲۰ ڈھونڈھنا ۲۱ پاتا ہے ۲۲ کھلی ہوئی ۲۳ جس دلیل کی ضرورت نہ ہو ۲۴ اس کی نشان ۲۵ بزرگ ۲۶ جم ۲۷ نافرمانی

یہ آئینے ایمان کی جلا سے منور ہوں گے۔ لیکن بالفعل میرا مطلب اسی قدر تھا کہ ہر شخص مناسب حالۃ اپنا اپنا فکر کر چلے۔ جب میں اپنی اور تم سب کی پچھلی زندگی پر نظر کرتا ہوں تو اپنی بوٹیاں توڑ توڑ کر کھاتا ہوں۔ کیوں کہ اس ساری خرابی کا بانی اور اس تمام ابتری کا موجد میں ہوں۔ اے کاش میرا اتنا ہی قصور ہوتا کہ میں اپنی ذات سے گنہ گار قرار دیا جاتا۔ نہیں۔ تم سب کے گناہوں میں میرا ساجھا اور تم سب کی خطاؤں میں میری شرکت ہے۔ میں خدا کا گنہ گار الگ ہوں اور تمہارا قصور وار الگ۔ لیکن افسوس ہے کہ اس گناہ کا کفارہ اور اس قصور کی تلافی میرے اختیار سے خارج ہے ہاں مگر تم مجھ پر رحم کر کے اپنی اصلاح وضع کرو۔ کیا تمہاری سعادت مندی اس بات کو جائز رکھتی ہے کہ تمہارے سبب قیامت میں میری رسوائی ہو۔ کیا تمہاری حمیت اس بات کو پسند کرتی ہے کہ تمہاری وجہ سے حشر کے دن میں خدا کے غضب میں پکڑا جاؤں چوں کہ تم میرے بڑے بیٹے ہو مجھ کو سب سے زیادہ تمہارا بھروسا تھا کہ تم اس مشکل میں میرا ساتھ دو گے۔ میری مدد کرو گے۔ نہ کہ تم نے ملنے سے بھی کنارہ کیا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میری آس ٹوٹ گئی۔ اور میرے ذہنی منصوبے تمام بگڑ گئے۔ اتنی بڑی مہم اور میں اکیلا۔ اتنا مشکل کام اور میں تنہا۔ تم جانتے ہو کہ تمہارا انحراف میرے انتظام میں کتنا خلل ڈالے گا۔ چھوٹے بڑے سب تم کو سند گردانیں گے۔ اور بات بات میں تمہارا حوالہ دیں گے۔ اگر تم اسی مصلحت سے میرے شرائط کو قبول کر لیتے تو تمہارا کیا بگڑ جاتا۔ تم نے ابتدا ہی سے وہ سختی اختیار کی جس کی مجھ کو انجام میں بھی تم سے توقع نہ تھی۔ جتنی مشکلیں مجھ کو پیش آنے والی ہیں میں ان سے بے خبر نہیں ہوں۔ اور اگر اس ارادے کا ترک کر دینا میرے

۱ آئینے کو چمکانا
۲ کر کے اس میں
۳ توڑ توڑ کر کھانا یعنی افسوس کرنا
۴ بنیاد ڈالنے والا
۵ ایجاد کرنے والا
۶ گناہ کا اتارا
۷ غیرت
۸ پھر بیٹھنا

اختیار میں ہوتا تو میں تم سے سچ کہتا ہوں میں اس بات کو مونہہ ہی سے نہ نکالتا۔ لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ میں کوئی انوکھا آدمی نہیں ہوں۔ آخر مجھ کو ایک نہ ایک دن مرنا ہی۔ ابھی جب میں نے ہیضہ کیا تو کیا مرنے میں کچھ باقی رہ گیا تھا۔ خدا کی قدرۃ تھی کہ اُس نے مجھ کو از سرِ نو پھر جلا دیا۔ لیکن بکرے کی ماں آخر کب تک خیر منائے گی۔ رہا اگر کوئی تا قیامۃ سلامۃ ٭ پھر آخر کو مرنا ہی حضرۃ سلامۃ ٭ اور جس طرح مرنا یقینی ہی یہ بھی یقینی ہی کہ مجھ کو اپنے اعمال و افعال کے واسطے خدا کے حضور میں جواب دہی کرنی پڑے گی۔ اور نہ صرف اپنے اعمال و افعال کے واسطے بلکہ تم سب کے اعمال و افعال کے واسطے بھی۔ پس سوائے اس کے کہ میں اپنا اور تم سب کا طرز زندگی بدل دوں اَور کچھ چارہ نہیں۔ اگر تم میرے پاس آئے ہوتے۔ اور مجھ سے تم سے بات چیت ہوئی ہوتی تو میں تمھاری رائے دریافت کر کے ایک خاص طور پر تم سے گفتگو کرتا۔ اب مجھ کو معلوم نہیں کہ جتنی باتیں میں نے کہیں اُن میں کون سی تم کو تسلیم ہی اور کس سے تم کو انکار ہی۔ پس اب زیادہ لکھنا میں فضول و عبث سمجھتا ہوں۔ لیکن جو کچھ میرے ذہن میں تھا میں لکھ چکا۔ میں تم سے اس کے جواب کا متقاضی نہیں۔ اور اس کے دو سبب ہیں۔ اول یہ کہ میں اپنے تقاضے کا لا حاصل اور بے اثر ہونا دیکھ نہیں سکتا۔ دوسرے صرف ایک ہی جواب ہی کہ اُس کو میں بہ طیبِ خاطر سُن سکتا ہوں۔ وہ یہ کہ تم میری شرطوں کو منظور کرو۔ ورنہ میں اپنے تئیں مواخذۂ عاقبۃ سے

بچانے کے لئے البتہ ان چند روزہ رشتوں کا پاس اور ان عارضی قرابتوں کی پروا نہیں کر سکتا۔ اور یہ میری ہارے درجے کی تدبیر ہے۔ اور میں خدا سے گڑگڑا گڑگڑا کر دعا مانگتا ہوں کہ مجھ کو اس کے اختیار کرنے کی ضرورۃ واقع نہ ہو والدعا[۱]۔ خط پڑھ کر فہمیدہ بیٹے سے کہنے لگی۔ دیکھا۔ بیٹا ع

جو کچھ خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا

ماں۔ کیا اب بھی تم کو باپ کی نسبۃ جنون کا احتمال ہے۔ بیٹا۔ احتمال کیسا اب تو یقین کامل ہے۔ بقول شخصے۔ ع

دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

اپنے تئیں بادشاہ سمجھنا جنون نہیں تو کیا ہے۔ ماں۔ اِنَّا لِلّٰہِ[۲] وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن بیٹا۔ کیوں آپ نے انا للہ کس بات پر کہا۔ ماں۔ تمھاری اُلٹی سمجھ اور تمھاری بدقسمتی پر بیٹا ع

بہتر ہے وہی جو کچھ بدی[۳] ہے۔

ماں۔ تو کیا سچ مچ تم باپ کے پاس نہیں جاؤ گے۔ بیٹا۔ اب تو میرا نہ جانا اُن پر بھی ظاہر ہو گیا پھر کیا ضرورۃ ہے۔ کل جیسی ہو گی دیکھی جائے گی۔ ماں۔ دیکھو۔ پھر میں تم سے کہے دیتی ہوں کہ رات کو اطمینان سے تم اس خط کے مطلب پر غور کرو۔ تمھارے باپ نے کوئی بات بے جا نہیں لکھی۔ جو شخص اِس خط کو دیکھے گا تم ہی کو قائل معقول کرے گا۔

[۱] اور دعا۔ یہ لکھنے چھوٹوں کے نام پر خط کے آخر میں لکھو دیا کرتے ہیں۔ ہم خدا

[۲] ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ یہ افسوس کے مقام پر کہا جاتا ہے۔

[۳] جو قسمت کا لکھا ہے۔

نعیمہ کی خالہ زاد بہن صالحہ نے اُس کو آکر منایا۔ کھانا کھلایا اور اُسی کے ساتھ نعیمہ خالہ کے یہاں چلی گئی

ابھی فہمیدہ یہ بات پوری بھی نہیں کرنے پائی تھی کہ صالحہ کی ڈولی آپونہچی۔ اُترتے کے ساتھ خالہ سے پہلے یہی پوچھا کہو آپا[۱] نے کچھ کھایا پیا یا نہیں۔ خالہ۔ کچھ بھی نہیں۔ صالحہ۔ ہیں کہاں۔ خالہ۔ درے کے اندر کوٹھری میں۔ صالحہ۔ آخر بات کیا ہوئی تھی۔ خالہ۔ کیا علیم نے تم سے کچھ نہیں کہا۔ صالحہ۔ اتنا ہی کہا کہ لڑائی ہوئی ہے صبح سے کھانا نہیں کھایا۔ میں ہرچند پوچھتی رہی کچھ نہیں بتایا اور کہا کہ بھائی وہیں چل کر پوچھ لینا۔ تب خالہ نے شروع سے آخر تک سب ماجرا کہہ سنایا۔ صالحہ بڑی دانش مند لڑکی تھی اور اگرچہ نعیمہ سے عمر میں کچھ چھوٹی تھی مگر دونوں میں بڑا ہی میل ملاپ تھا۔ صالحہ کو جو دقّت پیش آنے والی تھی اُس کو سوچ سمجھ کر اُس نے خالہ سے کہا کہ ان شاءاللہ آپا کو میں راضی کر لوں گی۔ مگر میرے سوائے اُس مکان میں دوسرا آدمی کوئی نہ رہے کیوں کہ گھر میں جتنے آدمی ہیں آخر سب اس حال سے واقف ہیں۔ ان میں سے کوئی سامنے جائے گا تو آپا کو ضرور حجاب[۲] ہوگا۔ بات صالحہ نے معقول سوچی تھی کیوں کہ جب ایک مجمع میں کسی آدمی کی بے عزتی ہوتی ہے تو جو لوگ اُس کی تفضیح[۳] دیکھ چکے ہیں وہ سب کو اپنا دشمن ٹھیرا لیتا ہے۔ شاید اس خیال سے کہ یہ سب کھڑے دیکھتے رہے اور انھوں نے میری کچھ مدد نہ کی۔ اور ان میں سے

جب کوئی شخص سامنے آتا ہی تو اُس ستم رسیدہ[۱] کو ایسا معلوم ہوتا ہی کہ گویا اسی نے
مجھ کو فضیحتہ کرایا تھا۔ پس ضرور اُس کے غصے کو ترقی اور اُس کے غضب کو زیادتی
ہوتی ہی۔ اور بے چاری بیدارا نے جو ناحق ایک دولتّی کھائی تو اسی وجہ سے ۔ ورنہ
اُس کا کیا قصور تھا۔ وہ ماں بیٹیوں کے بیچ میں کچھ بولی نہیں چالی نہیں۔ نہ کسی طرح کا
دخل دیا۔ نہ کسی کی طرف داری کی۔ اور دخل دینے کی فرصت کس کو ملی۔ ماں بیٹیوں میں ایک
بات پر ردّو کد[۲] ہونی شروع ہوئی جیسے ہمیشہ ہوا کرتی تھی۔ ماں نے دفعۃً بیٹی کو طمانچہ کھینچ مارا
غرض بات کی بات میں تو طیاری۔ ساماں۔ ارادے۔ چڑھائی۔ مار کٹائی۔ ہار جیت سب
کچھ ہو گیا۔ گھر والے دیکھتے کے دیکھتے ہی رہے۔ صالحہ نے جو اپنا انتظام خالہ کو سُنایا
اُنھوں نے بھی پسند کیا اور سب لوگوں سے کہہ دیا کہ اُس قطعے میں کوئی نہ جائے۔ ہر ایک کو
سونے بیٹھنے کا ٹھکانا بتا دیا۔ اور اپنے واسطے یہ تجویز کی کہ ہم گھر والے سب مردانے میں پردہ
کرا کر سو رہیں گے۔ بلکہ صالحہ نے کہا بھی کہ آپ کوٹھے پر سوئیں۔ خالہ نے جواب دیا کہ ابھی مجھ کو اُن
بُرے حضرۃ میاں کلیم کے ساتھ سر مارنا[۳] ہی۔ صالحہ۔ کیا اُن سے بھی لڑائی ہوئی ہی۔ خالہ۔ لڑائی کیسی
اُن سے تو چھٹّم چھٹّا ہو رہی ہی۔ صالحہ۔ کس بات پر۔ خالہ۔ بات تو اتنی ہی ہی کہ باپ نے اُن کو نماز روزے
کے واسطے نصیحت کرنے کو اپنے پاس اوپر بلوایا یہ نہیں گئے۔ صالحہ۔ خالو جان نے بلوایا اور نہیں گئے
۔ خالہ۔ تم کو نہ جانے پر تعجب ہوتا ہی۔ باتیں سُنو تو حیران ہو جاؤ۔ باپ کو دیوانہ اور مجنون۔ نماز کو
کھڑاگ۔ دین کے پیشواؤں کو مُلّانے۔ قل اعوذئیے۔ مردہ شو۔ ٹکڑگدے۔ بھک منگے۔ صالحہ۔ کسی نے
آپ سے غلط کہہ دیا ہوگا۔ خالہ۔ میرے رو در رو۔ صالحہ پھر کسی سے اُن کو سمجھوایا ہوتا۔ خالہ۔ ایک سمجھانا۔

[۱] مظلوم ۱۲
[۲] تکرار ۱۲
[۳] بکنا۔ سمجھانا ۱۲

علیم نے بہتیرا سر مارا۔ میں شام سے اب تک کہتے کہتے تھک گئی۔ جن مصیبتوں سے آج کا دن کٹا ہی خدا ہی جانتا ہی۔ دانہ تک میرے یا حمیدہ کے مُونہ میں گیا ہو تو جس طرح کی چاہو قسم لے لو۔ اُس پر نعیمہ کا فکر۔ کلیم کا تردد۔ اور سب سے بڑھ کر نعیمہ کے بچے کا سنبھالنا کہ آج اُس کو دن بھر روتے گزرا ہی۔ صالحہ۔ آپ کھانا کھائیے۔ دوسرا وقت بھی ناوقت ہو گیا۔ یقین ہی کہ آپ کے کھاتے کھاتے میں آپا کے واسطے کھانا منگواتی ہوں۔ خالہ۔ میری کیا جلدی ہی میں کھا ہی لوں گی۔ حمیدہ بے چاری کے صبر کو دیکھو کہ اُس نے کھانے کا نام بھی تو نہیں لیا۔ کل اسی وقت کا کھائے ہوئے ہی۔ خالی پیٹ میں دن بھر پانی انڈیلتی رہی ہی۔ میں نے ہر چند کہا نہ مانا۔ آخر بھوکی سو رہی۔ صالحہ۔ کیا آپ حمیدہ پر بھی کچھ خفہ ہوئی تھیں۔ خالہ۔ مطلق نہیں۔ اُس نے بہن کے افسوس میں کھانا نہیں کھایا۔ بہن کا وہ حال کہ بس چلے تو جان سے مار ڈالنے میں بھی تامل نہیں۔ اور اس کی یہ کیفیت کہ بہن پر اپنا دم دیتی ہی۔ بھانجے کو اس قدر چاہتی ہی کہ رات کو بھی تو ساتھ لے کر سوتی ہی۔ صالحہ۔ حمیدہ کو آپ جگائیے اور اطمینان سے آپ بھی کھانا کھائیے اور اُس کو بھی کھلائیے۔ آپا کا اب کچھ فکر نہ کیجئے۔ یہ کہہ کر صالحہ اندر مکان میں گھستے ہی پکاری۔ کیوں بی میری آپا کہاں ہیں گھر میں کوئی ہو تو جواب دے۔ سب سے پہلے باورچی خانے میں گئی۔ وہاں نہ دیکھا دالان میں آئی۔ وہاں بھی نہ پایا تو سہ درے میں ڈھونڈھتی پھری۔ غرض ٹال مٹول کرتے کرتے آخر کار درے والی کوٹھری کے پاس آ کر جھانکنے لگی جہاں نعیمہ تھی۔ نعیمہ دن بھر تو فرش پر پڑی رہی۔ مگر صالحہ کی آواز سنتے کے ساتھ جلدی سے اُٹھ مُونہ لپیٹ پلنگ پر جا لیٹی اور دروازے کی طرف پیٹھ کر لی۔ صالحہ نے پہلے تو

اُن جان بن کر پوچھا یہ پلنگ پر کون لیٹا ہی۔ پھر آپ ہی آپ کہنے لگی آہا آپا ہیں۔ ایں اکیلی کوٹھری میں اور ایسے سویرے۔ اتنا کہا اور دوڑ کر نعیمہ سے لپٹ گئی۔ نعیمہ نے جب سے صالحہ کی آواز سُنی اُس کو ایک طرح کی حیرۃ تھی کہ شان نہ گمان دفعۃً یہ کہاں آموجود ہوئیں۔ مگر یہ بات اُس کے ذہن میں بھی نہیں گزری کہ بلوائی ہوئی آئی ہی۔ نعیمہ نے اُس وقت اپنے تئیں ایسا بنالیا گویا دیر سے پڑی سوتی ہی۔ اور بھاری سی آواز بنا کر بولی ای ہی بھائی ہم کو دق نہ کرو سونے دو۔ صالحہ۔ ای بی آپا میں ہوں صالحہ۔ اُٹھو مُونہ تو کھولو۔ ابھی سے کیوں سو رہیں ہے جی کیسا ہی۔ اگرچہ نعیمہ نے چاہا تھا کہ صالحہ پر اپنی کیفیۃ ظاہر نہ کرے مگر اُس نے ایسی ہمدردی سے پوچھا کہ نعیمہ ضبط نہ کر سکی اور رونے لگی۔ اُس کو روتا دیکھ صالحہ نے اور اصرار سے پوچھنا شروع کیا۔ سر دکھتا ہی۔ پیٹ میں درد ہی۔ بچے کا جی کیسا ہی۔ سسرال والوں نے کچھ کہلا بھیجا ہی۔ گھر میں کسی سے لڑائی ہوئی ہی۔ صالحہ بہتیرا پوچھتی تھی مگر نعیمہ ہاتھوں سے پرے کو دھکیلتی جاتی تھی اور کچھ جواب نہیں دیتی تھی۔ آخر صالحہ نے کہا۔ نہ بتاؤ تو مجھی کو کھاؤ۔ تب نعیمہ خفہ ہو کر بولی چل مکارہ مجھی سے باتیں بنانے آئی ہی کیا تجھ کو خبر نہیں۔ صالحہ۔ ابھی مولوی رحمۃ اللہ صاحب کے وعظ سے اُٹھی چلی آتی ہوں۔ یہاں آئی تو خالہ اماں اور گھر والے سب مردانے مکان میں ہیں۔ اتنا سُنا کہ بڑے بھائی خفہ ہو کر گھر سے جا رہے ہیں۔ مجھ کو تم سے ملنے کی جلدی تھی خالہ اماں کو سلام کر سیدھی اندر چلی آئی۔ یہاں آ کر دیکھا نہ تو آدمی نہ آدم زاد تم کو سارے گھر میں ڈھونڈھتی پڑی پھری۔ نعیمہ۔ کیوں بڑے بھائی کس بات پر گھر سے نکل رہے ہیں۔ صالحہ۔ لوگ آپس میں کہہ رہے تھے کہ خالو ابا نے کہلا بھیجا ہی نماز پڑھیں تو میرے گھر میں ہیں ورنہ

بے تکلف ... سر ... کی جگہ ... بھی بول ... دیں ... ہیں

جہاں چاہیں چلے جائیں - نعیمہ - آگ لگے اس نماز کو - یہ کیا اب گھر میں کسی کو تھوڑا ہی
رہنے دے گی - یہ تو حمیدہ کے سوائے سبھی کو نکلوائے گی - صالحہ - تو کیا آپا تم بڑے بھائی
ہی کے واسطے بڑی رو رہی تھیں - نعیمہ - مجھ کو تو بے چارے بڑے بھائی کی خبر بھی نہیں
اُن سے پہلے میں آپ نکلنے کو بیٹھی ہوں - صالحہ - توبہ آپا توبہ کیسی بدفال مُونہ سے نکالتی
ہو کہ خدا پناہ میں رکھے - اللہ نہ کرے کہ کسی بھلے مانس اشراف کی بہو بیٹی گھر سے نکلے
- نعیمہ - جب سے اس نماز روزے کا چرچا ہمارے گھر میں ہوا ہی بھلمنساہت اور شرافت سب
گئی گزری ہوئی - اب آئی ہو تو دو چار دن رہ کر ہر ایک کا رنگ ڈھنگ دیکھنا - نہ وہ
زمین رہی نہ آسمان - گھر کا باوا آدم[۱] ہی کچھ بدل سا گیا ہی - نہ وہ ہنسی ہی - نہ وہ دل لگی ہی
نہ وہ چرچے ہیں - نہ وہ مذاق ہی - نہ وہ چہچہے ہیں - گھر میں ایک اُداسی چھائی رہتی ہی
ورنہ ابھی ایک مہینے کا مذکور ہی کہ محلے کی عورتیں تمام تمام دن بھری رہا کرتی تھیں - کوئی
گیت گا رہی ہی - کوئی کہانی کہہ رہی ہی - یہ ہمسائی اعجوبہ کچھ اس طرح کی زندہ دل ہیں
کہ ہر روز نئی نئی نقلیں کر کے سب کو ہنساتے ہنساتے لٹا لٹا دیتی تھیں - اب کوئی گھر میں آ کر
تھوکتا[۲] بھی نہیں - گھر ہی کہ کم بخت اکیلا پڑا بھائیں بھائیں[۳] کیا کرتا ہی - صالحہ - آخر اس کا سبب
کیا - نعیمہ - سبب تمھاری خالہ جان اور حمیدہ کے ابا جان کی بدمزاجی - کسی کو کیا غرض کیا
مطلب کہ اپنے کام کا حرج کرے اور پرائے گھر آ کر بیٹھے - کیا لوگوں کے گھروں میں بیٹھنے کی جگہ نہیں
لوگوں کی خاطرداری ہوتی تھی محبت سے اُن کے ساتھ پیش آتی تھیں لوگ دوڑے آتے تھے - اب یہ حال ہی
کہ ہر وقت مُونہ کپتے کی طرح پھولا رہتا ہی - غیر آدمی کیوں برداشت کرنے لگے سب کے سب چلتے پھرتے نظر آئے

[۱] یعنی ایسا معلوم ہوتا ہی کہ گویا یہ لوگ حضرت آدم کی اولاد نہیں کوئی نئی طرح کے آدمی ہیں

[۲] تھوکنا حقارۃ کی وجہ سے ہوتا ہی یعنی اب گھر لوگوں کی نظر میں ایسا ذلیل ہو گیا ہی کہ لوگ اب اس کو حقارۃ کے قابل بھی نہیں سمجھتے ۱۲

[۳] ویرانی اور سناٹے کی آواز ۱۲

ابّا جان کے اچھے ہونے پر ڈومنیوں نے سیکڑوں ہی پھیرے کئے۔ سبھی نے کہا۔ ہم سائی اجّو بہ نے منتیں کیں۔ ہاتھ جوڑے۔ ایک نہ مانی۔ آخر وہ رت جگا تو خاک بھی نہ ہوا نگوڑے مسجد کے ملانوں کو بلا کر کھلا دیا۔ اب تو بوا دن رات نماز کا وظیفہ ہے۔ وہ دیکھو تخت پر ہر وقت نماز کا چیتھڑا اچھار ہتا ہے۔ وضو کا گھڑا کیا مجال کہ کسی وقت پاس سے الگ ہو جائے کام کاج سے فارغ ہوئیں تو یا نماز پڑھنے کھڑی ہو گئیں۔ یا کتاب پڑھنے بیٹھ گئیں۔ ایک حمیدہ کٹنی اُن کو ایسی مل گئی ہے کہ اور اُن کو اکسایا کرتی ہے۔ میرا بس چلے تو کُٹنیا کو ایسا ماروں ایسا ماروں کہ یاد کرے۔ صالحہ۔ ای ہے حمیدہ تو نگوڑی ایسی غریب اور بھولی لڑکی ہے کہ میں نے تو آج تک کوئی اُس کی شرارہ کی بات دیکھی کیا سُنی بھی نہیں۔ اور تم کو تو اتنا چاہتی ہے کہ کاہے کو کوئی بہن کسی بہن کو چاہے گی۔ رمضان کی بات مجھ کو اب تک نہیں بھولی۔ تم کو تو یاد ہوگا کہ اخیر عشرے میں میں نے اُس کو بلوا بھیجا تھا۔ گھر میں سبھی کو افطاری تقسیم ہوتی تھی۔ اُس کو بھی حصہ ملتا تھا۔ بچہ سمجھ کر ہر چیز میں سے کچھ کچھ زیادہ دے دیتے تھے۔ مگر اُس کو مُونہ پر رکھنا قسم تھا۔ لوگ کھاتے اور یہ مُونہ دیکھتی بہتیرا سمجھاتے کہ بھائی یہ کیا بری عادت ہے چیز ہوتے سہاتے تم نہیں کھاتیں۔ مگر یہ اللہ کی بندی چکھتی تک بھی تو نہیں تھی۔ پہلے مجھ کو خیال ہوا کہ شاید خسّت کی وجہ سے نہیں کھاتی۔ مگر میں نے پوچھا تو کہنے لگی آپا بغیر کوئی چیز میرے حلق سے نہیں اُترتی۔ دیکھو دن بھر تمھارے لڑکے کو لئے رہتی ہے۔ اور لڑکے کو بھی کچھ ایسا آرام ملتا ہے کہ کیسا ہی پھڑکتا ہو اُس کی گود میں گیا اور چپ۔ اور تمھاری کیا خصوصیت ہے ہر ایک سے وہ اسی طرح محبت سے ملتی ہے۔ میں تو تم سے سچ کہوں مجھ کو تو بہت ہی پیار آتا ہے۔ جب آتی ہے خوب بھینچ بھینچ کر کئی کئی دفعہ گلے لگاتی ہوں۔ نعیمہ۔ جس کو دیکھتی ہوں حمیدہ ہی کا کلمہ بھرتا

ہی- اور میری یہ کیفیت ہی کہ اُس کو دیکھ دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اُترتا ہی- صالحہ- اچھی کیوں- نعیمہ- مجھ کو اماں سے اسی نے بُرا بنوایا- ورنہ آج تک مجھ کو اماں نے کبھی ہوں بھی تو نہیں کہا تھا- یا آج چھوٹتے کے ساتھ نہ بات نہ چیت مجھ کو تھپڑ کھینچ مارا- خیر الٰہی حمیدہ بندی تجھ کو ان ہی ہاتھوں سے اماں جان جوتیاں ماریں- تب میرے کلیجے میں ٹھنڈک پڑے- اور جیسی تو آج کل سر چڑھی ہی ویسی ہی نظروں سے گرے تب میرے دل کی مراد برآئے- صالحہ- خالا اماں نے تم کو تھپڑ مارا یہ کب اور کیوں- نعیمہ- آج صبح ذرا کی ذرا لڑکا حمیدہ کو دے کر میں ہاتھ مُونہ دھونے چلی گئی- تم کہتی ہو کہ بھانجے پر فدا ہی- لڑکے کو روتا ہوا زمین میں پٹک دیا- اُس کو اتنا بھی تو ترس نہ آیا کہ ابھی پسلی کے دُکھ سے مر مر کر بچا ہی یوں جو زمین میں بٹھائے دیتی ہو ایسا نہ ہو کہیں اس کو صبح کی ٹھنڈی ہوا لگ جائے اور پھر بیمار پڑے- بس اتنا قصور میرا ضرور ہی کہ میں نے ہولے سے حمیدہ کو ہاتھ لگایا- ہاتھ کا لگانا تھا کہ وہ فیلہائی و دھڑام سے تخت پر گر پڑی- کہیں ذرا سی خراش آگئی- صالحہ- کیا کہوں مجھ کو تو یقین نہیں آتا کہ حمیدہ اور بھانجے کو بے سبب روتا ہوا زمین میں بٹھا دے- اور خالہ جان حمیدہ کی طرف ہو کر تم کو ماریں- بھلا جاؤں- خالہ جان سے پوچھوں- نعیمہ- حمیدہ کے بٹھا دینے کا سبب میں بتاؤں- اُن کی نماز قضا ہوتی تھی- اور اُن کی اماں جان اس بات پر بگڑیں کہ میں نے نماز کو کیوں بُرا کہا- صالحہ- پھر تم نے نماز کو بُرا کہا تھا- نعیمہ- کہا تھا- اور اب کہتی ہوں- اماں کو تو کچھ نہیں کہا- نماز کا بُرا کہنا ان کو کیوں بُرا لگا- صالحہ- بھلا کوئی آدمی تمھارے ماں باپ کو بُرا کہے تو تم کو بُرا لگے یا نہ لگے- نعیمہ- اماں جان کو کوئی شوق سے بُرا کہے- مجھ کو ذرا تو بُرا لگنے ہی کا نہیں- صالحہ- آج یا سدا سے- نعیمہ مسکرانے لگی اور بولی کم بخت

بے حیا ہنسی کو دیکھو کہ خود بخود چلی آتی ہے۔ نہ بوا ایسی باتیں ہم سے نہ کرو۔ صالحہ۔ کیا خوب۔ میں تمھارے ایسے غصے سے نہیں ڈرتی۔ بہت کروگی خالہ جان نے تم کو ایک طمانچہ مارا ہے تم مجھ کو دو طمانچے مار لینا۔ لیکن اماں باوا کا اتنا پاس نہیں تھا تو سسرال والوں سے لڑیں کیوں۔ نعیمہ۔ بات بات میں ناحق کوئی برا کہا کرے تو جی نہ جلے۔ صالحہ۔ میں یہ کب کہتی ہوں کہ نہ جلے۔ لیکن خالہ جان نے نماز کا پاس کیا اور اُن کو تمھاری بات بری لگی تو کیا بے جا ہوا۔ نعیمہ۔ تو کیا نماز اُن کی اماں ہے یا نانی ہے۔ صالحہ۔ جس کو ایمان ہے اُن کو ماں سے بڑھ کر پیاری اور نانی سے زیادہ عزیز۔ نعیمہ۔ تو کیا میں تمھارے نزدیک بے ایمان ہوں۔ صالحہ۔ آدمی ہی بے ایمان بھی ہوتے ہیں۔ جو بے ایمانوں کا کام کرے وہ بے ایمان۔ میں ہوئی تو میں اور تم ہوئیں تو تم۔ نعیمہ۔ دیکھو۔ صالحہ خدا کی قسم ایسی باتوں پر لڑائی ہو جاوے گی۔ بے ایمان تم ہوگی تمھارے رہتے سہتے بے ایمان ہوں گے۔ صالحہ۔ خدا کے فضل سے میں تو بے ایمان نہیں ہوں۔ مگر رہتے سہتے کون ہوئے تم۔ نعیمہ۔ بھلا۔ ایمان سے کہنا تم نے کون سی میری بات بے ایمانوں کی سی دیکھی۔ صالحہ۔ ایمان سے مت کہلواؤ۔ نعیمہ۔ نہیں تمھیں خدا کی قسم۔ بھلا کوئی بات تو بتا دو۔ صالحہ۔ پھر برا تو نہیں ماننے کیں۔ نعیمہ۔ سچی بات میں برا ماننے کی کیا وجہ۔ صالحہ۔ سچ اور ایمان کی بات تو یہ ہے کہ تمھارے قول و فعل کوئی بھی ایمان داروں کے سے نہیں۔ اور مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم خود ہی بتا دو کہ میں فلانا کام ایمان والوں کا سا کرتی ہوں۔ کھانا۔ پینا۔ سونا۔ گھر کا کام دھندا۔ بچوں کا پالنا۔ یہ تو دنیا میں برے بھلے سبھی کیا کرتے ہیں۔ بھلا ایک کام تو ایسا بتاؤ جس سے تمھارا ایمان دار ہونا پہچانا جاوے۔ نعیمہ۔ بھلا دنیا میں تمھارے نزدیک کوئی بھی ایمان دار ہے یا نہیں۔ صالحہ۔ کیوں نہیں۔ اللہ کے

بندے سیکڑوں ہزاروں۔ نعیمہ۔ بھلا میں بھی کسی کا نام سنوں۔ صالحہ۔ دور کیوں جاؤ۔ یہ تمھاری ہی گلی میں ایک حضرۃ بی رہتی ہیں۔ جن کے نواسے بھائی علیم کے ساتھ مدرسے میں پڑھنے جاتے ہیں۔ بس ایمان داران کو کہتے ہیں۔ دیکھو تو کیا نیک زندگی ہے۔ نعیمہ۔ میں تو ان کو دن بھر سیتے ہی دیکھتی ہوں۔ صالحہ۔ سچ ہے۔ مگر خدا کے واسطے غریب غربا کے کپڑے مفت اور امیروں کے مزدوری پر۔ لیکن جتنی سلائی ہوتی ہے سب اللہ کے نام دے دیتی ہیں۔ ایک پیسا اپنے اوپر خرچ نہیں کرتیں۔ یہ عمر اور کڑاکے کے جاڑوں میں پہر رات رہے سے اٹھ کر خدا کی عبادۃ۔ گھر میں نوکر نہیں چاکر نہیں۔ اپنے ہاتھوں سارے گھر کا کام کاج۔ اور اس پر نماز کی یہ پابندی کہ نماز تہجد[۱] تک قضا نہیں ہونے پاتی۔ محلے میں کتنی لڑکیوں کو انھوں نے پڑھنا سکھایا۔ کتنیوں کو حیوان سے آدمی بنایا۔ اور حسبۃً[۲] للہ بے غرض بے مطلب۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مسجد کے کوئی پندرہ بیس مسافر دونو وقت روٹی پکوانے کو آٹا بھیج دیتے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سب کا آٹا گوندھنا پکانا گھر سے دال سالن جو کچھ وقت پر موجود ہوا دینا۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ سالن نہیں بچا آپ روکھی ہی روٹی کھا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بے چارے مسافر اکثر جوار باجرے کا آٹا لے آتے ہیں۔ وہ تو آپ رکھ لیتی ہیں۔ اور اپنے گھر سے ان کو گیہوں کی روٹی بھیج دیتی ہیں۔ ایک دن باجرے کی روٹی وہ بھی روکھی بیٹھی کھا رہی تھیں۔ نوالہ حلق سے نہیں اترتا تھا۔ ہر ہر لقمے کے بعد پانی پینے کی ضرورۃ ہوتی تھی۔ میں جو جا نکلی تو مجھ کو دیکھ کر کہنے لگیں بیٹا مجھ کو باجرے کی روٹی بہت ہی بھاتی ہے۔ کچھ ایسی سوندھی اور میٹھی اور خستہ[۳] ہوتی ہے کہ سبحان اللہ۔ ایک طالب علم نے ان سے گاڑھے کی مرزائی سلوائی۔ اور شاید وہ پہلا ہی کپڑا تھا کہ اس

[۱] آدھی رات کے بعد کی نماز نفل۔
[۲] خدا کے واسطے۔
[۳] ایک طرح کی ہلکی پھلکی جیسی منہ میں ہوتی ہے بھربھری۔ ایک قسم کی آسانی سے ٹوٹ جانے والی (?) جیسے کہ نرم چبانے میں جلدی ہو جائے۔

بے چارے کو سلوانے کا اتفاق ہوا۔ اس واسطے کہ جب وہ شخص کپڑا لے کر دروازے پر
آیا تو حضرۃ بی صاحب نے اُس سے کہا کہ بیٹا اپنی پُرانی مرزائی بھی بھیج دو کہ اس کو دیکھ کر قطع
کر لوں۔ تو اُس نے نہایت حسرۃ کے ساتھ کہا کہ مائی صاحب میرے پاس کوئی مرزائی نہیں
ہے۔ حضرۃ بی صاحب۔ بیٹا مرزائی نہ ہو تو انگرکھا ہی سہی۔ خیر کچھ اٹکل تو مل جائے گی۔
طالب علم۔ انگرکھا بھی نہیں۔ مجبور ہو کر پردے میں حضرۃ بی صاحب نے اُس سے پوچھ لیا۔ کہ کمر
کتنی ہے۔ چولی کتنی نیچی رہے گی۔ آستین کس قدر لمبی ہو گی۔ اُس طالب علم نے بتایا۔ لیکن
دیکھا تو کپڑا کمی کرتا تھا۔ تب اُس طالب علم نے کہا کہ مائی صاحب جس طرح ہو سکے کھینچ تان کر
اسی میں بنا دو۔ اور آج نماز جمعہ سے پہلے سی دو کہ الوداع کا دن ہے۔ میں جامع مسجد پہن کر
جاؤں گا۔ غرض مرزائی سی گئی۔ تو اُس کے بدن میں ٹھیک نہ آئی۔ وہ بے چارہ مایوس ہو کر
رو دیا۔ اور اُس ناامیدی میں حضرۃ بی صاحب پر اتنا خفا ہوا کہ شاید کوئی گھر کی لونڈی پر بھی
نہیں ہوتا۔ اندھی۔ بے وقوف۔ بے تمیز۔ پھوہڑ۔ بدسلیقہ۔ بے رحم۔ جو جو کچھ اس کے مُونہ میں
آیا بے دریغ کہہ ڈالا۔ باوجودے کہ گھر میں سب کو بُرا معلوم ہوا لیکن حضرۃ بی صاحب روتی
جاتی تھیں اور اُلٹی اس کی استمالۃ کرتی تھیں۔ بڑے نواسے کا نیا تہ در تہ چکن کا کرتہ اُس کو
دیا۔ لیکن اُس نے دور اُٹھا کر پھینک دیا اور کہا کہ مجھ کو بدن کے ڈھکنے کے واسطے کپڑے کی
ضرورۃ ہے یہ واہیات کپڑا میرے کس کام کا ہے جس کو پہن کر آدمی ننگے کا ننگا۔ حضرۃ بی نے اپنے نواسوں کی
تمام گٹھریاں کھول ڈالیں۔ خاصہ۔ تن زیب۔ ململ۔ ڈھاکہ۔ پاٹن۔ ڈوریہ۔ رینگ۔ شبنم۔ نینو۔ سینو۔ سوسن۔ کا طرح
طرح کے قیمتی خوش وضع اور طرح وار کپڑے اُس کو دکھائے اور ایک اُس کو پسند نہ ہوا کسی تو اُس نے کہا مردوں کے استعمال

کے قابل نہیں۔ کسی کی نسبت تجویز کیا کہ یہ متکبروں کی پوشاک ہے۔ آخر حضرۃ بی نے بازار سے گورا لٹھا منگوا نماز جمعہ سے پہلے اُس کی مرزائی طیار کی۔ تب وہ طالب علم ٹلا۔ حضرۃ بی کی طرح کوئی اپنا پتا مار لے تب ایمان کا دعویٰ کرے۔ اب تم خود غور کر لو کہ دن رات میں تم ایمان داروں کے سے کتنے کام کرتی ہو۔ نعیمہ۔ ایک حضرۃ بی ایسی ہوئیں۔ بھلا کوئی دوسری عورۃ بھی اس مزاج کی شہر میں ہے۔ صالحہ۔ چوں کہ تم اس طرح کے لوگوں سے نفرۃ رکھتی ہو اس واسطے تم کو معلوم نہیں۔ ورنہ شہر میں بہتیرے خدا کے نیک بندے پڑے ہیں۔ کہاں تک اُن کے نام گنواؤں۔ ہے کیا کوئی کم کوئی زیادہ۔ ایک میری ہی اماں ہیں۔ وہ بھی اپنے محلے کی حضرۃ بی ہیں۔ نعیمہ۔ دو چار آدمی اس طرح کے ہوئے سہی۔ میں تو اپنی ہی جیسی عورتیں اکثر دیکھتی ہوں۔ صالحہ۔ بے شک دنیا میں نیک کم ہیں۔ اور بُرے بہت۔ نعیمہ۔ میں جانتی ہوں عورتوں کے واسطے بہت نماز روزے کی کچھ ضرورۃ نہیں۔ بس ان کی یہی عبادۃ ہے کہ گھر کا کام کاج دیکھیں۔ بچّوں کی خبر گیری کریں۔ اُن کو خانہ داری کے بکھیڑوں سے اتنی فرصۃ کہاں ملتی ہے کہ نمازیں پڑھا کریں۔ مرد البتہ نہ کھانے پکانے کا فکر نہ بچّوں کا جھگڑا جتنی چاہیں عبادۃ کریں۔ صالحہ۔ مردوں کو کمانے کا تھوڑا کام ہے کہ بے چارے دن دن بھر اُسی میں لگے رہتے ہیں۔ محلے کے دبکیوں کو دیکھو کہ مُونہ اندھیرے سے جو کھٹا کھٹ شروع کرتے ہیں تو آدھی آدھی رات تک کان پڑی آواز نہیں سُنائی دیتی۔ پھر بھی جتنا خدا کا خیال مرد رکھتے ہیں عورتیں کم بخت اُس کا آدھا پاؤ بھی نہیں رکھتیں۔ نعیمہ۔ تم چاہے کچھ ہی کہو عورۃ مرد کی برابری تو ہرگز نہ ہوگی۔ ضرور اللہ میاں نے عورتوں کے حق میں کچھ نہ کچھ آسانی رکھی ہوگی۔ صالحہ۔ سبب۔ نعیمہ۔ بھلا کہیں نگوڑی عورتوں سے محنۃ ہو سکتی ہے۔ صالحہ۔ عبادۃ

میں نہ چھپر اُٹھانا ہی۔ نہ لکڑیاں ڈھونی ہیں کہ عورتیں کم زوری کا عذر اور نزاکت کا حیلہ
پیش کریں۔ بلکہ ایک حساب سے تو عورتوں کو زیادہ عبادۃ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اول تو
عورتوں کو عبادۃ کی فرصت زیادہ ملتی ہی۔ دوسرے خدا کی نعمتوں میں سے عورتیں زیادہ حصہ
پاتی ہیں۔ کھانے پینے میں مرد عورۃ سب برابر۔ کپڑے میں مرد بے چارے ایک حصہ تو عورتیں ویسے ویسے
دس۔ نہ عورتوں کا ایک پاے جامہ نہ مردوں کا ایک برس کا سارا لباس۔ اور یوں بھی عورتوں کی
پوشاک عموماً عمدہ اور بیش قیمۃ ہوتی ہی بہ نسبۃ مردوں کے۔ بڑی رقم ہی زیور عورتوں کو سونے کی کان[1]
میں قبر کھود کر گاڑ دو تب بھی بس نہیں۔ اور مرد بے چارے جو ثقہ[2] اور وضع دار ہیں چاندی کا چھلا تک بھی نہیں
پہنتے۔ اس پر بھی عورتیں عبادۃ میں کمی کریں تو ان کی وہی کہاوت ہی کھانے کو چچہ[3] اور کام کو ننا بچّہ
نعیمہ۔ تم تو اچھی میری قسمۃ کی سچ مچ مولوی صاحب بن کر آئیں۔ صالحہ۔ مولویوں کے درجے مولویوں کے
ساتھ ہیں۔ میں بے چاری کس لائق ہوں۔ مولویوں کی جوتیوں کی برابری بھی نہیں کرسکتی۔ نعیمہ۔
افسوس ہی کہ تم ہماری اماں کے یہاں پیدا نہ ہوئیں۔ صالحہ۔ افسوس کی کیا بات ہی۔ بلکہ میں تو سمجھتی
ہوں شکر کا مقام ہی۔ نعیمہ۔ کیوں۔ صالحہ۔ تم بتاؤ کہ تم نے کیا سمجھ کر افسوس کیا۔ نعیمہ۔ میں نے
تو یہ سمجھ کر افسوس کیا کہ تم ہماری اماں کے یہاں ہوئی ہوتیں تو دونوں کو اچھا تھا۔ ہماری اماں تم ہی
جیسی بیٹی ڈھونڈھتی ہیں۔ اور تم بھی امیر گھر پاتیں تو کھانا کپڑا زیور نوکر سبھی طرح کی خوشی تھی۔ صالحہ۔
اگر اس خوشی کا یہی نتیجہ ہی کہ آدمی خدا کو بھول جائے تو میرے نزدیک یہ تمام فراغۃ دنیا کا جنجال اور آخرۃ
کا وبال ہی۔ کون چار دن کی خوشی کے واسطے ہمیشہ ہمیشہ کی مصیبۃ مول لے۔ مجھ کو خدا کے فضل
سے پیٹ بھر روٹی اور تن بدن ڈھانک لینے کو کپڑا۔ رہنے کو مکان۔ لیٹنے کو چارپائی۔ پینے کو پانی۔

[1] لوہا، سونا، چاندی وغیرہ جس جگہ سے نکالے جاتے ہیں ان کو کان کہتے ہیں ۱۲
[2] بھلے آدمی، معتبر ۱۲
[3] [illegible] ۱۲

دم لینے کو ہوا سب کچھ میسر ہے۔ میں نہیں جانتی کہ مجھ کو دنیا میں کوئی اَور چیز بھی درکار ہے۔
سوائے اس کے کہ تم نے پتھر یعنی سونا چاندی مجھ سے زیادہ اپنے اوپر لاد لیے ہیں اور بوجھ
کے صدمے سے کان تمہارے کٹے پڑتے ہیں۔ ناک تمہاری چھد گئی ہے اَور تو کوئی فرق میں
تم میں اور اپنے میں نہیں پاتی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ خدا نہ خواستہ تم کو کھانے کی تکلیف ہے۔
مگر صورۃ تمہاری یہ ہے کہ بدن پر بوٹی نہیں۔ ہاتھ پاؤں میں جان نہیں۔ ہر سال جلاّب
ہر مہینے فصد۔ آئے دن دوا۔ مجھ کو دیکھو کہ خدا کے فضل سے تم سے دونی نہیں تو ڈیوڑھی میں
شک بھی نہیں۔ ایک ہاتھ سے تمہارے دونو ہاتھ پکڑ لوں تو بیوی صاحب سے ہلا بھی نہ جاے۔
نعیمہ۔ بیماری بھی امیری کا تمغا ہے۔ نگوڑے بھوکے جن کے پیٹ کو روٹی میسر نہیں وہ کیا بیمار پڑیں گے۔
صالحہ۔ یہاں تمغے اور خلعت کا مذکور نہیں ہے۔ تکلیف اور آرام میں گفتگو ہے۔ نعیمہ۔ جی تو خوش کر لو۔
لومڑی کو جب انگور نہیں ملتے تو وہ اُن کو کھٹا کہا کرتی ہے۔ صالحہ۔ اپنی اپنی سمجھ ہی تو ہے۔
تم میرے تئیں جانتی ہو کہ یہ تکلیف میں ہے۔ اور میں کہتی ہوں کہ تم ایسے عذاب میں مبتلا ہو کہ خدا
دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ کھانے پینے کے عیش و آرام جو تم کو میسر ہیں اُن کا نتیجہ تو یہ ہے کہ تم سدا کی
دکھیا اور ہمیشہ کی روگی بن رہی ہو۔ رہا کپڑا کچھ تم ہی اس کو پہن کر اپنے جی میں خوش ہوتی ہو گی۔
ابھی خالو جان یا بڑے بھائی آ جائیں تو سوائے اس کے کہ تم اُن کے سامنے سے ہٹ بیٹھو اَور کیا تدبیر ہے۔
زیور جس کی زکوٰۃ نہ خیرات اس سے بیڑیاں بہتر۔ طوق اور ہتھکڑی اچھی۔ بڑی خوشی محبت اور میل ملاپ
کی ہوتی ہے۔ اُس کا یہ حال ہے کہ تم ماں سے بُری۔ حمیدہ کی دشمن۔ ساس سسروں
سے بگاڑ۔ میاں سے ناموافقت۔ نوکر شاکی۔ لونڈیاں نالاں۔ اسی پر تم اپنے تئیں سمجھتی ہو

کریں خوش ہوں۔ ابھی تم پڑی رو رہی تھیں یا ہنس رہی تھیں۔ نعیمہ۔ سبحان اللہ آپ بھی کیا آدمی ہیں۔ کیا گھروں میں کبھی لڑائی نہیں ہوا کرتی۔ چار برتن پاس رکھ دیتے ہیں تو وہ بھی کبھی نہ کبھی کھڑکھڑا اُٹھتے ہیں۔ صالحہ۔ اگر ایسا ہی سمجھتیں تو اتنا بات کا بتنگڑ نہ بناتیں نعیمہ۔ میں نے کیا بات کا بتنگڑ بنایا۔ صالحہ۔ تم ہی اپنے دل میں سوچو۔ ماں کے ہاتھ لگانے پر یہ آفت۔ صبح سے اب تک آپ بھوکی مریں۔ سارے گھر کو بھوکا مارا۔ شاباش ہوا شاباش لڑو ماں سے اور روٹھو خدا سے۔ نعیمہ۔ ہر پھر کر تم کو خدا کا تذکرہ کرنا ضرور۔ بھلا میں خدا سے کب روٹھی۔ صالحہ۔ رزق خدا کا یا ماں باپ کا۔ نعیمہ۔ اللہ ری علامہ دیکھو تو کیسی ایچ پیچ کی باتیں کرنی آتی ہیں۔ صالحہ۔ تم کو پیچ و تاب کی باتیں آتی ہیں تو مجھ کو ایچ پیچ کی۔ نعیمہ۔ غصہ ہی تو ہی۔ صالحہ۔ اچھا غصہ ہی۔ باولا غیظ۔ دیوانہ غضب۔ ادھر بے جان پر اور اُدھر بے زبان پر۔ نعیمہ بے جان اور بے زبان کیا۔ صالحہ۔ کھانا بے جان اور بے زبان بھارا بچہ نادان۔ میں نے سنا ہی کہ تم نے اُس کو بھی خوب کچلا کیا۔ نعیمہ۔ کیا تو کسی کو کیا۔ اپنا بچہ۔ شوق سے مارا۔ خوشی سے کچلا کیا۔ صالحہ۔ تم اپنے بچے کو شوق سے مارو اور خوشی سے کچلا کرو پھر خالہ جان نے تم کو ایک تھپڑ ہولے سے مار دیا تو کیا غضب ہوا جیسی تم اپنے بچے کی ماں وہ تمھاری ماں۔ نعیمہ۔ ہاں ہاں برابر لیکن بچہ بچہ برابر نہیں۔ صالحہ۔ لیکن تم دونوں میں زیادہ تر واجب الرعایۃ کون ہی۔ نعیمہ۔ میں۔ صالحہ۔ میں کے گلے پر چھری۔ کیا واجب الرعایۃ نکلی ہیں۔ ذرا مونہ تو دھو رکھو۔ نعیمہ۔ یہ دیکھو بڑوں کے ساتھ بے ادبی۔ صالحہ۔ بڑوں نے کی تو چھوٹوں نے سیکھی نعیمہ۔ اجی وہ کچھ بھی رعایۃ میرے ساتھ نہ کریں۔ اللہ مالک ہی۔ صالحہ۔ کیوں جھوٹ بولتی ہو۔ نعیمہ۔ بس سب کچھ کہنا جھوٹی نہ کہنا۔ اس کی مجھ کو بڑی چڑ ہی۔ جو کوئی مجھ کو جھوٹی

کہتا ہی تو میرے تن بدن میں آگ ہی تو پھک جاتی ہی۔ صالحہ۔ بھلا پھر تم اللہ کو مالک سمجھتی ہو جو کہتی ہو۔ نعیمہ۔ کوئی ایسا بھی بندہ بشر ہی جو اللہ کو مالک نہیں سمجھتا۔ صالحہ۔ اللہ کو مالک سمجھتیں تو ایسی بے جا بات بول اُٹھتیں جس پر خالہ جان خفہ ہوئیں اور بجا خفہ ہوئیں نعیمہ۔ کیا میں نے جان بوجھ کر تھوڑی ہی کہی تھی۔ مُونہ سے نکل گئی۔ صالحہ۔ لیکن کبھی خالو جان کی شان میں تو ایسی بات تمھارے مُونہ سے نہیں نکلتی۔ بلکہ خالو جان تو خیر شاید بڑے بھائی جان کو بھی ایسا سخت کلمہ کہو تو اُن کو کتنا بُرا لگے۔ کیا خدا کو بُرا نہ لگا ہوگا۔ یہ سُن کر نعیمہ کسی قدر ڈری اور اُس نے ہولے ہولے اپنے گلّوں پر طمانچے مارے۔ اور مُونہ سے بھی توبہ توبہ کہا۔ صالحہ۔ بس سمجھ لو کہ ایسا ہی ایک طمانچہ خالہ جان نے مارا سہی۔ نعیمہ۔ تو میں کیا کچھ کہتی ہوں۔ یا میں نے کچھ کہا۔ صالحہ۔ اے کاش تم سب کچھ کہہ لیتیں اور یہ ستم نہ کرتیں۔ نعیمہ۔ کیا۔ صالحہ۔ سارے دن گھر بھر کو بھوکا مارا۔ بچہ تمام دن دودھ کو پھڑکا۔ بیدارا بے چاری وہ سہ دری میں پڑی ہائے ہائے کر رہی ہی۔ نہیں معلوم کہاں اُس کے بے موقع لات لگی ہی کہ اب تک اُس کا سانس پیٹ میں نہیں سمایا۔ اور پھر کہتی ہو کیا۔ نعیمہ۔ خیر پھر اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ صالحہ۔ ہو تو نہیں چکا۔ ہو رہا ہی۔ لوگ بھوکے بیٹھے ہیں۔ بچہ پھڑک کے چلا جاتا ہی۔ نعیمہ۔ اچھی کچھ یہ بھی زبردستی ہی ماروں اور رونے نہ دوں۔ صالحہ۔ تم کو اتنی بڑی ہو کر رونے کا نام لیتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ نعیمہ۔ جب مار کھانے کی غیرۃ نہ ہوئی تو رونے میں کیا شرم تھی صالحہ۔ ماں ہوئی۔ اُستانی ہوئی۔ اگر ان کی مار کھانا بے عزتی ہی تو دنیا بے عزۃ ہی۔ نعیمہ۔ تم کو ماریں پڑی ہوتی تو جانتیں کہ عزۃ کی بات ہی یا بے عزتی کی۔ صالحہ۔ اُستانی جی کی مار کی تو گنتی نہیں۔ اماں جان نے بھی مجھ کو کوئی بیسیوں ہی دفعہ مارا ہوگا۔ نعیمہ۔ اب بڑے ہوئے پر۔ صالحہ۔ اب میں کوئی بات ہی ایسی نہیں کرتی

کہ اُن کے خلافِ مزاج ہو۔ نعیمہ۔ میں نے بھی تو یہ سمجھ کر نہیں کہا تھا کہ اماں جان کو اتنا بُرا لگے گا۔
نہ کبھی پہلے اماں جان کو نماز روزے کا ایسا خیال ہوا جیسا اب ہی۔ صالحہ۔ لیکن جب تم کو
خالہ جان کئی مرتبہ روک چکی تھیں تو تم کو اُن کی ممانعت کے خلاف پھر وہی بات نہیں کہنی چاہیے
تھی۔ نعیمہ۔ کیوں جی خدا کو میری بات بُری لگتی تو جو کچھ ہونا تھا اُسی وقت ہو نہ چکتا۔ صالحہ۔
پہلے یہ تو بتاؤ کہ بات بے جا اور بُری تھی یا نہیں۔ نعیمہ۔ خیر بُری ہی سہی۔ صالحہ۔ سہی کیا معنی
شدہ سے بُری اور بے جا تھی۔ کہ تم اپنے بھائی تک کو ایسا کلمہ نہیں کہہ سکتیں ایسی ہی باتوں کا نام کفر
اور شرک ہی۔ مگر اس سے کہ تم کو فوراً سزا نہیں ملی خوش نہیں ہونا چاہیے۔ خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں۔ عجب
کیا ہی کہ ایسی ہی باتوں کا وبال تم کو گھر میں نہیں بسنے دیتا۔ نعیمہ۔ اماں مجھ کو تنہائی میں مار لیتیں تو مجھ کو
اتنا رنج نہ ہوتا۔ صالحہ۔ سبحان اللہ خطا بہ بازار و سزا در پس دیوار۔ نعیمہ۔ اچھا پھر اب تمھاری
مرضی کیا ہی۔ صالحہ۔ مرضی یہ ہی کہ چل کر خالہ جان کے روبرو ہاتھ جوڑو۔ اُن کے پاؤں پڑو۔ اپنا
قصور معاف کراؤ۔ کھانا آپ کھاؤ۔ دوسروں کو کھانے دو۔ بچے کو دودھ پلاؤ۔ حمیدہ کو بلا کر
گلے لگاؤ۔ بیدارا کی دل داری اور تشفی کرو۔ نعیمہ۔ لو اور سنو الٹا چور کوتوال کو ڈانڈے۔ میں ہی
پٹوں اور میں ہی ہاتھ بھی جوڑوں۔ اور اگر میرا قصور ہوتا بھی تاہم ہاتھ تو بندی نے نہ آج تک
کسی کے آگے جوڑے اور نہ اب مجھ سے جوڑے جائیں۔ رہی حمیدہ تم کہتی ہو گلے لگاؤ اور میرا بس چلے تو اُس کو
جیتا نہ چھوڑوں۔ اور کھانے کی جو تم نے کہی تو مجھ کو اب اِس گھر کا نمک تک چکھنا حرام ہی۔ غرض جتنی باتیں
تم نے کہیں سوچ کر ایسی ہی کہیں کہ ایک بھی مجھ سے شدنی نہیں۔ خیر تمھاری خاطر سے ننھے کو دودھ پلا دوں گی
جاؤ کہیں لے آؤ۔ ورنہ ارادہ تو یہی تھا کہ اُس کا اور اپنا دونوں کا خون کروں۔ صالحہ۔ اللہ اکبر

بی آپا میں نہیں جانتی تھی کہ تمھارا غصہ اس قدر غضب کا بجھا ہوا ہی۔ نعیمہ۔ میرا مزاج تو سدا سے اسی طرح کا ہی کہ مجھ سے کسی کی بات کی برداشت نہیں ہوتی۔ صالحہ۔ اب تم سے زیادہ کہنا لاحاصل ہی۔ بس معلوم ہو گیا کہ تم اپنی خوشی کی ہو۔ نعیمہ۔ جو بات کرنے کی تھی وہ تو میں نے پہلے ہی کہہ دی کہ ننّے کو دودھ پلادوں گی۔ صالحہ۔ تمام دن تو تم کو بے آب و دانہ گزر گیا اور عمر بھر کے بدلے کا تم نے ایسا لمبا روزہ رکھا ہی کہ پہر رات گزری مگر افطار ہونے نہیں آیا اور نہ ابھی کچھ اُس کے افطار ہونے کی امید ہی تو وہ دودھ رہا کہاں ہو گا کہ تم ننّے کو پلاؤ گی۔ نعیمہ۔ رہے یا نہ رہے۔ مگر میں اس گھر کا کھانا کھاؤں تو حرام کھاؤں مردار کھاؤں۔ صالحہ۔ پھر آخر کرو گی کیا۔ یہ تو ممکن نہیں کہ بے کھائے گزر ہو۔ ایک ہی وقت میں دیکھو تمھارا کیا حال ہو گیا ہی۔ اب رات کو خالی پیٹ نیند بھی تو نہیں آنے کی۔ نعیمہ۔ میں تو جانے کو طیار بیٹھی ہوں تم نہ آجاتیں تو میں اب تک کبھی کی چلی بھی گئی ہوتی۔ صالحہ۔ کہاں سسرال۔ نعیمہ۔ اگر میں سسرال جاؤں تو گڑھے سے نکلوں اور کنوئیں میں گروں۔ صالحہ۔ پھر کہاں۔ نعیمہ۔ جہاں سینگ سمائیں۔ صالحہ۔ باولی ہوئی ہو کیسی باتیں کرتی ہو۔ اگر خالو جان یہ بات سُن پائیں نہیں معلوم کیا آفت برپا کریں اور گھر سے باہر قدم نکالنا تو بڑی بات ہی۔ نعیمہ۔ تم کیا سمجھیں۔ میں اس ہمسائی کے یہاں جانے کو کہہ رہی ہوں۔ کیا یوں ہر روز میں ہمسائی کے گھر نہیں جاتی۔ صالحہ۔ وہ جانا اُور ہی اور گھر سے لڑکر بے حکم پاؤں باہر نکالنا دوسری بات ہی۔ خبردار ایسا لفظ بھول کر بھی مونہ سے مت نکالنا۔ نہیں معلوم کیا سے کیا ہو جائے گا۔ اور خود ہمسائی جن کے برتے پر بھولی ہو تم کو اپنے دروازے کے اندر قدم تو رکھنے دینے ہی کی نہیں۔ چاہو جا دیکھو۔ اور فرض کیا کہ تم یہاں سے نکلنے پائیں اور ہمسائی کی بھی ایسی ہی شامت آئی ہی اور انھوں نے

بھروسے ۱۲

تم کو گھر میں آنے دیا تو اُن کو خود دو دو وقت کھانا میسر نہیں آتا تم کو کہاں سے کھلائیں گی۔
نعیمہ۔ نوج میں اُن کے یہاں کیوں کھانے لگی تھی۔ کیا میرے پاس زیور نہیں۔ اب بھی پٹاری
میں کچھ نہ ہوگا تو چالیس پچاس روپئے نقد پڑے ہوں گے۔ صالحہ۔ گرٹا کھاؤں گلگلوں سے
پرہیز جن کا کھانا اُن ہی کا بنوایا ہوا زیور ان ہی کے دیئے ہوئے روپئے۔ آن تو ہم جب جانیں
کہ اُن کی چیز بھی صرف نہ کرو۔ اور ہم سائی اول تو میں حیران ہوں تم کو بٹھاتیں تو کہاں بٹھاتیں
کلھیا جتنا گھر اُس میں بھی ایک آپ ایک میاں تین بیٹے بہویں اُن کے بچے دو بیٹیاں
مہمان آئی ہوئی ہیں وہ۔ اُن کے گھر میں تل رکھنے کی جگہ تو ہی نہیں بے چاری آپ تو ڈیوڑھی
میں چارپائی بچھا کر سوتی ہیں تم کو رات کے وقت کہاں لٹاتیں اور کہاں سُلاتیں اور تم کو غیر
مردوں میں جاتے ہوئے شرم نہ آتی۔ اور پھر ہم سائی تم کو پناہ دیتیں بھی تو خالہ جان ہی کا
پاس کر کے۔ غرض قربان جائیے تمھاری عقل کے تدبیر بھی سوچی تو اوندھی۔ علاج بھی تجویز کیا تو
اُلٹا۔ اس سے تو بہتر تھا کہ تم اپنی سسرال چلی جاتیں۔ نعیمہ۔ نہ سسرال جاؤں نہ یہاں کھاؤں
۔ صالحہ۔ تم کو اختیار ہے جو چاہو سو کرو۔ لیکن لڑائی تمھارے کھانے پر ہوئی ہے۔ نعیمہ۔ کھانے
پر تو لڑائی نہیں ہوئی۔ لیکن میں ان کے گھر نہ بڑی ہوتی تو مجال تھی کہ کوئی مجھ کو ہاتھ لگا لیتا۔
صالحہ۔ کرتیں کیا۔ نعیمہ۔ برابر سے میں بھی مارتی۔ صالحہ۔ بُرا مت ماننا ہی نیتہ ہے تو تم گھر میں
بس بھی چکیں۔ ماں کا یہ وقر یہ ادب۔ مجھ کو تو اگر میری اماں جان بے خطا بے قصور جوتیاں
ہی جوتیاں مار لیں تو ان شاء اللہ آنکھ بھی اُن کے سامنے نہ کروں۔ اور دنیا جہان کی بیٹیوں کا یہی قاعدہ
یہی دستور ہے۔ تم ان کی بیٹی وہ تمھاری ماں کسی کو تمھارے معاملے میں کیا دخل۔ مگر آپا جان دین

دوپٹے میں بیٹھی طوئی ٹانک رہی تھیں اور خالو جان کی قبا میں بند ٹانکنے تھے کچہری جانے کو دیر ہوتی تھی۔ اُس پر خالو جان نے کہا بھی کہ لڑکی کا دوپٹہ رہنے دو پھر ہو رہے گا پہلے میری قبا میں بند ٹانک دو۔ خالہ جان۔ واہ۔ لڑکی سر کھولے بیٹھی ہے تم کو ایسی کیا جلدی ہے ابھی تو دھوپ بھی چبوترے سے نہیں اُتری۔ خالو جان۔ کیا سادہ دوپٹہ اوڑھنا منع ہے۔ خالہ جان۔ وہ بے چاری کیا کچھ کہتی ہے۔ خالو جان۔ تو تم اپنی ہی طرف سے خیر خواہی کے اہتمام میں لگی رہتے ہو۔ خالہ جان۔ میں ہوں کس قابل مگر خیر جو کچھ ہو سکتا ہے کئے جاتی ہوں مجھ کو ہر وقت اس بات کا خیال لگا رہتا ہے کہ اس کا دل ہے غم زدہ ایسا نہ ہو کسی چیز کو اس کی طبیعت چاہے اور یہ لحاظ کے مارے مونہ سے نہ کہہ سکے اور ارمان جی کا جی ہی میں رہ جائے۔ اگر خالہ جان کو خدانخواستہ تمھارے ساتھ عداوت تھی تو خود کھانا کھا لیتیں۔ دشمن کا یہی کام ہے کہ فاقے میں ساتھ دے اور شریکِ مصیبت ہو۔ وہ حمیدہ جس کو تم کہتی ہو کہ پاؤں تو مار مار کر پُرزے اڑاؤں آج دن بھر اُس کو تمھارے واسطے روتے گزرا ہے۔ یہ عمر اور اتنا صبر کہ صبح سے اب تک دانہ اُس کے مونہ میں نہیں گیا۔ نگوڑی ایسی بے سدھ پڑی ہے کہ گویا جان نہیں۔ ان لوگوں کا وہ حال اور تمھاری یہ کیفیت۔ ایک ذراسی بات میں تمھارا دل اس قدر پھر گیا کہ ساری نیکی برباد۔ کل سلوک اکارت۔ تمام احسان غارت۔ پھر بھلا تم سے کوئی کیا توقع رکھے اور کس امید پر تم سے ملے نعیمہ۔ بھائی یہ بات تو تمھاری واجبی ہے کہ ہمیشہ سے اماں جان مجھ کو بہت چاہتی ہیں۔ لیکن خدا جانے اُن کو کیا ہو گیا تھا کہ بے تحاشا مار بیٹھیں۔ صالحہ۔ اچھا پھر یوں ہی سمجھو کہ آدمی ہیں تعجب ہے۔ ان ہی سے زیادتی ہو گئی سہی لیکن کیا انصاف ہے کہ اس ایک زیادتی کی وجہ سے اُن کی عمر بھر کی مہربانیاں اور شفقتہ اور عنایتیں اور

تو گیا ہی گزرا ہوا۔ یہ لچھن دنیا میں بھی خوش اور آباد رہنے کے نہیں۔ اور خدا تم کو اتنی سمجھ دے
کہ تم ان ہی باتوں کو اپنی خانہ ویرانی کا سبب سمجھو۔ مجھ کو حیرۃ ہی کہ کیوں کر یہ بات تمھارے
دل نے تسلیم کی کہ خالہ جان کو تمھارا رہنا ناگوار ہی اور اُنھوں نے اس وجہ سے تمھارے ساتھ
سختی کی کہ وہ تم کو اپنے پاس دیکھ نہیں سکتیں۔ بھلا دنیا میں کوئی ماں بھی اس طرح کی ہوگی۔
تمھارے خانہ ویرانی کا رنج تم سے زیادہ اُن کو ہی۔ ذرا اس کا مذکور آجاتا ہی تو اُن کے آنسو
نکل پڑتے ہیں اور حاضر غائب دعا کیا کرتی ہیں کہ الٰہی میری نعیمہ کو اُس کے گھر آباد کر۔ بھلا تم ہی
انصاف کرو کہ سوائے اس بات کے تم نے اُن کی کسی اَور بات سے بھی اُن کا رُخ بدلا ہوا پایا۔
کھانے میں اُن کو یہ اہتمام رہتا ہی کہ پہلے تم پیچھے اَور۔ میں نے ہفتوں رہ کر دیکھا ہی کہ خالو جان
اور بڑے بھائی تک کو سادی چپاتیاں ملتی ہیں اور تمھارے دو پراٹھے اُنھوں نے ناغہ نہیں
ہونے دئے۔ چار پیسے روز کا سودا جو تمھارا سدا کا معمول ہی تم ہی بتاؤ کبھی نہیں بھی دیا۔
ایک دن حمیدہ نے ضد کی تھی اور کہا تھا کہ میں بھی چار پیسے لوں گی تو جھڑک دیا کہ ہاں اب
تو بڑی بہن کی برابری کرے گی۔ آٹھویں دن کی مہندی مہینے کے مہینے چوڑیاں تم ہی بولو
یہ دستور کبھی قضا ہوا ہی۔ کپڑے لوگ ایسے جہیز میں بھی نہیں دیتے جو وہ تم کو گھر میں پہناتی ہیں۔
بھلا بے گوٹے کا دوپٹہ بے پہمک کا پاے جامہ کبھی تم کو پہننا یاد ہی۔ تیل۔ عطر۔ پان۔ پھول۔ مہندی۔
سرمہ۔ مسّی۔ لاکھا۔ مجنٹن۔ اُبٹنا۔ یہی عورتوں کی ضرورۃ کی چیزیں ہیں سچ کہنا تم کو کبھی
ان میں سے کسی چیز کے مانگنے کی ضرورۃ ہوئی ہی۔ خدمۃ کو لونڈی جُدا۔ لڑکے کی کھلائی الگ۔
بلکہ سچ پوچھو تو کوارپتے سے کہیں زیادہ تمھاری قدر ہوتی ہی۔ خالہ جان ایک دن تمھارے

اور دل سوزی اور ہمدردی اور خیرخواہی اور پرورش اور نفع رسانی ایک دم سے سب پر پانی پھیر دیا جائے۔ نعیمہ۔ مجھ کو رہ رہ کر اُن کا تھپڑ کم بخت یاد آتا ہی۔ صالحہ۔ اِس واسطے کہ تم نے اُن کے حقوق بُھلا رکھے ہیں۔ نعیمہ۔ کیا تم سے اماں جان نے کہا ہی کہ سمجھا بجھا کر نعیمہ کو خطا معاف کرانے کے لئے لوا لاؤ۔ صالحہ۔ اُن کو تمھاری خطا معاف کرنے کی کیا ضرورۃ ہی نقصان تمھارا ہی یا اُن کا۔ اور شاید اُن کے دل میں یہ بات آئی بھی ہو تو تمھارے مزاج کو دیکھ کر بھلا اُن کو یہ توقع ہو سکتی ہی کہ تم خطا کا اقرار اور معافی کی درخواست کرو گی۔ نعیمہ۔ بھلا اور جو میں گئی اور اماں جان مُونہ سے نہ بولیں تو مجھ کو اور شرمندگی ہوگی۔ صالحہ۔ ممکن ہی کہ نہ بولیں کیوں کہ تمھاری خطا معمولی طور کی خطا نہیں ہی مگر پھر وہ ماں ہیں اور ماں بھی کیسی ماں بچوں پر اور خصوصًا تم پر دل سے فدا۔ جان سے قربان۔ شاید تم کو کوٹھری سے نکلتا ہوا دیکھ عجب نہیں کہ دوڑ کر خود لپٹ جائیں اور تم کو مُونہ سے کہنے کی بھی نوبت نہ آئے۔ نعیمہ۔ جی تو چاہتا ہی کہ جاؤں چلی بھی جاؤں مگر شرم آتی ہی۔ بھلا کل پر رکھیں تو کیسا۔ صالحہ۔ تم کو خدا کا ترس نہیں آتا کہ سارا گھر فاقے سے ہی رات بھر میں تمھارا اور ان سب کا کیا حال ہوگا۔ نعیمہ۔ بھائی ہاتھ جوڑنے کو تو رہنے دو کھانا اپنے نام سے منگوا بھیجو۔ صالحہ۔ اجی مجھ سے کہو تو میں کھانے کو بھی رہنے دوں۔ بھوکی مرو گی تم یا تمھاری ماں بہنیں مگر بے صفائی کھانے کا لطف نہیں۔ ادھر تم افسردہ اُدھر وہ آزردہ۔ کھانا کیا خاک کھایا جائے گا۔ بس اتنی دیر کی بات ہی کہ تم کوٹھری کے باہر تک چلو۔ نعیمہ۔ بھائی بس زیادہ ہم کو دق مت کرو کھانا منگواؤ میں کھا لوں گی۔ صالحہ۔ ہو تم اپنی ضد کی۔ کھانا کھاؤ گی تو کس پر احسان کرو گی۔ کوٹھری کے باہر

تک چلو تو البتہ میں جانوں کہ تم کو میری خاطر عزیز تھی۔ نعیمہ۔ چلو بس مجھ کو بچّوں کی طرح مت پھسلاؤ۔ یہ بھی تمھاری خاطر ہی کہ میں سن گئی ورنہ نعیمہ بندی ادھر کی دنیا اُدھر ہو جاتی ایک کی تو سُنتی ہی نہیں۔ صالحہ۔ خاک من گئیں پتھرے من گئیں ہیں اس کو منتا منانا نہیں سمجھتی کیا کروں رات زیادہ گئی اور لوگ بھوک سے بدحواس ہیں ورنہ تم کو یہ دعویٰ ہی کہ میں کسی کی نہیں سُنتی اور میرا عقیدہ یہ ہی کہ بات واجبی ہو تو کیا معنی کہ سننے والا اُس کو نہ تسلیم کرے۔ اور دیکھو میری اس وقت کی بات یاد رکھنا کہ تم کو خالہ جان کے آگے ہاتھ جوڑنے پڑیں گے۔ نعیمہ خیر جب پڑیں گے تب جوڑ بھی لیں گے۔ اس کے بعد صالحہ کوٹھری سے نکل دوسرے قطعے میں خالہ کے پاس گئی۔ بہت سے لوگ سو گئے تھے کچھ اونگھ رہے تھے۔ فہمیدہ اکیلی بیٹھی ہوئی دل ہی دل میں نہیں معلوم کیا باتیں کر رہی تھی کہ صالحہ جاتے کے ساتھ ہی بولی لو بی خالہ جان مبارک میرا اور آپا جان کا کھانا دیجئے۔ فہمیدہ سنتے کے ساتھ چونک سی پڑی اور کہنے لگی سچ کہو۔ بھانجی۔ آپ خود اُن کو کھاتے ہوئے دیکھ لیں تب تو سہی۔ خالہ۔ بھائی تم نے تو کمال ہی کیا۔ کیوں کر منایا۔ کس طرح سمجھایا۔ مجھ کو تو امید نہ تھی کہ وہ کسی ڈھب سے سیدھی ہوگی۔ اُس کا غصہ ہی خدا کی پناہ جیسے کسی کو جن چڑھتا ہی۔ نہیں معلوم تم نے کیا سحر کیا کہ ایسے بھوت کو اُتارا۔ ہم سب لوگ تو دن بھر ہلاک ہوئے کوئی حکمت نہ چلی۔ کوئی تدبیر پیش رفت نہ ہوئی۔ صالحہ۔ میں تو اُن کو یہاں آپ کے پاس لاتی اور آپ کے پاؤں پر اُن کا سر رکھواتی۔ لیکن کیا کروں رات زیادہ گئی اور لوگ بھوک سے بے تاب ہیں۔ خیر ان شا اللہ بشرط خیریت پھر دیکھا جائے گا۔ لائیے کھانا نکالئے اور جاؤں حمیدہ کو بھی جگاؤں ہوشیار کروں۔ کہ اُس کا تو اور بھی بُرا حال ہوا ہوگا۔ خالہ نے تو کھانا نکالا اور صالحہ نے جا حمیدہ کو اُٹھا بٹھایا۔ حمیدہ۔ سوتی کیا تھی ضعف و ناتوانی کی غفلت میں پڑی تھی ہاتھ پاؤں تو رہ رہ

تھی۔ صالحہ کی آواز سنتے ہی آنکھ کھولنے سے پہلے کھڑی ہو گئی اور بڑی بہن کو سلام کیا۔ صالحہ نے پیار سے گلے لگا گود میں لے لیا اور کہا حمیدہ اس قدر سویرے تم سو رہا کرتی ہو۔ حمیدہ۔ اماں جان سے پوچھ لیتی ہوں اور جب وہ کہہ دیتی ہیں کہ ہاں وقت آ گیا تو نماز عشا پڑھ کر سو رہتی ہوں۔ صالحہ۔ تم نے کچھ کھانے کو بھی کھایا۔ حمیدہ۔ شرمندہ ہو کر چپ ہو رہی۔ صالحہ بھوک لگی ہے۔ حمیدہ نے اس کا بھی کچھ جواب نہ دیا۔ صالحہ۔ چلو ہم تم کھانا کھائیں۔ حمیدہ ہماری اماں جان نے کھانا کھایا۔ صالحہ۔ اماں جان بھی تمھارے ساتھ کھائیں گی۔ حمیدہ۔ اور ہماری آپا جان۔ صالحہ۔ تم کو دنیا جہان سے کیا مطلب۔ جس کو بھوک لگی ہو گی آپ کھا لے گا۔ حمیدہ۔ ای ہے آپا جان نہ کھائیں اور میں کھا لوں۔ اچھی خدا کے لئے تم کسی طرح آپا جان کو سمجھاؤ آج تمام دن اُنھوں نے کچھ نہیں کھایا۔ ننھا دودھ کے لئے پھڑک پھڑک کر آخر سو گیا۔ یہ کہہ کر حمیدہ رونے لگی تو صالحہ نے اُس کی تشفی کی کہ حمیدہ روؤ مت آپا بھی کھائیں گی۔ غرض کوئی ڈیڑھ پہر رات گئے سب نے کھانا کھایا۔ صالحہ اور نعیمہ نے ایک ساتھ کوٹھری میں۔ اور باقی سب لوگوں نے اپنے اپنے دستور کے مطابق کھانے کے بعد سو سلا رہے۔ مگر صالحہ و نعیمہ میں کچھ گفتگو کھانے کے بعد بھی ہوئی۔ خود ہی نعیمہ بولی کیوں صاحب اب تو آپ خوش ہوئیں۔ جو کچھ تم نے کہا میں نے کیا۔ صالحہ۔ خوش تو میں تب ہی ہوتی کہ جب صفائی ہو گئی ہوتی۔ نعیمہ۔ اچھی اب بھی صفائی میں کیا کچھ باقی رہ گیا۔ رفتہ رفتہ دس پانچ دن میں بول چال بھی ہونے لگے گی۔ صالحہ۔ دس پانچ دن۔ نعیمہ۔ اَور کیا کل۔ صالحہ۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ تم نے خود کہا تھا کل پر رکھو۔ نعیمہ۔ میں نے یہ تو نہیں کہا کہ میں کل بولنے بھی لگوں گی۔ صالحہ۔ تو خاک بھی صفائی نہیں ہوئی۔ نعیمہ۔ کھانا میں نے کھایا۔ اماں جان نے کھایا۔ حمیدہ نے کھایا۔ ننھا دیکھو دودھ پی ہی رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر صفائی کیا ہو گی۔ صالحہ۔ خیر میری زبردستی سے تم سب نے ایک ایک دو دو

نوالے کھائے میں اس کو کھانا نہیں سمجھتی۔ دودھ پلانے والی عورۃ بھلا کچھ نہ کھائے تب بھی چار چپاتیاں تو کھائے۔ تم نے پاؤ ٹکڑا بھی نہیں کھایا۔ چاولوں کو ہاتھ نہیں لگایا۔ تمھارے سبب میں بھی بھوکی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ میں سمجھتی تھی کہ خیر صبح کو اس کی کسر نکل جائے گی سو تم نے ابھی سے امید توڑ دی۔ نعیمہ۔ سچ تو یہ ہی کہ اب اس گھر میں مجھ کو اپنا گزر ہوتا ہوا معلوم نہیں ہوتا۔ اور اب میرا جی لگنا بھی مشکل ہی۔ صالحہ۔ کیوں۔ نعیمہ۔ میں نے تم سے کہا نہیں کہ یہاں تو ایک ایک مہینے پہلے سے ابا کا مزاج اماں کے تیور گھر کا رنگ ڈھنگ سب کچھ بدلا ہوا ہی۔ گو مجھ سے ابھی تک نماز روزے کا تذکرہ نہیں کیا لیکن بکری[1] کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ جب بڑے بھائی تک نوبۃ پونہچ گئی تو بھلا میں بے چاری کس گنتی میں ہوں۔ وہ اللہ رکھے اول تو مرد۔ دوسرے سب میں بڑے۔ تیسرے خدا کے فضل سے چنداں ان کے محتاج و دست نگر[2] بھی نہیں۔ آج الگ ہو جائیں تو اُن کی پلاو کی رکابی کہیں نہیں گئی۔ جس رجواڑے میں جا کھڑے ہوں گے اپنی شاعری کے ہنر سے مصاحب یا ناظم یا چکلہ دار ہو جائیں گے۔ میں بدنصیب ایک تو پردے کی بیٹھنے والی۔ دوسرے ایسا کوئی ہنر نہیں آتا کہ چار پیسے کا سہارا ہو۔ اس روز بد کی کیا خبر تھی۔ ورنہ آنکھوں دیکھتے دیکھتے ساتھ والی لڑکیاں کیسے کیسے کام سیکھ گئیں کہ ہنر کی بدولۃ گھر بیٹھی بادشاہت کر رہی ہیں۔ مجھ کو کہیں اپنا ٹھکانا نظر نہیں آتا۔ ماں باپ کے گھر ایسی پڑی ہوں جیسے گلی میں کُتّا۔ خدا واسطے کو کسی نے ٹکڑا ڈال دیا کھا لیا۔ ورنہ میرا کیا زور اور کون دعوی۔ ابا جان تو پہلے ہی سے کچھ واسطہ و سروکار نہیں رکھتے۔ لڑکیوں سے بولنے اور بات کرنے کی اُن کی عادۃ نہیں۔ اماں جان کا ایک سہارا تھا سو اُنھوں نے ایسی دست درازی شروع کی کہ اب خدا ہی اُن کے ہاتھ کو روکے گا تو رُکے گا ورنہ چھوٹا تو یہی۔ صالحہ۔

[1] بکری کی ماں کب تک خیر منائے گی یعنی کبھی نہ کبھی تو اس پر بھی خرابی آئے گی۔

[2] ہاتھ دیکھنے والے اس سے بھی مراد محتاج ہی۔

آپا تم اس قدر بے دل کیوں ہوتی ہو۔ کیا نماز کچھ ایسا بڑا مشکل کام ہی کہ اُس کی وجہ سے یہ تمام دقّتیں تم کو پیش آتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ نعیمہ۔ بوا میں تو ہنسی دل لگی کی آدمی ہوں۔ بھلا مجھسے یہ اونگھتی اُداس زندگی کاہے کو نبھے گی۔ لڑائی تو خیر آج ہوئی ہی۔ میرا تو کئی کئی دن سے جی گھبرا رہا تھا۔ صالحہ۔ پھر آخر تم نے تدبیر کیا سوچی ہی۔ نعیمہ۔ ایک بات میری سمجھ میں آتی ہی۔ وہ یہ کہ میں تمھارے یہاں چلی جاؤں۔ صالحہ یہ سُن کر چپکی ہوئی۔ اور دیر تک چپ رہی۔ تو نعیمہ بولی تم تو سُن کر ایسی دم بخود ہوئیں کہ گویا میں سچ مچ تمھارے گھر جا رہی ہوں۔ ڈرو مت میں نے تو تمھاری محبت آزمانے کے لئے ایک بات کہی۔ ورنہ میں کہیں آؤں نہ جاؤں۔ یہ تو کیا اس سے بھی زیادہ مصیبت ہو تو میں دوسرے کا احسان اُٹھاؤں۔ صالحہ۔ یہ تو تم نے کوئی نرالی ادا سیکھی ہی۔ چھیڑ چھیڑ کر لڑنا۔ گھر جیسے میرا ویسے تمھارا جن کا گھر ہی میں اُن کی بیٹی اور تم بیٹیوں سے بڑھ کر۔ جاؤگی تو اپنی خالہ کے گھر جاؤگی۔ اور احسان اُٹھاؤگی تو اپنی خالہ کا اُٹھاؤگی میں تم کو لے جانے والی یا منع کرنے والی کون۔ نعیمہ۔ اچھا تو میں پوچھتی ہوں اگر میں چلی جاؤں تو خالہ جان کیا کہیں گی۔ صالحہ۔ جو میں کہتی ہوں۔ جو تمھاری اماں کہتی ہیں۔ وہی خالہ جان کہیں گی۔ وہی ہر شخص کہے گا جو سُنے گا۔ کیا خالہ جان دنیا جہان سے باہر یا انوکھی ہیں۔ نعیمہ۔ اجی گھر سے تو نہ نکال دیں گی۔ صالحہ۔ یہاں تم کو کوئی گھر سے نکال رہا ہی جو وہاں سے خدانہ خواستہ نکال دے گا۔ آپا نہیں معلوم تم اب کیسی باتیں کرنے لگی ہو۔ ایک اماں سے کیا لڑیں سارے کنبے کو دشمن ٹھیرالیا۔ نعیمہ۔ لیکن خالہ جان بے چاری غریب آدمی ہیں کہاں سے میرا خرچ اُٹھائیں گی۔ صالحہ۔ اب ایسی بھی گئی گزری ہوئی نہیں ہیں کہ مہینے بیس دن تم کو نہیں رکھ سکتیں۔ نعیمہ۔ مہینا بیس دن کیسا۔ میں تو ساری عمر کے لئے جاتی ہوں۔

صالحہ۔ خدا نہ کرے کہ تم ساری عمر خالہ کے یہاں پڑی رہو۔ اللہ تم کو اپنے گھر آباد کرے اور تمھاری ماں کا کلیجہ تم سے ٹھنڈا ہو۔ نعیمہ۔ میں بھی یہی سوچ کر جاتی ہوں کہ چند روز وہاں رہوں گی تو اماں جان کو بھی لڑائی جھگڑے کی باتیں بھول بسر جائیں گی پھر بلوا بھیجیں گی تو چلی آؤں گی۔ صالحہ۔ میرے نزدیک بھی جانے میں کچھ قباحت نہیں۔ مگر اپنی اماں جان سے اجازہ لے لو نعیمہ۔ کیوں کر پوچھوں۔ صالحہ۔ یہ بھی کوئی بڑا مشکل کام ہے۔ ابھی اُن کے پاس چلی جاؤ اور جا کر کہو کہ میں خالہ جان کے یہاں جاتی ہوں وہ کہہ دیں گی اچھا۔ نعیمہ۔ سچ کہنا کہیں چلی نہ جاؤں۔ اتنا کام تم نہیں کر دیتیں۔ صالحہ۔ نہیں میں نہیں کرتی۔ نعیمہ۔ ہماری بہن نہیں۔ صالحہ۔ نہیں میں بہن بھی نہیں بنتی۔ بیوی صاحب کو اتنا سمجھایا اتنا سمجھایا خاک بھی اثر نہ ہوا۔ نعیمہ۔ نوج کوئی ایسا بے مروّۃ ہو۔ صالحہ۔ تم سے بھی بڑھ کر۔ نعیمہ۔ اچھی میری بہن۔ صالحہ۔ خیر میں پوچھ دوں گی۔ لیکن کیا تم خالہ جان سے رخصت ہو کر نہ چلو گی اور چلتے وقت اُن سے نہ ملو گی۔ نعیمہ۔ اُس وقت جیسی ہو گی دیکھی جائے گی۔ صالحہ۔ سنو بوا اگر تمھارے دل میں دغا ہو تو پہلے سے کہہ دو۔ ایسا نہ ہو میں پوچھنے جاؤں اور تم بے ملے چل دو تو ناحق مجھ کو شرمندگی ہو۔ نعیمہ۔ نہیں میں نے تمھارے چھیڑنے کو کہا تھا۔ بھلا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ چلتے وقت میں اماں جان سے نہ ملوں۔ تو جاؤ پوچھ آؤ۔ صالحہ۔ اس وقت رات زیادہ گئی ہے۔ آخر صبح کی نمازیں خالہ جان کے ساتھ پڑھوں گی اُسی وقت پوچھ دوں گی۔ نعیمہ۔ اچھا پھر ڈولیوں کو تو اُڈّے پر اسی وقت کہلا بھیجو۔ ورنہ شاید وقت پر نہ ملیں۔ صالحہ۔ نہ ملیں گی تو ہمارے محلے سے آجائیں گی۔ نعیمہ۔ اس میں دیر ہو گی۔ صالحہ۔ کیا شادی میں جا رہے ہیں کہ دیر

یعنی اگر ان کو تمھارے جانے کی خوشی ہوئی

ہو گی تو دُلہن رخصت ہو جائے گی۔ نعیمہ۔ نہیں۔ چلنا ہی تو بس مُونہ اندھیرے چل دیں
ننھا ڈولی میں ڈرتا ہو۔ صالحہ۔ خیر اسی وقت کہلا دیا جائے گا۔ اس کے بعد نعیمہ اور صالحہ
دونوں سو رہیں۔ ابھی تارے چھٹکے ہوئے تھے کہ صالحہ اپنے معمول پر نمازِ صبح کے واسطے اٹھی
اور نعیمہ اُس وقت غفلت کی نیند میں پڑی سو رہی تھی۔ نماز سے فارغ ہو کر صالحہ خالہ کے پاس
جا کر کھڑی ہوئی اور کہا کہ بس خالہ جان اب میں جاؤں گی۔ خالہ۔ ایں ایسی جلدی ع
سر اُٹھ
تم اگ لینے آئی تھیں کیا آئیں کیا چلیں ہ صالحہ۔ دس پندرہ دن بعد پھر آ جاؤں گی
۔ خالہ۔ ذرا نعیمہ کے مزاج کو تو ٹھکانے لگنے دیا ہوتا۔ صالحہ۔ وہ بھی تو میرے ساتھ جانے کو
کہتی ہیں۔ خالہ۔ سچ کہو۔ صالحہ۔ مجھ سے کہہ بھی دیا ہو کہ تم پوچھ لو۔ خالہ۔ اُسی کی مرضی ہو
یا تم نے صلاح دی ہو۔ صالحہ۔ خود اُن ہی کی مرضی ہو۔ خالہ۔ بھلا کچھ یہ بھی کہتی تھیں
کتنے دن کے واسطے۔ صالحہ۔ دنوں کی تعیین تو مجھ سے نہیں بیان کی۔ خالہ۔ خیر اُس نے
دنوں کی تعیین نہیں کی تو میں تم سے کہے دیتی ہوں کہ آٹھ دن سے زیادہ مت رکھنا۔
ہماری بہن بے چاری غریب آدمی ہیں اُن کو تکلیف ہو گی۔ صالحہ۔ اب جب اُن کا جی
چاہے۔ خالہ۔ تم لئے تو جاتی ہو مگر اتنا تو کرنا کہ اِس کو بھی نیک ہدایت دینا۔ صالحہ۔ جہاں تک
مجھ سے ہو سکے گا سمجھاؤں گی اور اُن کو مولویوں کے وعظ سنواؤں گی۔ خدا کی ذات سے امید تو
ہی کہ ضرور اثر ہو گا۔ اس کے بعد صالحہ نے گھر کے نوکروں سے پوچھا کہ ڈولیوں کے واسطے رات
کو جو کہلا بھیجا تھا آئیں یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ ڈولیاں توپ سے پہلے کی دروازے پر
لگی ہوئی ہیں تب صالحہ کوٹھری کی طرف چلی۔ اس غرض سے کہ نعیمہ کو جگائے اور اجازہ کی

کہاوت ۱۲۵

خوش خبری سُنائے۔ دیکھا تو نعیمہ پلنگ پر نہیں۔ سمجھی کہ دوسرے قطعے میں بچّے کا ہاتھ مُونھ دھلاتی ہوں گی۔ مگر وہاں بھی نعیمہ کو نہ پایا۔ معلوم ہوا کہ جب صالحہ خالہ کے ساتھ باتیں کر رہی تھی نعیمہ چپکے سے اُٹھ بچّے کو لے کھڑکی کی راہ ہو کر ڈیوڑھی میں جا سوار ہو بے رخصت ہوئے چل دیں۔ اب یہ کیا موقع تھا کہ ڈولی واپس منگائی جائے۔ ناچار صالحہ اکیلی خالہ کو سلام رخصت کرنے گئی۔ تو خالہ نے کہا اے لڑکی ایسی کیا بھاگڑ مچی ہے۔ نعیمہ کو اُٹھنے دو۔ ناشتہ کھا پی لو۔ تب جانا۔ صالحہ۔ آپا تو گئیں بھی۔ خالہ۔ یہ کب۔ صالحہ۔ جس وقت میں بعد نماز آپ سے باتیں کر رہی تھی اُسی وقت وہ سوار ہو گئیں۔ خالہ۔ کیسی چپکے سے نکل گئی کہ میں نے اُسے جاتی کو بھی نہ دیکھا۔ صالحہ۔ کھڑکی کی راہ سے گئیں۔ خالہ۔ تب ہی۔ مگر صالحہ تم نے دیکھا اس کا غصہ۔ کتنا تم نے اس کے ساتھ سر مارا۔ میں باہر کھڑی ہوئی تمھاری ساری باتیں سنتی تھی۔ لیکن اُس کا یہ اثر ہوا کہ بے ملے چل دیں۔ بھلا کہیں ایسا بھی غضب ہوا ہے کہ بیٹی ماں کے گھر سے یوں چلی جائے۔ اگر میں اس کی باتوں پر جاؤں تو جیتے جی صورۃ نہ دیکھوں۔ لیکن کیا کروں یہ دل کم بخت نہیں مانتا۔ اس مزاج کی بدولت اِن حالوں کو تو یہ پہونچ گئی مگر ذرا اِس کو خیال نہیں۔ مطلق اس کو پروا نہیں۔ دیکھئے کیا اس کی تقدیر میں لکھا ہے۔ کیا اس کے نصیب میں بدا ہے۔ اس کے غم نے مجھ کو تو کھا لیا اور میں اس کے سوچ میں تمام ہو گئی۔ صالحہ۔ آپ رنج نہ کیجئے اور دل کو سنبھالئے۔ اب آپ نے اِن باتوں کا خیال کیا ہے تو ان شاء اللہ رفتہ رفتہ سب درست ہو جائیں گے۔ یہی ہے کہ کوئی اویر کوئی سویر۔ اب ہم نعیمہ کو اسی جگہ چھوڑتے ہیں۔ جو اُس کو پیش آیا اور جیسا اُس کا انجام ہوا پھر بیان کریں گے۔

کلیم باپ سے ناخوش ہو کر گھر سے نکل گیا نصوح نے کلیم کا تکلف خانہ اور بیہودہ کتاب خانہ جلا دیا

نعیمہ تو صبح ہوتے گئی۔ مگر کلیم رات ہی کو گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ جب صالحہ ڈولی سے اتری لوگ اُس سے ملنے ملانے میں مصروف ہوئے کلیم آنکھ بچی تو دروازہ کھول باہر۔ اتنا بھی نو نہ کیا کہ رات کا وقت ہے لاؤ کسی سے دروازے کے واسطے تو کہتا جاؤں۔ جب نعیمہ کو کھانا جا لیا سب گھر والے کھا پی کر فارغ ہو گئے اور فہمیدہ سونے کے ارادے سے مکان میں آئی تو دیکھا کہ باہر کا دروازہ چوپٹ کھلا پڑا ہے۔ کلیم کو ادھر دیکھا اُدھر دیکھا کہیں پتہ نہیں سمجھی کہ موقع پا کر چل دیا۔ لیکن اُس وقت نہ تو کلیم اس ارادے سے گیا تھا کہ پھر نہ آئے اور نہ فہمیدہ کو ایسا گمان ہوا۔ رات گئی تھی زیادہ بات کا چرچا کرنا مناسب نہ جان کر سب لوگ سو سلا رہے۔ نصوح نماز صبح پڑھ کر مسجد سے واپس آ رہا تھا کہ اُس کو گلی کے نکڑ پر نعیمہ کی اور ڈیوڑھی سے نکلتی ہوئی صالحہ کی ڈولی ملی۔ کلیم کی نافرمانیوں پر غصہ تو اُسی رات ہی کو بہتیرا کچھ آیا اور بار بار اُس کے دل نے چاہا کہ اسی وقت ادھر یا اُدھر جو کچھ ہو فیصلہ کر دے لیکن چند در چند باتوں کے لحاظ سے وہ زہر کا سا گھونٹ پی کر چپ ہو رہا اور مشکل سے اپنی طبیعت کو اس بات پر رضامند کیا کہ پیام زبانی کا اثر اور تحریر کا نتیجہ تو معلوم ہوا ایک مرتبہ اَور رو در رو کہہ کر بھی دیکھ لو۔ اس پر بھی نہ سمجھے تو اپنا سر کھائے۔ اس ارادے سے وہ پہلے مردانے مکان میں آ کر ٹھیرا۔ اور جب کلیم اُس کو نظر نہ آیا تو اُس نے نوکروں سے پوچھا مگر کسی نے جواب صاف نہ دیا تب وہ نوکروں پر خفہ ہوا

کہ تم لوگ کیسے نالائق ہو کہ مجھ کو اُس بدبخت کا ٹھیک پتہ نہیں دیتے تم اپنے پندار میں اُس کے
حق میں خیر خواہی کر رہے ہو مگر میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمہاری رازداری نہ صرف اُس کم نصیب
کے حق میں بُری ہے تمہارے حق میں بھی اس کا نتیجہ اچھا نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اس کی عادۃ
اس قدر سویرے اُٹھنے کی نہیں ہے ضرور ہے کہ تم نے اس کو جگا کر کہیں ٹال دیا ہے۔ میں نے
تم کو اپنی آسائش کے لئے خاص خاص خدمتوں پر مامور کر رکھا ہے اگر تمہاری وجہ سے میرے
انتظام خانہ داری میں خلل واقع ہو تو تم میرے نوکر نہیں ہو بلکہ دشمن ہو۔ ملازم نہیں ہو بلکہ بدخواہ ہو۔ اگر میں
اس ناشدنی کو فرزندی سے عاق کروں گا تو تم سب کو بھی اُس کے ساتھ نوکری سے برطرف۔ نصوح کا
یہ کلام سُن کر اعلےٰ ادنےٰ سب نوکر تھرّا اُٹھے اور جو ان میں سب سے زیادہ سلیقہ مند تھا دست بستہ ہو کر
بولا کہ حضور کا عتاب غلاموں کے سر و چشم پر مگر شب کو مکان زنانہ رہا اور خانہ زادوں کو اجازۃ ہوئی کہ اپنے اپنے
گھر جا کر سوئیں۔ اُس وقت تک صاحبزادے صاحب گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ نمک خواروں نے صبح کو آ کر
اُن کا جمال نہیں دیکھا۔ جناب بیگم صاحب سے حضور اس کا حال دریافت فرمائیں۔ خانہ زادوں سے ایسی بے نمکی
نہ ہوئی کہ حضور سے کوئی بات مخفی رکھیں۔ یہ سُن کر نصوح اندر گیا اور حسب عادۃ سب لوگ اُس کو سلام صبح
کرنے کے واسطے جمع ہو گئے۔ فہمیدہ اس وقت تک تلاوۃ میں مصروف تھی۔ مگر تھوڑی دیر میں فارغ
ہو گئی تو نصوح نے کہا کیوں صاحب بی صالحہ گئیں۔ فہمیدہ۔ کبھی کی گئیں۔ اب تک تو وہ گھر بھی پونہچ گئی ہوں گی
نصوح۔ اور دوسری ڈولی کس کی تھی۔ فہمیدہ۔ تمہاری بڑی صاحبزادی کی۔ نصوح۔ سن کر گئیں یا بگڑ کر
فہمیدہ۔ کچھ سن کر کچھ بگڑ کر۔ نصوح۔ یہ کیا۔ فہمیدہ۔ صالحہ نے خدا اُس کو جزائے خیر دے بہت کچھ سمجھایا اور آدھی
رات تک اپنا سر خالی کیا۔ بارے اُس کے کہنے سے اُنھوں نے اپنا قہر ہی روزہ تو افطار کیا۔ لڑکے کو دودھ

بھی پلاپا۔ یہ توان کا منشا تھا۔ بگڑنا یہ کہ صبح کو بے ملے بے رخصت ہوئے ڈولی میں بیٹھ چل دیں۔
میں صالحہ سے باتیں کرتی رہی میں نے اُس کو جاتی کو بھی نہ دیکھا۔ نصوح۔ خیر ان سے تو خدا نے
سبک دوش کیا۔ اب صاحب زادے صاحب کی کہو وہ کہاں ہیں۔ سب چھوٹے بڑوں نے کانوں
پر ہاتھ رکھے کہ ہم کو مطلق خبر نہیں۔ نصوح۔ کب سے غائب ہیں۔ فہمیدہ۔ مغرب کے بعد سے برابر
میرے پاس بیٹھا تھا۔ میں اس کو سمجھاتی رہی۔ تمھارا خط آیا اُس کو پڑھا اتنے میں صالحہ کی ڈولی
آپونہچی میں اس سے باتیں کرنے لگی۔ پھر لوگوں کو کھانا دیا دلایا۔ اس میں کوئی پہر ڈیڑھ پہر رات چلی گئی سونے
کو جو گئی تو دیکھا کہ مکان خالی پڑا ہے۔ نصوح۔ الحمد للہ خس کم جہان پاک۔ لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اس میں
اس کی خطا ہے میری یا اس کی۔ فہمیدہ۔ خطا صریح اُسی کی ہے۔ خواہ مخواہ بھی تمھاری خطا بتا دوں۔ تم نے
اس کو ایک دفعہ چھوڑ دو دو دفعہ بلایا خط لکھا۔ بس حد ہو گئی۔ علیم نے بہتیرا سمجھایا۔ میں نے بہت کچھ کہا سنا۔
وہ اپنی شاعری کے آگے کس کی سنتا ہے۔ تم تک جانے ہی کی اُس نے ہائی نہ بھری۔ میں نے کہا تھا کہ کھانے پینے سے
فراغت پا کر پھر اس کے ساتھ سر ماروں گی۔ اسی غرض سے مردانے مکان میں دہ کرایا۔ مگر وہ پہلے ہی سے نکل گیا۔ کوئی کیا
کرے اپنی قسمت۔ اپنی اپنی تقدیر۔ نصوح۔ جس طرح یہ نالائق میرے ساتھ پیش آیا نعیمہ نے تمھارے ساتھ اس کا
دسواں حصہ بھی نہیں کیا۔ اس کے بعد نصوح نے منجھلے بیٹے علیم سے کہا بھلا تم نے اُس کے بچھونے یا کتابوں میں
تو دیکھا ہوتا شاید وہ کچھ لکھ کر رکھ گیا ہو۔ افسوس ہے کہ اُس کے نفس سرکش نے اُس کو مجھ تک آنے نہ دیا ورنہ
میں تو ہر طرح اُس کے عذرات کو سننے اور اس کے وجوہات پر لحاظ کرنے اور معقولیت کے ساتھ اس کو سمجھانے کے
لئے موجود تھا۔ علیم۔ یہ بات میرے ذہن میں نہیں گزری۔ مگر میں اب اُن کی چیزوں میں دیکھے لیتا ہوں۔
اگرچہ مجھ کو اب بھی ایسی امید نہیں ہے کہ وہ کچھ لکھ کر رکھ گئے ہوں۔ کیوں کہ اگر ان کو لکھنا ہی منظور ہوتا تو

وہ آپ کے خط کا جواب ہی نہ دیتے۔ دوسرے اُن کو اتنی فرصت کہاں ملی۔ کل شام کو اس بات کا چرچا شروع ہوا اور میں جانتا ہوں کہ صالحہ کے آتے ہی وہ تشریف لے گئے۔ اس اثنا میں[۵۱] برابر بیں اُن کے پاس تھا اور میرے چلے جانے کے بعد اماں جان۔ نصوح۔ پھر بھی میں اس کو داخلِ اتمامِ حجت[۵۲] سمجھ کر چاہتا ہوں کہ احتیاطاً اس کی چیزوں میں دیکھ لیا جائے۔ چلو میں بھی تمہارا شریک رہوں گا۔ ہر چند علیم کو منظور نہ تھا کہ بھائی کی چیزوں پر باپ کی نظر پڑے لیکن باپ کو منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ آخر باہر مردانے میں آ کر نصوح نے نوکروں سے پوچھا کہ کلیم کا اسباب کس جگہ رہتا ہے۔ نوکر۔ حضور۔ صاحب زادے صاحب نے دو کمرے لے رکھے ہیں۔ اس دکھن والے کمرے کا نام انھوں نے (بچے ہی تو ہیں) عشرۃ منزل[۵۳] رکھ چھوڑا ہے جب اُن کے ہم جولی آتے ہیں تو سب اسی کمرے میں بیٹھ کر کھیلا اور باتیں کیا کرتے ہیں۔ اُتر والے کمرے کو خلوۃ خانہ[۵۴] فرمایا کرتے ہیں۔ اُس میں اُن کے پڑھنے لکھنے کی کتابیں وغیرہ ہیں۔ نصوح عشرۃ منزل اور خلوۃ خانے کا نام سن کر چونکا ہو۔ اور اس نے نوکروں سے کہا اچھا پہلے اس عشرۃ منزل کو کھولو۔ چنانچہ عشرۃ خانہ کھولا گیا تو ایک تکلف خانہ تھا۔ کمرے کے بیچ میں چوکیوں کا فرش اُس پر دری۔ اُس پر سفید چاندنی اس خوش سلیقگی کے ساتھ تنی ہوئی کہ کہیں دھبے یا سلوٹ کا نام نہیں۔ صدر[۵۵] کی جانب گجرات کا نفیس قالین بچھا ہوا گاؤ تکیہ لگا ہوا۔ سامنے اُگال دان۔ لب قالین پیچوان۔ چوکیوں کے گرداگرد کرسیاں۔ تھیں تو لکڑی کی لیکن آئینے کی طرح صاف اور چمکتی ہوئی چھت میں پٹا پٹی کی گوٹ کا پنکھا لٹکا ہوا۔ ہلانے کے واسطے نہیں بلکہ دکھانے کے لئے۔ اُس کے پہلوؤں میں جھاڑ۔ جھاڑوں کے بیچ بیچ میں رنگ برنگ کی ہانڈیاں۔ چھت کیا تھی بلا مبالغہ آسمان کا نمونہ تھا جس میں پنکھا بجائے کہکشاں کے تھا۔ جھاڑ بمنزلہ آفتاب و ماہتاب اور ہانڈیاں ہو بہو جیسے

۵۱ اس دوران میں
۵۲ اس امر میں "حجت تمام کرنا" یعنی کوئی کسر باقی نہ رکھنا
۵۳ پوری خوشی کا گھر
۵۴ تنہائی کا گھر
۵۵ میر مجلس کے بیٹھنے کی جگہ

ستارے۔ چھت کے مناسب حالۃ دیواریں تصویروں اور قطعات اور دیوار گیریوں سے آراستہ تھیں۔ نصوح اس ساز و سامان کو تھوڑی دیر ایک سکتے کے عالم میں کھڑا دیکھتا رہا۔ اس کے بعد ایک آہ کھینچ کر بولا کہ افسوس کتنی دولتِ خداداد اس بیہودہ نمائش اور تکلف و آرائش میں ضائع کی گئی ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ یہ روپیہ محتاجوں کی امداد اور غریبوں کی کار برآری میں صرف کیا جاتا۔ اس کے بعد اس کی نگاہ مقابل صدر جا پڑی تو کیا دیکھتا ہے کہ آمنے سامنے دو میزیں لگی ہیں۔ ایک پر گنجیفہ۔ شطرنج۔ چوسر۔ تاش۔ کھیل کی چیزیں اور ارگن باجے رکھے تھے۔ دوسری پر گلدان۔ اور عطردان وغیرہ کے علاوہ ایک نہایۃ عمدہ طلائی جلد کی موٹی سی کتاب۔ نصوح نے نہایۃ شوق سے اس کتاب کو کھولا۔ تو وہ تصویروں کا البم تھا۔ مگر تصویریں کسی عالم۔ حافظ۔ درویش۔ خدا پرست کی نہیں۔ مکھوا پکھاوجی۔ تان رس خاں گویّا۔ میر ناصر احمد بین نواز۔ صمد خاں پہلوان۔ کھلونا بھانڈ۔ حیدر علی قوال۔ نتھوا ہیجڑا۔ قاری محمد علی پھکڑ۔ عدد جواری اس قسم کے لوگوں کی۔ شیشہ آلات کی وجہ سے نصوح نے دیوار والی تصویروں کو بغور نہیں دیکھا تھا۔ اب البم کو دیکھ کر اسے خیال آیا۔ آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے تو وہ تصویریں اور بھی بیہودہ تھیں۔ قطعے اور طغرے اگرچہ اُن کا سوادِ خط پاکیزہ تھا مگر مضمون و مطلب دین کے برخلاف۔ مذہب کے برعکس۔ نصوح نے وہیں سے ایک میر فرش اٹھا کر ان سب کی خبر لینی شروع کی۔ اور بات کی بات میں کل چیزوں کو توڑ پھوڑ برابر کیا۔ اور جو کچھ باقی رہا اس کو صحن میں رکھ آگ لگا دی اور نوکروں کو حکم دیا کہ اچھا اب خلوۃ خانہ کھولو۔ اس میں تکلف کے معمولی ساز و سامان کے علاوہ کتابوں کی ایک الماری تھی۔ دیکھنے میں

تو اتنی جلدیں تھیں کہ انسان ان کی فہرست لکھنی چاہے تو سارے دن میں بھی تمام نہ ہو لیکن کیا اردو کیا فارسی سب کی سب کچھ ایک ہی طرح کی تھیں۔ جھوٹے قصے۔ بیہودہ باتیں فحش مطلب لچے مضمون۔ اخلاق سے بعید۔ حیا سے دور۔ نصوح اُن کتابوں کی جلد کی عمدگی خط کی پاکیزگی۔ کاغذ کی صفائی۔ عبارۃ کی خوبی۔ طرز ادا کی برجستگی پر نظر کرتا تھا تو کلیم کا کتاب خانہ اُس کو ذخیرۂ بے بہا معلوم ہوتا تھا۔ مگر معنی و مطلب کے اعتبار سے ہر ایک جلد سوختنی اور دریدنی تھی۔ اسی تردد میں اُس کو دوپہر ہو گئی۔ کئی مرتبہ کھانے کے لئے گھر سے اُس کی طلب ہوئی مگر اُس کو فرصت نہ تھی۔ بار بار کتابوں کو اُلٹ اُلٹ کر دیکھتا تھا اور رکھ رکھ دیتا تھا۔ آخر کار یہی رائے قرار پائی کہ اِن کا جلا دینا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ بھری الماری کتابیں لکڑی کنڈے کی طرح اوپر تلے رکھ آگ لگا دی۔ نصوح کا یہ برتاو دیکھ اندر سے باہر تک تہلکہ اور زلزلہ پڑ گیا۔ علیم دوڑا دوڑا جا اپنا کلیات آتش اور دیوان شرر اُٹھا لایا اور باپ سے کہا کہ جناب میرے پاس بھی یہ دو کتابیں اسی طرح کی ہیں۔ نصوح نے ان کتابوں کو بھی دو چار جگہ سے کھول کر دیکھا اور کہا کہ واقع میں اِن کے مضامین بھی جہاں تک میں دیکھتا ہوں بُرے اور بیہودہ ہیں لیکن تمھاری نسبۃ مجھ کو خدا کے فضل سے اطمینان ہو چکا ہو تو اپنی کتابوں کو رہنے دو اگرچہ ان کا مطالعہ میرے نزدیک خالی از معصیۃ نہیں ہے۔ علیم۔ کتاب جب کہ دیکھنے اور پڑھنے کے لائق نہیں تو اُس کا رکھنا بے سود بلکہ خطرناک ہے۔ بہتر ہو گا کہ ان کو بھی جلا دیا جائے۔ نصوح۔ شاید تم میری خاطر سے کہہ رہے ہو اور تم کو پیچھے تاسف ہو۔ علیم۔ مجھ کو ہرگز تاسف نہ ہو گا بلکہ خوشی ہو گی۔ جلائی جائے وہ عمدہ نصیحۃ کی کتاب جو مجھ کو پادری صاحب نے دی تھی اور رہیں یہ خرافات میں جانتا ہوں

۱ مراد ہیرا زیور ۲ عبارۃ جس کی ۳ قیمت کا اندازہ نہ ہو سکے یعنی بیش بہا قیمتی ۴ جلانے کی قابل ۵ پھاڑ ڈالنے کی قابل ۶ گناہ ۷ لغویات واہیات

کہ بھائی جان کی کتابوں پر یہ اُسی پادری صاحب والی کتاب کا وبال پڑا۔ ڈرنے کا مقام اور عبرۃ کی جگہ ہے۔ نصوح۔ لیکن کیا ضرور ہے کہ تمھاری کتابیں بھی اُس وبال میں داخل ہوں۔ علیم۔ ان کے نام بھی جلنا جلنا پکارتے ہیں۔ ارشاد ہو تو جھونک دوں۔ نصوح۔ تمھاری یہی مرضی ہے تو بسم اللہ۔ علیم نے آتش کودہکتی آگ اور شرر کو جلتے انگاروں میں پھینک دیا۔ علیم کی دیکھا دیکھی میاں سلیم نے بھی واسوختِ امانہ لا باپ کے حوالے کی۔ اور کہا کہ ایک دن کوئی کتاب فروش کتابیں بیچنے لایا تھا۔ بڑے بھائی جان نے فسانۂ عجائب۔ قصۂ گل بکاولی آرائش محفل۔ مثنوی میر حسن۔ مضحکاتِ نعمت خانِ عالی۔ منتخب غزلیاتِ جرکین۔ ہزلیاتِ جعفر زٹلی قصایدِ ہجویہ مرزا رفیع السودا۔ دیوانِ جان صاحب۔ بہار دانش باتصویر۔ اندر سبھا۔ دریائے لطافہ میران شاہ اللہ خاں۔ کلیاتِ رند وغیرہ بہت سی کتابیں اُس سے لی تھیں میں بھی بیٹھا ہوا تھا۔ مجھ کو دیکھ کر بولے کیوں سلیم تم بھی کوئی کتاب لوگے۔ میں۔ جو آپ تجویز فرمائیں۔ بھائی جان۔ کون سی کتاب تم کو لے دوں۔ یہ کتابیں جو میں نے لی ہیں اوّل تو میرے شوق کی ہیں۔ دوسرے تم کو ان کا مزہ نہیں ملے گا۔ کتاب والے کی ساری گٹھڑی میں سے یہ واسوخت اور دیوان نظیر اکبرآبادی دو کتابیں اُنھوں نے میرے لئے نکالیں اور کہا کہ واسوخت تو خیر مگر یہ دیوان بڑی عمدہ کتاب ہے۔ میاں ہدہد کے اشعار آج تک کسی نے جمع نہیں کئے تھے۔ اس کے حاشئے پر وہ بھی ہیں۔ چوں کہ بھائی جان نے دیوان کی بہت تعریف کی تھی میں نے اُس کو نہایۃ شوق سے کھولا۔ تو پہلے ہی چوہوں کا اچار نکلا۔ اُس کے مضمون سے میری طبیعۃ کچھ ایسی کھٹی ہوئی کہ میں نے دونو کتابیں پھیر دیں۔ مگر بھائی جان نے یہ واسوخت

زبردستی میرے سر مڑھی۔ ایک دن اتفاق سے حضرۃ بی صاحب کے بڑے نواسے نے
اُس کو میرے جزدان میں دیکھ کر کہا کہ آہا میاں سلیم تم تو بڑے چھپے رستم نکلے ہیں۔ کیوں
حضرۃ بی صاحب کا نواسہ۔ تم کو ایسی کتابوں کا بھی شوق ہے۔ میں۔ مجھ کو بھائی جان نے لے دی
ہے۔ کیوں کیا یہ کتاب اچھی نہیں۔ حضرۃ بی صاحب کا نواسہ۔ اچھی بُری تو میں نہیں جانتا
لیکن اگر نانی اماں دیکھ پائیں گی تو شاید ہم لوگوں کو تمھارے پاس اُٹھنے بیٹھنے کی ممانعت کر دیں
بھلا کوئی ایسی گندی باتوں کی کتاب بھی پڑھتا ہے۔ تب سے میں نے اس کتاب کو لاکر رکھ دی ہیں
ڈال دیا تھا۔ آج مجھ کو یاد آگئی تو میں نے کہا یہ بھی اپنی مراد کو پونہچ جائے۔ جب کلیم کا خرمن عیش
وعشرۃ جل بھن کر خاک سیاہ ہو لیا تو نصوح اندر گھر میں گیا اور بیوی نے اُس سے پوچھا
کیوں جس پرچے کی جستجو تھی ملا۔ نصوح۔ نہیں پرچہ تو نہیں ملا۔ لیکن میرا مطلب حاصل ہو گیا
فہمیدہ۔ وہ کیا۔ نصوح۔ مجھ کو اس بات کی تلاش تھی کہ کلیم کے دلی خیالات معلوم کروں کہ آخر
اُس کو جو اس قدر گریز ہے کہ میرے پاس تک آنے سے بھی اُس نے انکار کیا تو اس کی وجہ کیا ہے
فہمیدہ۔ پھر تم نے کیا وجہ دریافت کی۔ نصوح۔ وجہ کیا دریافت کی اُس کی ساری حقیقۃ معلوم
ہو گئی۔ بلکہ شاید روبرو گفتگو کرنے سے بھی یہ بات پیدا نہ ہوتی جو مجھ کو اب حاصل ہے۔ فہمیدہ۔ آخر
کچھ میں بھی سنوں۔ نصوح۔ میں نے اُس کے عشرۃ منزل اور خلوۃ خانے کو دیکھا۔ اور اُس کے کتاب خانے کی
سیر کی۔ فہمیدہ۔ عشرۃ منزل اور خلوۃ خانہ کیسا۔ نصوح۔ تم تو کچھ مجھ سے بھی زیادہ بے خبر ہو۔ آج تک
تم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ صاحبزادہ بلند اقبال نے دو کمرے اپنے واسطے خاص کر رکھے ہیں۔
ایک کا نام عشرۃ منزل رکھ چھوڑا ہے اور دوسرے کا خلوۃ خانہ۔ جس کمرے میں ان کے

شیاطین الانس جمع ہوتے ہیں وہ عشرۃ خانہ ہی۔ اور جہاں استراحۃ فرماتے ہیں وہ خلوۃ خانہ اور اُسی خلوۃ خانے میں کتاب خانہ بھی ہی۔ فہمیدہ۔ اتنی بات تو میں بھی جانتی ہوں کہ کلیم نے دو کمرے لے رکھے ہیں۔ مگر عشرۃ منزل اور خلوۃ خانہ میں نے آج ہی سُنا ہی۔ نصوح۔ تم نے اُن کمروں کو اندر سے بھی دیکھا۔ فہمیدہ۔ نہیں۔ مردانے میں کبھی کاہے کو جانے کا اتفاق ہوتا ہی کل رات البتہ علیم کے اصرار سے پردہ کروا کے گئی تھی۔ نصوح۔ خوب ہوا کہ تم نے اُن کمروں کو نہ دیکھا۔ فہمیدہ۔ کیوں۔ نصوح۔ اب میں اُن کمروں کی تمام تر تفضیح تم سے کیا بیان کروں۔ بس مولانائے روم قدس اللہ سرہ العزیز کا شعر

از بروں چوں گور کافر پُر حُلل ؛ اندروں قہر خدائے عز وجل

گویا ان ہی کمروں کی شان میں ہی۔ ظاہر آباد۔ باطن خراب۔ فہمیدہ۔ کوئی کہتا تھا کہ تم نے غصے میں آکر دیوان خانے میں آگ لگا دی۔ نصوح۔ اگرچہ وہ مکان جس میں دو زخیوں کے سے کام ہوتے ہیں اسی قابل ہی۔ مگر میں نے مکان میں تو آگ نہیں لگائی۔ فہمیدہ۔ کچھ دھواں سا تو مردانے میں ضرور اُٹھ رہا تھا۔ نصوح۔ وہ تو چند کتابیں تھیں جن کو میں نے بیہودہ سمجھکر جلا دیا۔ فہمیدہ۔ ایسے غصے سے بھی خدا پناہ میں رکھے۔ نصوح۔ غصے کی تو اس میں کوئی بات نہ تھی۔ فہمیدہ۔ کتاب کا جلانا غصے کی بات نہیں تو کیا عقل کی بات ہی میں نے تو سُنا ہی کہ کاغذ کا جلانا بڑا گناہ ہی۔ نہ کہ کتاب۔ لوگ کہیں ذرا سا پُرزہ پڑا پاتے ہیں تو اُٹھا کر آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ کتاب کو بھولے سے ٹھوکر لگ جاتی ہی تو توبہ توبہ کر کے چومتے اور ماتھے چڑھاتے ہیں۔ نصوح۔ تم سچ کہتی ہو۔ مگر یہ لوگوں کی زیادتی ہی۔ کاغذ

بھی کپڑے کی طرح ایک بے جان چیز ہے۔ کتاب کے عمدہ مضامین جن میں دین داری اور خداپرستی
اور نیکوکاری کا بیان ہوتا ہے وہ البتہ قابل ادب ہیں۔ فہمیدہ۔ خیر کچھ ہی سہی مگر کتاب ہے تو
ادب کی چیز۔ پھر تم نے جلائی کیوں۔ نصوح۔ جن کتابوں کو میں نے جلایا اُن کے مضامین شرک
اور کفر اور بے دینی اور بے حیائی اور فحش اور بدگوئی اور جھوٹ سے بھرے ہوئے تھے۔
فہمیدہ۔ کتابوں میں ایسی بُری بُری باتیں بھی ہوتی ہیں۔ نصوح۔ کتابیں بھی آدمی بناتے ہیں
اور آدمی ایسا مخلوق سرکش[1] ہے کہ اس نے تمام دنیا میں بدی اور خدا کی نافرمانی پھیلا رکھی ہے۔
کیا تم شعر اور شاعری کے نام سے واقف نہیں ہو۔ فہمیدہ۔ واقف کیوں نہیں۔ کتابوں میں
اکثر شعر ہوتے ہیں۔ مگر اُن میں تو کوئی بُری بات دیکھنے میں نہیں آئی۔ سنتی ہوں کہ کلیم کو شعر
بنانے کا بڑا شوق ہے۔ اور مردوں میں یہ بڑی تعریف کی بات گنی جاتی ہے۔ نصوح۔ شاعری
اپنی ذات سے بُری نہیں۔ بلکہ اس اعتبار سے کہ زبان دانی کی عمدہ لیاقت کا نام شاعری ہے
ضرور تعریف کی بات ہے۔ لیکن لوگوں نے ایک عام دستور قرار دے رکھا ہے کہ اس لیاقت
کو ہمیشہ بُرے اور بیہودہ خیالات میں صرف کرتے ہیں۔ اس وجہ سے دین داروں کی نظر میں
شاعری عیب و گناہ ہے۔ اب شاعری اسی کا نام ہے کہ کسی کی ہجو[2] کہئے کہ وہ داخلِ غیبت[3] ہے۔ یا مدح[4]
بے جا لکھئے کہ وہ کذب و بطالت[5] ہے۔ یا عشق و عیاشی کے ناپاک خیالات میں کوئی مضمون سوچئے
کہ وہ خلافِ شریعت ہے۔ یا مسائلِ دین اور اہلِ دین کے ساتھ تمسخر[6] و استہزا[7] کیجئے کہ وہ کفر و معصیت ہے
فہمیدہ۔ یہ مجھ کو آج معلوم ہوا کہ پڑھنے لکھنے کی چیزوں میں بھی لوگوں نے خرابیاں
پیدا کی ہیں۔ نصوح۔ کیا تم کو اپنا گلستاں پڑھنا یاد نہیں۔ فہمیدہ۔ یاد کیوں نہیں۔

۱؎ نافرمان
۲؎ جو کسی سے ویسے عیب ۱۲
۳؎ برائی کسی کی پیٹھ پیچھے برا کہنا ۱۲
۴؎ تعریف ۱۲
۵؎ دونوں لفظوں کے معنی جھوٹ ۱۲
۶؎ مسخرہ پن ۱۲
۷؎ ہنسی ٹھٹھا ۱۲

جس دن حمیدہ کا دودھ چھڑایا ہے اُس کے اگلے دن میں نے گلستاں شروع کی تھی نصوح
بھلا تم کو یہ بھی یاد ہے کہ میں تمھارے سبق سے آگے آگے جا بجا سطروں کی سطروں پر
سیاہی پھیر دیا کرتا تھا - بلکہ بعض دفعہ صفحے کے صفحے ایسے آپڑے ہیں کہ مجھ کو اوپر سے سادہ
کاغذ لگا کر ان کو چھپانے کی ضرورۃ ہوئی - فہمیدہ - خوب اچھی طرح یاد ہے - چوتھائی
کتاب سے کم تو نہ کٹی ہو گی - نصوح - تم پڑھتی تھیں تب چوتھائی بھی کٹی - اگر کوئی دوسری عورۃ
یا لڑکی پڑھتی ہوتی تو میں آدھی کی خبر لیتا - وہ تمام بیہودہ باتیں تھیں جن کو میں کاٹتا
اور چھپاتا پھرتا تھا - فہمیدہ - سچ کہو تو میں سمجھی مشکل جان کر چھڑا دیتے ہیں - نصوح - بڑی
مشکل یہ تھی کہ میں ان واہی اور فحش باتوں کو تمھارے روبرو بیان نہیں کر سکتا تھا - پھر یہ اُس
کتاب کا حال ہے جو پند و اخلاق میں ہے اور تصنیف بھی ایسے بزرگ کی ہے کہ کوئی مسلمان ایسا کم تر
نکلے گا کہ ان کا نام لے اور شروع میں حضرۃ اور آخر میں رحمۃ اللہ علیہ یا قدس اللہ سرہ العزیز نہ کہے
یعنی ان کا اعتداد اولیاء اللہ میں ہے - اور جو کتابیں میں نے جلائیں کتابیں کاہے کو تھیں - گالی پھکڑ
ہزلیات - بڑ - بکواس - ہذیان - خرافات - میں نہیں جانتا ان میں سے کون سا نام ان کے لئے زیادہ
زیبا ہے - فہمیدہ - مگر جلانا کیا ضرور تھا پڑی رہنے دی ہوتیں - یا یک بکا جاتیں - آخر
داموں کی چیز تھی - نصوح - شاید اگلی گرمیوں کا ذکر ہے کہ بدررو میں سانپ نکلا تھا اور اُس کو دیکھ کر
چھوٹے بڑے سب ایسے خوف زدہ ہو گئے تھے کہ صحن کا نکلنا بیٹھنا چھوڑ دیا تھا - اور کیسا کچھ
تقاضا تھا کہ جس طرح ہو سکے سانپ کو پکڑوا کر مار ڈالنا چاہیئے - سانپ کی نسبتہ تم نے ہرگز نہیں کہا
کہ پڑا بھی رہنے دو - یا شاید کوئی سپیرا دو چار ٹکے پیسے دے کر مول لے جائے گا - میں تم سے سچ کہتا ہوں

کہ یہ کتابیں اُس سانپ سے زیادہ موذی اور اُس سے کہیں زیادہ خطرناک تھیں- اور ان کی قیمت چوری اور ٹھگی کے مال سے بڑھ کر حرام- کلیم کو اُور پھٹکار کیا ہی- اسی سانپ کا زہر اُس کو چڑھا ہوا ہی- اور شیطان نے یہی منتر اُس پر پڑھ کر پھونک دیا ہی- فہمیدہ- پھر آخر اس زہر کا تریاق اور اس منتر کا توڑ بھی کچھ ہی یا نہیں- نصوح- کیوں نہیں دین و اخلاق کی کتابیں- مگر کوئی ان کو دیکھنے والا بھی ہو- نہ یہ کہ ہر روز نئے سانپ سے کٹواتے جاؤ اور تریاق سے بھاگو اور نفرت رکھو تو انجام کیا ہوگا- ہلاکت

کلیم کا پہلے اپنے دوست مرزا ظاہر دار بیگ اور پھر اپنے ایک قرابتہ دار فطرۃ کے یہاں جا کر رہنا اور دونو مرتبہ زک اُٹھانا اور قید ہونا اور آخر کار باپ ہی کی سفارش سے رہائی پانا

اب ہم کو کلیم اور نعیمہ دونو بھائی بہنوں کا حال بیان کرنا چاہیے کہ باپ کے گھر سے نکل کر ان پر کیا بیتی- سو چونکہ کلیم پہلے نکلا پہلے اُسی کا حال بیان کرتے ہیں- کئی بار اُس کو باپ نے بلوایا یہاں تک کہ ہار کر رقعہ لکھا- ماں نے بہتیرا سمجھایا- بھائی نے بہت کچھ کہا سنا- لیکن وہ ہی برراہ نہ ہوا- اور جب دیکھا کہ فہمیدہ صالحہ کے اُتروانے میں مصروف ہی آنکھ بچا بے پوچھے بے کہے گھر سے اس طرح نکل کھڑا ہوا کہ گویا اُس کو کچھ تعلق ہی نہ تھا- شاید اُس کے ذہن میں بھی یہ بات اُس وقت نہ گزری ہوگی کہ وہ عمر بھر کے واسطے گھر سے جا رہا ہی- اور عزیز و اقارب جن سے وہ ایسے سرسری

طور پر جدا ہوتا ہی جیتے جی اُن کو نہ دیکھ سکے گا۔ یہ نکلنا کچھ اُس کا نیا نکلنا نہ تھا۔ بلکہ معمولی عادۃ اور ہمیشہ کی خصلۃ تھی۔ گھر سے نکل جانے کی اُس نے یہاں تک مشق بہم پونہچائی تھی کہ ذرا ذرا سی ادعائی ناخوشی پر وہ آئے دن بھاگا کرتا تھا۔ مگر ادھر اُس کا نکلنا معلوم ہوا اور اُدھر نوکروں کے جاسوس اُس کی جستجو میں دوڑنے شروع ہوئے۔ شروع شروع میں تو نوکروں ہی کے بُلانے سے چلا آتا تھا۔ پھر چندے یہ معمول رہا کہ خود میاں نصوح جاتے تو صاحب زادہ بلند اقبال کو منالاتے۔ اب تھوڑے دنوں سے نصوح کے عمل میں بھی تاثیر گھٹ گئی تھی تو بی فہمیدہ کی ڈولی دربدر ماری پھرا کرتی تھی۔ اس دفعہ بھی وہ ضرور یہ توقع جی میں لے کر نکلا کہ گلی سے نکلتے نکلتے نوکر اُس کے پیچھے دوڑیں گے۔ اور اس امید میں اُس نے اپنے دوست مرزا ظاہر دار بیگ کے گھر پونہچتے پونہچتے کوئی سیکڑوں ہی مرتبہ پیچھے پھر پھر کر دیکھا۔ مگر واقع میں یہ اُس کی غلط فہمی تھی۔ اب کلیم کے سوائے بقولِ نعیمہ گھر کا باوا آدم بدلا ہوا تھا۔ نہ پہلی سی ماں۔ نہ اگلا سا باپ نوکر ڈھونڈھیں کیوں اور دوڑیں کس لئے۔ پھر بھی کلیم اس سے بے خبر نہ تھا کہ اس مرتبہ ایک خاص طرح کا بگاڑ ہی۔ وہ جانتا تھا کہ دین داری کا نیا چرچا گھر میں ہو رہا ہی۔ خلافِ توقع نعیمہ ایک ٹھپڑ کھا چکی ہی۔ سلیم اور حمیدہ جو گھر میں چھوٹے ہونے کی وجہ سے کلیم اور نعیمہ کے تختہ مشق تھے اب سب سے زیادہ باپ اور ماں دونو کے چہیتے ہو رہے ہیں۔ یعنی جن کی بڑی لمبی چوڑی عزۃ تھی وہ ذلیل ہیں۔ اور جو بے وقعہ تھے اُن کا طوطی بول رہا ہی۔ پہلے جب کبھی کلیم گھر سے ناخوش ہو کر نکلا تو کھانے کپڑے روپئے پیسے کے لین دین پر ماں یا بھائی بہنوں سے لڑائی جھگڑے کے سبب۔ لیکن اس دفعہ دین کی بحث تھی نہ لین دین

کی۔ باپ سے لڑائی تھی نہ بھائی بہنوں سے۔ ذرا سی عقل معاملہ فہم بھی کلیم کو ہوتی تو وہ ایسی
حالت میں گھر سے نکلنے پر دلیری نہ کرتا۔ لیکن جیسا کہ نصوح نے تجویز کیا تھا اُس پر شاعری کی
پھٹکار تھی اور سر پر شامتِ اعمال سوار۔ اور واقع میں جب انسان شبانہ روز داد و تحسین
کی فکر میں منہمک رہے گا تو ضرور ہے کہ خود پسندی۔ خود بینی۔ خود ستائی کے عیوب اُس کی
طبیعت میں راسخ ہوں۔ شعر و سخن کے اعتبار سے ہم بھی کلیم کو شاباش دیتے ہیں کیوں کہ
ہم دیکھتے ہیں کہ وہ معاملہ اچھا باندھتا ہے۔ تضمین میں گرہ خوب لگاتا ہے۔ بندش بھی
خاصی ہوتی ہے۔ قصیدہ بھی بُرا نہیں۔ طبیعت مضمون آفرینی پر بھی مائل ہے۔ مثنوی تو
خیر مگر رباعی اُس کی لاجواب ہوتی ہے۔ مقطع میں تخلص کا نباہ یا تو متاخرین میں مومن
مرحوم میں دیکھا یا اب ماشاء اللہ میاں کلیم میں ہیں۔ صنائعِ لفظی کے اتنے التزام پر بے ساختگی
ادا قابل آفرین ہے۔ قصیدے کی تشبیب بعد چندے سودا کے لگ بھگ ہونے والی ہے۔
چشمِ بد دور چھ سات برس کی مشق میں دو دیوانوں کا مرتب ہو جانا کچھ تھوڑی بات نہیں
شہر میں بھلا کچھ نہیں تو سو دو سو غزلیں لوگوں کے زبان زد ہوں گی۔ سچ ہے قبولِ سخن خداداد
بات ہے۔ الغرض شاعری میں کلیم کی لن ترانیاں چنداں بے جا نہ تھیں۔ لیکن دنیا کے معاملات
میں از بس کہ اُس کو غور اور خوض کرنے کی عادۃ نہ تھی اسی وجہ سے اکثر اُس کی رائے غلطی پر ہوتی
تھی۔ وہ گھر سے نکل کر ایسا بے تکلف مرزا ظاہر دار بیگ کی طرف کو مُڑا جیسے مطلق العنان
گھوڑا تھان کی طرف رُخ کرتا ہے۔ مرزا کی ظاہر داری نے اُس کو اس قدر دھوکھا دے رکھا تھا
کہ وہ اُن کو ماں باپ بھائی بہن خویش و اقارب سب سے بڑھ کر اپنا خیر خواہ سب سے زیادہ اپنا دوست سمجھتا تھا

اور بے امتحان بے آزمائش اُس کو مرزا پر ایسا تکیہ اور اعتماد تھا کہ شاید دانش مند آدمی کو متواتر
تجربوں کے بعد بھی کسی دوست پر نہیں ہو سکتا۔ بات اصل یہ ہے کہ مردم شناسی کی جو ایک صفت
ہے کلیم میں مطلق نہ تھی۔ مرزا سے زیادہ اُس کو اپنی نسبت مغالطہ تھا اور اُس نے اپنے
تئیں ایسا عزیز الوجود فرض کر رکھا تھا کہ ایک سے ایک لائق نوکری کی جستجو میں مارے
مارے پھرتے ہیں اور نہیں ملتی۔ اور کلیم کے ذہن میں از خود یہ خناس سمایا ہوا تھا
کہ گویا تمام ہندوستانی سرکاریں اُس کے قدوم میمنت لزوم کی متمنی اور منتظر ہیں۔
اور جس طرف کو چل کھڑا ہوگا وہاں کا والیِ ملک اُس کی تشریف آوری کو بس غنیمت
سمجھے گا۔ گھر سے نکلا تو محض تہی دست لیکن اس خیال میں مگن کہ اب کوئی دم جاتا ہے
کہ مالکِ خزائن الارض بننے والا ہوں۔ چلا جوتیاں چٹخاتا ہوا مگر اس تصور میں مست کہ فیلِ
کوہ پیکر مع ہودج زر اُس کی سواری کے لئے آ رہا ہے۔ باوجودے کہ شب خوابی
کے کپڑوں کے سوائے بدن پر کچھ نہ تھا تاہم خلعتِ ہفت پارچہ کی امید میں
نظر اُس کی نخوۃ کے زینے پہ تھی "کہ شانوں سے اُتری تو سینے پہ تھی" قصہ کوتاہ
کلیم شیخ چلّی کے سے منصوبے سوچتا ہوا اپنے دوست مرزا کے مکان پر پہنچا۔ ہر چند
ابھی کچھ ایسی بہت رات نہیں گئی تھی لیکن مرزا جیسے نکمّے بے فکرے کبھی کے لمبی تان کر سو چکے تھے۔ کلیم نے
جو دروازے پر دستک دی تو جواب دارد۔ اس مقام پر مرزا کا تھوڑا سا حال لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے
اُس شخص کی کیفیت یہ تھی کہ شاید اُس کا نانا دادا بھی حقیقی نہیں ابتدائے عمل داریِ سرکار میں صاحب رزیڈنٹ
کی اردلی کا جمعدار تھا۔ اول تو ایسی عالی جاہ سرکار دوسرے باعتبار منصب اردلی کا جمعدار

تیسرے ان دونوں کی بے عنوانی اُس پر خود اُس کی رشوۃ ستانی بہت کچھ کمایا۔ یہاں تک
کہ اُس کا اعتداد دہلی کے رو داروں میں ہو گیا۔ مرزا کی ماں اوائلِ عمر میں بیوہ ہو گئی۔
جمعدار نے باوجودے کہ دور کی قرابۃ تھی حسبۃً للہ اُس کا تکفل اپنے ذمے لیا۔ جمعدار اپنی
حیاۃ میں تو اتنا سلوک کرتا رہا کہ مرزا کو یتیمی اور اس کی ماں کو بیوگی بھول کر بھی یاد نہ آئی ہوگی۔
لیکن جمعدار کے مرنے پر اس کے بیٹے۔ پوتے۔ نواسے کثرۃ سے تھے اُنھوں نے بے اعتنائی کی۔ اور اگرچہ
جمعدار بہت کچھ وصیۃ کر مرے تھے مگر اُن کے وُرثا نے بہ ہزار دقۃ محل سرا کے پہلو میں
ایک بہت چھوٹا سا قطعہ ان کے رہنے کو دیا اور سات روپے مہینے کے کرائے کی دکانیں مرزا کے
نام کر دیں۔ یہ تو حال تھا کہ مرزا مرزا کی ماں مرزا کی بیوی تین تین آدمی اور سات روپے کی
کل کائنات۔ اُس پر مرزا کی شیخی اور نمود یہ مسخرہ اس مستی پر چاہتا تھا کہ جمعدار کے بیٹوں کی برابری
کرے جن کو صدہا روپے ماہواری کی مستقل آمدنی تھی۔ اگرچہ جمعدار والے اس کو مُونہ نہیں لگاتے
تھے مگر یہ بے غیرۃ زبردستی ان میں گھستا تھا۔ یہ کسی کو بھائی جان کسی کو ماموجان کسی کو خالو جان بناتا تھا
اور وہ لوگ اس کے ادعائی رشتوں ناتوں سے جلتے اور دق ہوتے۔ اونچی حیثیۃ کے لوگوں میں بیٹھنا اس کے
حق میں اور بھی بون تھا۔ اُن کی دیکھا دیکھی اس نے تمام عادتیں امیرزادوں کی سی اختیار کر رکھی تھیں۔ مگر
امیرزادگی نہ تھی تو کیسے نبھے دکانیں گروی ہوتی جاتی تھیں۔ ماں بیچاری بہتیرا بکتی مگر کون سُنتا تھا۔ مرزا کو جب
دیکھو پاؤں میں ڈیڑھ حاشئے کی جوتی۔ سر پر دوہری بیل کی بھاری کام دار ٹوپی۔ بدن میں ایک چھوڑ دو دو
انگرکھے۔ اوپر شبنم یا ہلکی تن زیب۔ نیچے کوئی طرح دار ساڈھا کے کا نینو۔ جاڑا ہو تو بانات مگر سات روپے گز سے
کم کی نہیں۔ خیر یہ تو صبح و شام۔ اور تیسرے پہر کا شانی مخمل کی آصف خانی جس میں حریر کی سنجاف کے علاوہ

گنگا جمنی کم خواب کی عمدہ بیل ٹنکی ہوئی۔ سرخ نیفہ پاے جامہ اگر ڈھیلے پائچوں کا ہوا تو کلی دار اور اس قدر نیچا کہ ٹھوکر کے اشارے سے دو دو قدم آگے۔ اور اگر تنگ موہری کا ہوا تو نصفِ ساق تک چوڑیاں دار اور جلد بدن کی طرح مڑھا ہوا۔ ریشمی ازاربند گھٹنوں میں لٹکتا ہوا۔ اور اُس میں بے قفل کی کنجیوں کا گچھا۔ غرض یکھا تو مرزا صاحب اس ہیاۃِ کذائی سے چھیلا بنے ہوئے سر بازار چھم چھم کرتے چلے جا رہے ہیں۔ کلیم سے اور مرزا سے محفلِ شاعرہ میں تعارف ہوا۔ شدہ شدہ مرزا صاحب کلیم کے مکان پر تشریف لانے لگے۔ یہاں تک کہ چند روز سے تو دونوں میں ایسی گاڑھی چھننے لگی تھی کہ گویا یک جان و دو قالب تھے۔ کلیم کو تو مرزا کے مکان پر جانے کا کبھی بھی اتفاق نہیں ہوا۔ مگر مرزا شام کو تو کبھی کبھی لیکن صبح کو بلاناغہ آتے اور تمام تمام دن کلیم کے پاس رہتے۔ مرزا نے اپنا حالِ اصلی کلیم پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ کلیم یہی جانتا تھا کہ جمعدار کا تمام ترکہ مرزا کو ملا۔ اور وہ جمعدار کے محل سرا کو مرزا کے محل سرا اور جمعدار کے دیوان خانے کو مرزا کا دیوان خانہ اور جمعدار کے بیٹے پوتوں کے نوکروں کو مرزا کے نوکر سمجھتا تھا۔ اور اسی غلط فہمی میں وہ گھر سے نکلا تو سیدھا جمعدار کی محل سرا کی ڈیوڑھی پر جا موجود ہوا۔ بار بار کے پکارنے اور کنڈی کھڑکھڑانے سے دو لونڈیاں چراغ لیے ہوئے اندر سے نکلیں اور ان میں سے ایک نے پوچھا کون صاحب ہیں اور اتنے رات گئے کیا کام ہے۔ کلیم۔ جاؤ مرزا کو بھیج دو۔ لونڈی۔ کون مرزا۔ کلیم۔ مرزا ظاہردار بیگ جن کا مکان ہے اور کون مرزا۔ لونڈی یہاں کوئی ظاہردار بیگ نہیں ہے۔ اتنا کہہ کر قریب تھا کہ لونڈی پھر کواڑ بند کرے۔ جلدی سے کلیم نے کہا کیوں جی کیا یہ جمعدار صاحب کی محل سرا نہیں ہے۔ لونڈی۔ ہے کیوں نہیں کلیم۔ پھر تم نے یہ کیا کہا کہ یہاں کوئی ظاہردار بیگ نہیں۔ کیا ظاہردار بیگ جمعدار کے وارث اور جانشین نہیں ہیں۔ لونڈی۔ جمعدار کے وارثوں کو خدا سلامت رکھے۔ مو ظاہردار بیگ جمعدار کا وارث بننے والا

کون ہوتا ہی۔ دوسری لونڈی۔ اری کم بخت یہ کہیں مرزا بانگے کے بیٹے کو نہ پوچھتے ہوں۔ وہ
ہر جگہ اپنے تئیں جمعدار کا بیٹا بنایا کرتا ہی (کلیم کی طرف مخاطب ہو کر) کیوں میاں وہی
ظاہر دار بیگ نہ جن کی رنگت زرد زرد ہی۔ آنکھیں گربجی۔ چھوٹا قد۔ دُبلا ڈیل۔ اپنے تئیں
بہت بنائے سنوارے رہا کرتے ہیں۔ کلیم۔ ہاں ہاں وہی ظاہر دار بیگ۔ لونڈی۔ تو میاں
اس مکان کے پچھواڑے اُپلوں کی ٹال کی برابر ایک چھوٹا سا کچا مکان ہی وہ اُس میں رہتے
ہیں۔ کلیم نے وہاں جا آواز دی۔ تو کچھ دیر بعد مرزا صاحب ننگ دھڑنگ جانگھیہ پہنے ہوئے
باہر تشریف لائے۔ اور کلیم کو دیکھ کر شرمائے۔ اور بولے آہا آپ ہیں معاف کیجئے گا۔ میں سمجھا
کوئی اَور صاحب ہیں۔ بندے کو کپڑا پہن کر سونے کی عادۃ نہیں۔ میں ذرا کپڑے پہن آؤں تو
آپ کی ہم رکاب چلوں۔ کلیم۔ چلئے گا کہاں میں آپ ہی کے پاس تک آیا تھا۔ مرزا۔ اِدھر اگر
کچھ دیر تشریف رکھنا منظور ہو تو میں اندر پردہ کرادوں۔ کلیم۔ میں آج شب کو آپ ہی کے
یہاں رہنے کی نیۃ سے آیا ہوں۔ مرزا۔ بسم اللہ تو چلئے اسی مسجد میں تشریف رکھئے بڑی
فضا[۵۱] کی جگہ ہی۔ میں ابھی آیا۔ کلیم نے جو مسجد میں آکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک نہایۃ پُرانی چھوٹی سی
مسجد ہی۔ وہ بھی مسجد ضرار[۵۲] کی طرح ویران۔ وحشت ناک۔ نہ کوئی حافظ ہی۔ نہ مُلّاں۔ نہ طالب العلم۔ نہ مسافر
ہزار ہا چمگدڑیں اُس میں رہتی ہیں۔ کہ اُن کی تسبیحِ[۵۳] بے ہنگام سے کان کے پردے پھٹے جاتے ہیں
فرش پر اس قدر بیٹ پڑی ہی کہ بجائے خود کھڑ بجے کا فرش بن گیا ہی۔ مرزا کے انتظار میں
کلیم کو چار و ناچار اُسی مسجد میں ٹھیرنا پڑا[۵۴]۔ مرزا آئے بھی تو اتنی دیر کے بعد کہ کلیم مایوس
ہو چکا تھا۔ قبل اس کے کہ کلیم شکایۃ کرے مرزا صاحب بطور دفعِ دخلِ[۵۵] مقدر فرمانے لگے

کہ بندے کے گھر میں کئی دن سے طبیعۃ علیل ہی۔ خفقان کا عارضہ اختلاجِ قلب کا روگ ہی۔ اب میں جو آپ کے پاس سے گیا تو اُن کو غشی میں پایا اس وجہ سے دیر ہوئی۔ پہلے یہ تو فرمائیے کہ اس وقت بندہ نوازی فرمانے کی کیا وجہ ہی۔ کلیم نے باپ کی طلب۔ اپنا انکار۔ بھائی کی التجا۔ ماں کا اصرار تمام ماجرا کہہ سنایا۔ مرزا۔ پھر اب ارادہ کیا ہی۔ کلیم۔ سوا اس کے کہ اب گھر لوٹ کر جانے کا ارادہ تو نہیں ہی اور جو آپ کی صلاح ہو۔ مرزا۔ خیر نیۃ شب حرام صبح تو ہو۔ آپ بے تکلف استراحۃ فرمائیے۔ میں جاکر بچھونا وغیرہ بھیجے دیتا ہوں۔ اور مجھ کو مریضہ کی بیمار داری کے لئے اجازۃ دیجئے کہ آج اُس کی علالۃ میں اشتداد ہی۔ کلیم۔ یہ ماجرا کیا ہی۔ تم تو کہا کرتے تھے کہ ہمارے یہاں دوہری محل سرائیں۔ متعدد دیوان خانے۔ کئی پائیں باغ ہیں۔ حوض اور حمام اور کٹرے اور گنج اور دوکانیں اور سرائیں ہیں تو جانتا ہوں عمارۃ کی قسم سے کوئی چیز ایسی نہ ہو گی جس کو تم نے اپنی ملک نہ بتایا ہو۔ یا یہ حال ہی کہ ایک متنفس کے واسطے ایک شب کے لئے تم کو جگہ میسر نہیں۔ جو جو حالات تم نے اپنی زبان سے بیان کئے اُن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ جمعدار کے تمام ترکے پر تم قابض اور متصرف ہو۔ لیکن میں اُس تمام جاہ و حشمۃ کا ایک شمہ بھی نہیں دیکھتا۔ مرزا۔ آپ کو میری نسبۃ سخن سازی کا احتمال ہونا سخت تعجب کی بات ہی۔ اتنی مدۃ مجھ سے آپ سے صحبۃ رہی مگر افسوس ہی آپ نے میری طبیعۃ اور میری عادۃ کو نہ پہچانا۔ یہ اختلافِ حالۃ جو آپ دیکھتے ہیں اس کی ایک وجہ ہی۔ بندے کو جمعدار صاحب مرحوم و مغفور نے متبنیٰ کیا تھا اور اپنا جانشین کر مرے تھے۔ شہر کے کل رؤسا اس سے واقف و آگاہ ہیں۔ اُن کے انتقال کے بعد لوگوں نے اس میں رخنہ اندازیاں کیں۔ بندے

کو آپ جانتے ہیں کہ بکھیڑے سے کوسوں بھاگتا ہو صحبت نا ملائم دیکھ کر کنارہ کش ہو گیا۔ لیکن
کسی کو انتظام کا سلیقہ بند و بست کا حوصلہ نہیں۔ اُسی روز سے اندر باہر واویلا مچی ہوئی ہے
اور اس بات کے مشورے ہو رہے ہیں کہ بندے کو منا لے جائیں۔ کلیم۔ لیکن آپ نے کبھی
اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔ مرزا۔ اگر میں آپ سے یا کسی سے تذکرہ کرتا تو استقلالِ مزاج سے
بے بہرہ اور غیرۃ و حمیۃ سے بے نصیب ٹھیرتا۔ اب آپ کو کھڑے رہنے میں تکلیف ہوتی ہے اجازۃ
دیجئے کہ میں جا کر بچھونا بچھوا دوں اور مریضہ کی بیمارداری کروں۔ کلیم۔ خیر مقام مجبوری ہے لیکن
پہلے ایک چراغ تو بھیج دیجئے۔ تاریکی کی وجہ سے طبیعۃ اَور بھی گھبراتی ہے۔ مرزا۔ چراغ کیا میں نے تو
لمپ روشن کرانے کا ارادہ کیا تھا لیکن گرمی کے دن ہیں پروانے بہت جمع ہو جائیں گے اور آپ
زیادہ پریشان ہو جیئے گا اور اس مکان میں ابابیلوں کی بھی کثرۃ ہے روشنی دیکھ کر گرنے شروع
ہوں گے اور آپ کا بیٹھنا دشوار کر دیں گے۔ تھوڑی دیر صبر کیجئے کہ ماہتاب نکلا آتا ہے۔ کلیم جب گھر سے نکلا
تو کھانا طیار تھا لیکن وہ اس قدر طیش میں تھا کہ اُس نے کھانے کی مطلق پروا نہ کی۔ اور بے کھائے نکل کھڑا
ہوا۔ مرزا سے ملنے کے بعد وہ منتظر تھا کہ آخر مرزا خود پوچھیں ہی گے تو کہہ دوں گا۔ مرزا کو ہر چند کھانے
کی نسبۃ پوچھنا ضرور تھا کیونکہ اول تو کچھ ایسی رات زیادہ نہیں گئی تھی دوسرے یہ اُس کو معلوم
ہو چکا تھا کہ کلیم گھر سے لڑ کر نکلا ہے تیسرے دونوں میں بے تکلفی غایۃ درجے کی تھی لیکن مرزا قصداً
اِس بات سے متعرض ہی نہ ہوا۔ اور کلیم بے چارے کا بھوک کے مارے یہ حال کہ مسجد میں آنے سے
پہلے اُس کی انتڑیوں نے قل ہو اللہ پڑھنی شروع کر دی تھی۔ جب اُس نے دیکھا کہ مرزا کسی طرح
اِس پہلو پر نہیں آتا اور عن قریب تمام شب کے واسطے رخصۃ ہوا چاہتا ہے تو بے چارے نے بے غیرۃ

بن کر خود کہا کہ سنو یار میں نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ مرزا۔ سچ کہو۔ نہیں جھوٹھ بہکاتے ہو۔ کلیم۔
تمھارے سر کی قسم میں بھوکھا ہوں۔ مرزا۔ مرد خدا تو آتے ہی کیوں نہیں کہا۔ اب اتنی رات گئے
کیا ہو سکتا ہے۔ دکانیں سب بند ہوگئیں۔ اور جو ایک دو کھلی بھی ہیں تو باسی چیزیں رہ گئی
ہوں گی جن کے کھانے سے فاقہ بہتر۔ گھر میں تو آج آگ تک نہیں سلگی۔ مگر ظاہر اتم سے بھوکھ کی
سہار ہونی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ دیو اشتہا کو زیر کرنا بڑی ہمت والوں کا کام ہے۔ ایک تدبیر سمجھ میں
آتی ہے کہ جاؤں چھدامی بھڑبھوجے کے یہاں سے گرما گرم خستہ چنے کی دال بھنوا لاؤں۔ بس ایک
دھیلے کی مجھ کو اور تم کو دونو کو کافی ہوگی۔ رات کا وقت ہے۔ ابھی کلیم کچھ کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ مرزا
جلدی سے اُٹھ باہر گئے اور چشم زدن میں چنے بھنوا لائے۔ مگر دھیلے کے کہہ کر گئے تھے یا تو کم کے لائے
یا راہ میں دو چار پھنکے لگائے۔ اس واسطے کہ کلیم کے روبرو دو تین مٹھی چنے سے زیادہ نہ تھے۔
مرزا۔ یار ہو تم بڑے خوش قسمت کہ اس وقت بھاڑ مل گیا۔ ذرا واللہ ہاتھ تو لگاؤ دیکھو تو کیسے
بھلس رہے ہیں۔ اور سوندھی سوندھی خوش بو بھی عجب ہی دل فریب ہے کہ بس بیان نہیں
ہو سکتا۔ تعجب ہے کہ لوگوں نے خس اور مٹی کا عطر نکالا مگر بھنے ہوئے چنوں کی طرف کسی کا ذہن
منتقل نہیں ہوا۔ کوئی فن ہو کمال بھی کیا چیز ہے۔ دیکھئے اتنی تو رات گئی ہے مگر چھدامی کی دوکان
پر بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ بندے نے تحقیق سنا ہے کہ حضور والا کے خاصے میں چھدامی کی دُکان کا
چنا بلاناغہ لگ کر جاتا ہے۔ اور واقع میں ذرا آپ غور سے دیکھئے کیا کمال کرتا ہے کہ بھونے بن چنوں
کو سڈول بنا دیتا ہے۔ بھئی تمہیں میرے سر کی قسم سچ کہنا۔ ایسے خوب صورۃ خوش قطع سڈول چنے تم نے
پہلے بھی کبھی دیکھے تھے۔ دال بنانے میں اُس کو یہ کمال حاصل ہے کہ کسی دالنے پر خراش تک نہیں

بھوک کا ۔۔۔ دیو کو دبانا ... پیٹ بھرا ... یعنی کسی کو ... ہیں سوجھی کہ ...

... چنوں کا عطر ... بادشاہ ... خاص ... ہی کھانا ...

ٹوٹنے پھوٹنے کا کیا مذکور۔ اور دانوں کی رنگت دیکھئے۔ کوئی بسنتی ہی۔ کوئی بسنتی۔ غرض دونو رنگ خوش نما۔ یوں صدہا قسم کے غلّے اور پھل زمین سے اُگتے ہیں لیکن چنے کی لذۃ کو کوئی نہیں پاتا۔ آپ نے وہ ایک ظریف کی حکایۃ سُنی ہی۔ کلیم۔ فرمائیے۔ مرزا۔ چنا ایک مرتبہ حضرۃ میکائیل عہ کی خدمۃ میں جن کو آرزاقِ عباد کا اہتمام سپرد ہی فریاد لے کر گیا کہ یا حضرۃ میں نے ایسا کیا قصور کیا ہی کہ جوں ہیں نے زمین سے سر باہر نکالا تب ستم چلنے لگا۔ ماکولات اور بھی ہیں مگر جیسے جیسے ظلم مجھ پر ہوتے ہیں کسی پر نہیں ہوتے۔ نشو و نما کے ساتھ تو میری قطع و برید ہونے لگتی ہی۔ میری کو پلوں کو توڑ کر آدمی ساگ بناتے اور مجھے کچّے کو کھا جاتے ہیں۔ جب بار آور ہوا تو خدا جھوٹ نہ بلوائے آدمی بکری بن کر لاکھوں من بونٹ چر جاتے ہیں۔ اس سے نجاۃ ملی تو ہولے کرنے شروع کئے۔ پکا تو شاخ و برگ بھس بن کر بیلوں اور بھینسوں کے دوزخِ شکم کا ایندھن ہوا۔ رہا دانہ اُس کو چکی میں دلیں۔ گھوڑوں کو کھلائیں۔ بھاڑ میں بھونیں۔ بیسن بنائیں کھولتے ہوئے پانی میں اُبالیں گھنگھنیاں پسائیں۔ غرض شروع سے آخر تک مجھ پر طرح طرح کی آفتیں نازل رہتی ہیں۔ چنے کا حضرۃ میکائیل ع کے دربار میں اس طرح پر بے باکانہ چٹر پٹر بولنا سُن کر حاضرین دربار اس قدر نا خوش ہوئے کہ ہر شخص اُسے کھانے کو دوڑا۔ چنا یہ ماجرا دیکھ کر بے انتظار حکم اخیر رخصۃ ہوا۔ سو حضرۃ یہ چنے ایسے لذۃ کے بنے ہیں کہ فرشتوں کے دندان آز بھی ان پر تیز ہیں۔ افسوس ہی کہ اس وقت نمک مرچ بہم نہیں پہنچ سکتا ورنہ میر بدّو کے کبابوں میں یہ خستگی اور یہ سوندھا پن کہاں۔ غرض مرزا نے اپنی چرب زبانی سے چنوں کو گھی کی تلی دال بنا کر اپنے دوست کلیم کو کھلایا۔ کلیم بھوکھا تو تھا ہی اُس کو بھی ہمیشہ سے کچھ زیادہ مزے دار

معلوم ہوئے۔ مرزا نے گھر جا کر ایک میلی دری اور ایک کثیف سا تکیہ بھیج دیا۔ دو ہی گھڑی میں کلیم کی حالۃ کا اس قدر متغیر ہو جانا عبرۃ کا مقام ہی۔ یا تو خلوۃ خانے اور عشرۃ منزل میں تھا یا اب ایک مسجد میں اگر پڑا اور مسجد بھی ایسی جس کا حال تھوڑا سا ہم نے اوپر بیان کیا۔ گھر کے الوان نعمۃ کو لات مار کر نکلا تھا تو پہلے ہی وقت چنے چبانے پڑے۔ نہ چراغ نہ چارپائی۔ نہ بہن نہ بھائی۔ نہ مونس نہ غم خوار۔ نہ نوکر نہ خدمتگار۔ مسجد میں اکیلا ایسا بیٹھا تھا جیسے قید خانے میں حاکم کا گنہ گار یا قفس میں مرغِ نو گرفتار۔ اور کوئی ہوتا تو اس حالۃ پر نظر کر کے متنبہ ہوتا۔ اپنی حرکت سے توبہ اور اپنے افعال سے استغفار کرتا۔ اور اسی وقت نہیں تو سویرے گھر دم باپ کے ساتھ نماز صبح میں جا شریک ہوتا۔ لیکن کلیم کو اور بہت سے مضمون سوچنے کو تھے۔ اس نے رات بھر میں ایک قصیدہ تو مسجد کی ہجو میں طیار کیا۔ اور ایک مثنوی مرزا کی شان میں۔ صبح ہوا گھ لگ گئی تو نہیں معلوم مرزا یا محلے کا کوئی اور عیار ٹوپی۔ جوتی۔ رومال۔ چھڑی۔ تکیہ۔ دری۔ یعنی جو چیز کلیم کے بدن سے منفک اور اس کے جسم سے جدا تھی لے کر چمپت ہوا۔ یوں بھی کلیم بہت دیر کو سوتا اٹھتا تھا اور آج تو ایک وجہ خاص بھی۔ کوئی پہر سوا پہر دن چڑھے جاگا تو دیکھتا کیا ہی کہ فرش مسجد پر پڑا ہی۔ اور نیند کی حالۃ میں جو کروٹیں لی ہیں تو سیروں گرد کا بھبوت اور چمگادڑوں کی بیٹ کا ضماد بدن پر تھپا ہوا ہی۔ حیران ہوا کہ قلب باشستہ ہو کر میں کہیں بھتنا تو نہیں بن گیا۔ مرزا کو ادھر دیکھا ادھر دیکھا کہیں پتہ نہیں۔ مسجد تھی ویران اس میں پانی کہاں۔ صبر کر کے بیٹھ رہا۔ کہ کوئی اللہ کا بندہ ادھر کو آ نکلے تو اس کے ہاتھ مرزا کو بلواؤں۔ اور یا مونہ ہاتھ دھو کر خود مرزا تک جاؤں۔ اس میں دوپہر ہونے آئی۔ بارے ایک لڑکا کھیلتا ہوا آیا۔ جوں ہی زینے پر چڑھا کہ کلیم اس سے

عرض مطلب کرنے کے لئے لپکا۔ وہ لڑکا اُس کی ہیأۃ کذائی دیکھ ڈر کر بھاگا۔ خدا جانے
اُس نے اس کو بھوت سمجھا یا سڑی خیال کیا۔ کلیم نے بہتیرا پکارا اُس لڑکے نے پیٹھ پھیر کر
نہ دیکھا۔ ناچار کلیم نے بہزار مصیبۃ دوسرے فاقے سے شام پکڑی۔ اور جب اندھیرا ہوا تو
اُلو کی طرح اپنے نشیمن سے نکلا۔ سید ھا مرزا کے مکان پر گیا۔ آواز دی تو یہ جواب ملا کہ وہ
تو بڑے سویرے کے قطب صاحب سدھارے ہیں۔ کلیم نے چاہا کہ اپنا تعارف ظاہر کر کے ممکن ہو تو
مُونہ دھونے کو پانی مانگے اور مرزا کی پھٹی پُرانی جوتی اور ٹوپی۔ تاکہ کسی طرح گلی کوچے میں چلنے
کے قابل ہو جائے۔ یہ سوچ کر اس نے کہا کیوں حضرۃ آپ مجھ سے بھی واقف ہیں۔ اندر سے آواز
آئی ہم تمھاری آواز تو نہیں پہچانتے اپنا نام و نشان بتاؤ تو معلوم ہو۔ کلیم۔ میرا نام کلیم ہے اور مجھ سے
اور مرزا ظاہر دار بیگ، سے بڑی دوستی ہے۔ بلکہ میں شب کو مرزا صاحب ہی کی وجہ سے مسجد میں
تھا۔ گھر والے۔ وہ دری اور تکیہ کہاں ہے جو رات تمھارے سونے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ تکیہ اور دری
کا نام سُن کر تو کلیم بہت چکرایا اور ابھی جواب دینے میں متامل تھا کہ اندر سے آواز آئی مرزا زبردست بیگ
دیکھنا یہ مردوا کہیں چل نہ دے دوڑ کر تکیہ دری تو اس سے لو۔ کلیم یہ بات سُن کر بھاگا۔ ابھی
گلی کے نکڑ تک نہیں پہنچا تھا کہ زبردست نے چور چور کر کے جا لیا۔ ہر چند کلیم نے مرزا
ظاہر دار بیگ کے ساتھ اپنے حقوق معرفۃ ثابت کئے مگر زبردست کا ٹھینگا سر پر اُس نے
ایک نہ مانی اور پکڑ کر کوتوالی لے گیا۔ کوتوال نے سرسری طور پر دونو کا بیان سُنا اور کلیم سے
اُس کا حسب نسب پوچھا۔ ہر چند کلیم اپنا پتا بتانے میں جھینپتا تھا مگر چار و ناچار اُس کو بتانا پڑا:
لیکن اُس کی حالۃ ظاہری ایسی ابتر ہو رہی تھی کہ اُس کا سچ بھی جھوٹ معلوم ہوتا تھا۔ کوتوال

لئے آ پہنچے۔ یہ اتفاق مِن جانب اللہ[۱] شاید اس وجہ سے پیش آیا کہ جو لوگ کلیم کی نظر میں صرف اس وجہ
سے ذلیل تھے کہ وہ اپنے خالق کی پرستش کرتے تھے یا اپنے اور اپنے بال بچوں کے پیٹ بھرنے
کے لئے محنت مزدوری کرکے بوجہ حلال روزی پیدا کرتے تھے اُن کے سامنے اُس کی گردن نخوت[۲]
نیچی ہو۔ اب وہ اُن ہی قل اعوذیوں اور مردہ شویوں اور بھک منگوں اور ٹکڑ گداؤں کے روبرو
اس حیثیت سے کھڑا تھا کہ منکر نکیر[۳] کی طرح دو سپاہی اُس کی گردن پر سوار تھے۔ نہ سر پر ٹوپی نہ پاؤں
میں جوتی۔ دو وقت کے فاقے سے مُونہ سوکھ کر ذری سا نکل آیا تھا۔ آنکھوں میں حلقے پڑ گئے تھے
ہونٹھوں پر پپڑیاں جم رہی تھیں۔ کپڑوں کا وہ حال تھا کہ ایسے لباس سے ننگا ہوتا تو بہتر تھا۔
جوں نصوح کی نظر بیٹے پر پڑی گویا ایک تیر سا کلیجے میں لگ گیا۔ اگر پہلا سا نصوح ہوتا تو نہیں
معلوم عورتوں کی طرح ڈاڑھیں مار کر روتا۔ یا سر پیٹنے لگتا۔ یا دوڑ کر بیٹے کو لپٹ جاتا۔
یا سپاہیوں سے بے پوچھے گچھے دست گریباں[۴] ہو پڑتا۔ یا خدا جانے اضطراب جاہلانہ میں
کیا کیا کرتا۔ مگر اب اُس کے جملہ حرکات و سکنات معلم دین داری کے مطیع اور سوز خدا پرستی
کے تابع تھیں اُس نے ایک دمِ سرد بھر کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ تو کہا اور اُف
بھی نہ کی۔ سپاہیوں نے اُس سے کلیم کی نسبت پوچھا تو اُس نے آنکھیں نیچی کرکے کہا کہ جب حضرت نوح[۵]
اپنے بیٹے کو ڈوبتے دم تک بیٹا بیٹا پکارتے گئے تو میں اس کے فرزند ہونے سے کیوں کر انکار کر سکتا ہوں
سپاہی تو اتنا سُن کر رخصت ہوئے اور کلیم کو رفقائے نصوح میں سے کسی نے ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو
میں بٹھا لیا۔ نصوح بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر بولا کیوں کلیم میں نے ایسا کون سا قصور کیا تھا کہ تم کو
میری طلعتِ[۶] منحوس تک دیکھنی گوارا نہ ہوئی۔ تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ شفقتِ

---

۱ خدا کی طرف سے ۱۲
۲ غرور ۱۲
۳ اُن دو فرشتوں کا نام ہے جو قبر میں بازپرس کرنے آتے ہیں ۱۲
۴ یعنی اس کا ہاتھ سپاہیوں کے گریبان میں ہوتا اور ان کا ہاتھ اس کے گریبان میں یعنی سپاہیوں سے ہاتھا پائی کی نوبت پہنچ جاتی ۱۲
۵ حضرت نوح کا بیٹا کافر تھا طوفان آیا تو وہ حضرت نوح کی کشتی میں بھی نہ آیا اور ڈوب مرا حضرت نوح آخر تک اُس کو بلاتے اور اُس کے لئے خدا کی بارگاہ میں دعا کرتے رہے ۱۲
۶ صورۃ شکل ۱۲

نے سُن کر یہی کہا کہ میاں نصوح جن کو تم اپنا والد بتاتے ہو میں اُن کو خوب جانتا ہوں۔ اور یہ بھی مجھ کو معلوم ہی کہ اُن کے بڑے بیٹے کا یہی نام ہی جو تم نے اپنا بیان کیا۔ محلے کا پتا گھر کا نشان بھی جو تم نے کہا سب ٹھیک۔ مگر کلیم تو ایک مشہور و معروف آدمی ہی۔ آج شہر میں اس کی شاعری کی دھوم ہی۔ تمھاری یہ حیثیت کہ ننگے سر ننگے پاؤں بدن پر کیچڑ تھپی ہوئی مجھ کو باور نہیں ہوتا۔ اچھا اب رات کو کیا ہو سکتا ہی جرم سنگین ہی ان کو حوالات میں رکھو صبح ہو میں ان کے والد کو بلواؤں تو ان کے بیان کی تصدیق ہو۔ کلیم یہ سن کر رو دیا اور کہا کہ میں وُہی بدنصیب ہوں جس کی شعر گوئی کا شہرہ آپ نے سُنا ہی۔ اور آپ کو یقین نہ ہو تو میں افکار تازہ آپ کو سناؤں چنانچہ کل شب کو جو کچھ مسجد و مرزا کی شان میں کہا تھا سُنایا۔ اُس پر کوتوال نے اتنی رعایۃ کی کہ دو سپاہی کلیم کے ساتھ کیے اور اُن کو حکم دیا کہ ان کو میاں نصوح کے پاس لے جاؤ اگر وہ ان کو اپنا فرزند بتائیں تو چھوڑ دینا ورنہ واپس لاکر حوالات میں قید رکھنا۔ کلیم پر اس کیفیتہ سے باپ کے روبرو آنا جیسا کچھ شاق گزرا ہو گا ظاہر ہی۔ مگر کیا کر سکتا تھا۔ سپاہی اس کو کشاں کشاں لے ہی گئے۔ محلے کی مسجد جس میں نصوح نماز پڑھا کرتا تھا اُس کے گھر سے بہت قریب تھی۔ صحن مسجد میں ایک شاداب چمن تھا۔ اور چمن کے بیچوں بیچ ایک پکا مرتفع چبوترہ عجب تفریح کا مقام تھا۔ نصوح بشتہ نماز عشا کے بعد خصوصاً چاندنی راتوں میں اُس چبوترے پر بیٹھ کر پھول بوٹوں میں خداوند تعالیٰ کے صنعتہ کا ملاحظہ کیا کرتا تھا۔ اُس کو بیٹھا دیکھ دوسرے نمازی بھی جمع ہو جاتے تھے۔ اور نصوح کو وعظ و پند کے طور پر اُن کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقع ملتا تھا۔ نصوح اور اُس کے مستمعین مسجد کے چبوترے پر جمع ہوتے جاتے تھے کہ کوتوالی چبوترے کے سپاہی کلیم کو

۱ تمھاری کم بخت ۲ ناگوار ۳ کھینچ کھینچ کر ابھار ابھار اور دکھا کر ۴ یعنی وہاں بیٹھنے سے طبیعت خوش ہو جاتی تھی ۵ کاریگری ۶ سننے والے

اولاد ماں باپ کی طبیعت میں مخمر اور اُن کی جبلّت میں داخل ہے۔ وہ شفقت جو اس وقت مجھ کو اس بات کی محرک ہوئی کہ میں سپاہیوں کے پنجے سے تمھاری نجات کا باعث ہوا۔ وہی شفقت مجھ کو اس بات پر بھی مجبور کرتی تھی اور کرتی ہے اور کرے گی کہ میں تم کو ایسی راہ نہ چلنے دوں جو تمھاری ابدی ہلاکت کا باعث اور دائمی تباہی کا موجب ہو۔ میں نے تم سے نہیں کہا کہ میرے لئے کمائی کرو۔ میری آسائش کے واسطے اپنے اوپر تکلیف اٹھاؤ۔ اور اگر میں ایسا کہتا بھی تو مجھ کو اس کا منصب اور حق تھا۔ میں نے جس کمائی کو کہا وہ تمھارے ہی کام آئے گی۔ اور جس محنت کی تم کو تکلیف دی وہ تم ہی کو آرام دے گی۔ اگر کسی بیمار کا طبیب مہربان سے پرہیز کسی سیاح کا بدرقہ خیر خواہ سے گریز کرنا روا ہے تو بے شک تم بھی مجھ سے نفرت رکھ سکتے ہو۔ کیوں کلیم کیا ہمیشہ تمھاری خوشی مجھ کو منظور تمھاری رضا جوئی مجھ کو ملحوظ نہیں رہی۔ اب جو تم نے مجھ کو اپنا دشمن قرار دیا اپنا عدو ٹھہرایا تو دشمنی کا سبب عداوت کا موجب۔ میں نے سنا ہے کہ تم مجھ کو دیوانہ۔ اور مجنون۔ اور مختل الحواس تجویز کرتے ہو۔ سو میں تمھاری اس تشخیص صحیح اور تجویز درست اور اس فراست صائب پر جرح نہیں کرتا۔ میں باولا اور سڑی اور پاگل سہی لیکن اگر کوئی باولا تمھاری راہ میں کانٹے پڑے دیکھ کر تم کو آگاہ کرے تو کیا اُس کی بات کو نہ سُننا اُس کی نصیحت کو نہ ماننا اُس کی فریاد کی طرف ملتفت نہ ہونا شیوہ دانش مندی ہے۔ پھر تم کو یہ بھی سوچنا اور چاہئے کہ آیا میں اکیلا اس جنون میں مبتلا ہوں یا اور بندگان خدا بھی میری ہی سی اے میرے ہی سے خیالات رکھتے ہیں۔ کلیم میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جتنے بزرگان دین ہو گزرے ہیں (خدا اُن کی پاکیزہ اور مطہر روحوں پر رحمت کاملہ نازل کرے) اور جتنے نیک بندے اب موجود ہیں (خدا ان کے حیاۃ میں برکت

---

۱ خمیر میں داخل
۲ اصل۔ طبیعت
۳ یعنی جس مہربانی نے مجھ سے مہربانی کرائی
۴ ہمیشگی کی
۵ جو شخص پیر کے ہمراہ پھرتا ہو
۶ راہ بتانے والا
۷ ایک بات کو جانچ لینا۔ ٹھیک
۸ درست
۹ اعتراض

(۷) کوئی اس جنون سے خالی نہیں۔ بلکہ جس کو جتنا یہ جنون زیادہ اُسی قدر وہ برگزیدہ
اور خدا رسیدہ زیادہ۔ کیا اس بات کا اقرار کرنا جنون ہے کہ ہم بندے ہیں۔ اور اُس کا بھی
ہم پر کچھ حق ہے جس نے ہم کو پیدا کیا۔ جو ہم کو روزی دیتا ہے۔ جو ہم کو جلاتا اور مارتا ہے۔ جو پانی
برساتا اور زمین سے ہمارے لئے سرمایۂ حیاۃ اُگاتا ہے۔ جس نے ہماری جانوں کی شادابی اور تازگی
کے لئے آبِ شیریں اور خوشگوار کے سوتے زمین میں جاری کر رکھے ہیں۔ اور ہماری روحوں
کے انبساط کے لئے ہوا کا ذخیرہ کافی مہیا فرما دیا ہے۔ جس کے حکم سے چاند سورج اپنے معمول
سے نکلتے اور غروب ہوتے ہیں۔ تاکہ کام کرنے کے لئے دن ہو اور آرام لینے کے لئے رات۔
جس نے دنیا کے قوی ہیکل اور زبردست جانوروں کو ہمارا مطیع اور منقاد بنا دیا ہے کہ اُن سے
ہم سواری لیتے۔ اُن پر اپنا بوجھ لادتے۔ اُن کے گوشت اور پوست اور دودھ سے مستفید ہوتے
ہیں۔ جس نے انسان کو گویائی اور بیان کی قوۃ عطا کی ہے۔ جس کے ذریعے سے وہ اپنا مافی الضمیر اپنے
ابنائے جنس پر ظاہر کر سکتا ہے۔ جس نے انسانِ ضعیف البنیان کو عقل کی قوۃ اور دانش کی طاقت دے کر
روئے زمین کا بادشاہ اور مخلوقات کا حاکم بنایا ہے۔ جس نے کائنات میں سے ہر موجود کو اُس کی مناسب حالت
خلق کیا ہے۔ اگر دنیا کے سارے درخت قلموں میں صرف کر دئے جائیں۔ اور ساتوں سمندر کا پانی
سیاہی کی جگہ کام میں لایا جائے۔ اور پڑھے لکھے لوگ جتنے ابتدائے آفرینش سے اب تک ہو چکے اور اب
موجود ہیں اور آئندہ پیدا ہونے والے ہیں سب کے سب مل کر اُس کی تعریف۔ اُس کے احسانات۔
اُس کے انعامات روزِ قیامۃ تک بیٹھے لکھا کریں تو گھستے گھستے درخت ہو چکیں۔ سمندر سوکھ
جائیں۔ لکھنے والے تھک کر بیٹھ رہیں۔ مگر اُس کے حق واجب کا ایک عشر عشیر بھی ادا

نہ ہو۔ کلیم فنا ایک ایسی بدیہی بات ہے کہ دنیا میں کوئی اُس کا منکر نہیں اور نہ اُس سے انکار ممکن ہے۔ ہیضے کی وبا کو دفع ہوئے برس نہیں گزرا تمھارے دیکھتے کیسے کیسے لوگ بڑے کڑیل توانا۔ اچھے چنگے چلتے پھرتے۔ امیر و غریب۔ عالم و جاہل۔ بھلے اور بُرے سبھی طرح کے صدہا ہزار ہا ہدفِ[1] تیرِ قضا ہوگئے۔ سدا رہے نام اللہ کا۔ وبا پر کیا منحصر ہے وعدے[2] سے دم زیادہ نہ کم۔ مرنا برحق۔ اچھا پھر مرے پیچھے کیا ہوگا۔ وہی عقیل ہے وہی فہیم ہے وہی زیرک۔ وہی دانش مند جو اس سوال کا جواب معقول دے۔ جو اس معمے کو حل کرے۔ جو یہ پہیلی بوجھے۔ کلیم انسان کی خاص طرح کی خلقۃ یعنی اُس کا وجود عاقل ہونا اس بات کا مقتضی ہے کہ ضرور اس سے کوئی بڑی خدمت متعلق اور اس کے ذمے زیادہ جواب دہی ہے۔ اگر اس کا صرف یہی کام ہوتا کہ پیٹ بھر لے اور سو رہے اور گرمی سردی سے اپنے تئیں بچالے تو اس کے لئے زیادہ عقل کی ضرورۃ نہ تھی۔ جانور اپنے بڑے بڑے جثوں[3] کی پرداخت[4] پر بخوبی قادر ہیں۔ حالانکہ عقل سے بے بہرہ اور دانش سے بے نصیب ہیں۔ پس اُس خدمت اور اُس ذمہ داری کو دریافت کرنا شرطِ انسانیت ہے۔ نصوح کا وعظ سن کر اُس کے ہم راہیوں کے دلوں میں دین داری کے ولولے اور خدا پرستی کے جوش تازہ ہوگئے۔ حاضرین میں کلیم کے سوائے کوئی متنفس نہ تھا جس پر تھوڑی یا بہت رقت[5] طاری نہ ہوئی ہو۔ لیکن کلیم بقول سعدی شیرازی[6] ؎ باسیہ دل چہ سود گفتنِ وعظ ؛ نرود میخِ آہنی در سنگ ؛ سکوت کی حالۃ میں سرنگوں[7] تھا۔ اُس کا سکوت یا تو اس وجہ سے تھا کہ نصوح کا سلسلۂ سخن[8] بلافصل تھا اور اُس کو بیچ میں بات کہنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ یا وہ دوسرے دوسرے منصوبے سوچ رہا تھا۔ اُس کا سرنگوں ہونا بھی

۱ موت کے تیر کا نشانہ ۲ یعنی موت کے وعدے سے ۳ جسموں ۴ پرورش ۵ رونا یعنی ۶ سیاہ دل کے آگے وعظ کہنے سے کیا فائدہ ہو جس طرح پتھر میں ٹھونکا ہوا لوہے کی میخ بے اثر ہی جا سکتی ہی ۷ خاموشی ۸ جھکا ہوا ۹ یعنی اس کی بات کا سلسلہ ٹوٹا تھا ... سبب ان کی بھی

کچھ گناہ کی ندامت سے نہ تھا بلکہ اپنی حالۃ کی شرمندگی سے۔ جب نصوح نے دیکھا کہ وہ ہاں یا نہیں کچھ بھی نہیں کہتا تو اُس نے ذرا گرم ہو کر اتنی بات کہی کہ بڑی دقت تمھارے معاملے میں مجھ کو یہ درپیش ہی کہ تمھارا مافی الضمیر مجھ پر منکشف نہیں ہوتا۔ شروع میں تم نے میرے سامنے آنے سے گریز کیا اور اب مواجہہ بھی ہوا تو بے سود۔ ابھی تک کلیم نے کوئی لفظ مونہ سے نہیں نکالا تھا کہ نصوح کے ہم راہی جو کلیم کے حالات سے واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ دین داری کی تاکید پر گھر سے نکل گیا ہی بول اُٹھے کہ ای حضرۃ میاں کلیم ماشاء اللہ بڑے ذہین اور زیرک اور عاقل ہیں جو کچھ آپ نے فرمایا اِنھوں نے گرہ باندھا۔ اگرچہ باقتضا سن اب تک لہو و لعب کی طرف متوجہ تھے مگر اب آپ دیکھئے گا کہ ان شاء اللہ ایسے جوان صالح اور متشرع اور متقی بنیں گے کہ اپنے ہم عمروں کے لئے نمونہ ہوں گے۔ آپ گھر میں تشریف لیجائیے یہ بھی آپکے ساتھ جائیں کپڑے بدلیں اور آپ کی نصیحۃ پر عمل کریں جس میں دنیا اور دین دونو کا فائدہ ہی۔ نصوح نے پھر کلیم کی طرف مخاطب ہو کر کہا کیوں صاحب کچھ تم بھی تو اپنے دل کا ارادہ بیان کرو۔ کلیم۔ مجھ کو آپ اتنی اجازۃ دیجئے کہ گھر سے اپنی ضرورۃ کی چند چیزیں منگوا لوں۔ نصوح۔ سخت افسوس ہی کہ تم دنیا کی چند روزہ اور عارضی ضرورتوں کا تو اہتمام کرتے ہو اور دین کی بڑی ضرورۃ سے غافل ہو۔ بیت

غمِ دیں خور کہ غمِ دین است ؎ ہمہ غم ہا فروتر از این است ؂ ضرورۃ کی چیزیں منگوا لینا کیا معنی تم شوق سے گھر میں چلو۔ غالباً میری نسبتہ کر تم کو اُس گھر میں زیادہ دنوں رہنا ہی۔ پس وہ گھر میرا کیوں فرض کر لیا گیا ہی۔ تمھاری ماں بہت بے تاب ہی۔ چھوٹے بڑے سب فکر مند ہیں۔ میرے جرم کی سزا دوسروں کو دینا

شیوۂ انصاف سے بعید ہی۔ کلیم۔ مجھ کو معلوم ہی کہ آپ چند روز سے دینداری اور خداپرستی کے نام سے نئے نئے دستور۔ نئے نئے طریقے۔ نئے نئے قاعدے گھر میں جاری کرنے چاہتے ہیں۔ اور اس جدید انتظام میں جیسا کچھ اہتمام آپ کو منظور ہی میں کیا گھر میں کوئی متنفس اُس سے بے خبر نہیں۔ ہر شخص اس بات کو اچھی طرح سے جان چکا ہی کہ اس انتظام جدید کی مخالفۃ کے ساتھ گھر میں رہ نہیں سکتا۔ پس میں نے اپنی طرف سے بہتیری کوشش کی کہ مجھ کو اپنی مخالفۃ آپکے روبرو ظاہر کرنے کی ضرورۃ نہ ہو مگر آپکے اصرار نے مجھ کو مجبور کر دیا اور اب ناچار مجھ کو کہنا پڑا کہ میں شروع سے اس انتظام کا مخالف ہوں اور میرا گریز میری رائے کے ظاہر کر دینے کے لئے کافی تھا۔ میں ایک بال برابر اپنی طرز زندگی کو نہیں بدل سکتا۔ اور اگر جبر اور سخت گیری کے خوف سے میں اپنی رائے کی آزادی باقی نہ رکھ سکوں تو تُف[۱] ہی میری ہمۃ پر اور نفرین ہی میری غیرۃ پر۔ اور میں اس میں بھی کلام نہیں کرتا کہ آپ کو اپنے گھر میں ہر طرح کے انتظام کا اختیار حاصل ہی۔ مگر اُس جبری انتظام کے وہی لوگ پابند ہو سکتے ہیں جن کو اُس کی واجبیۃ تسلیم ہو یا جو اُس کی مخالفۃ پر قدرۃ نہ رکھتے ہوں۔ اور چونکہ میں دونوں شقوں[۲] سے خارج ہوں میں نے اپنی عافیۃ[۳] اسی میں سمجھی کہ گھر سے الگ ہو جاؤں۔ اور اگرچہ میری اس وقت کی حالۃ پر کہنا زیب نہیں دیتا لیکن ذرا مجھ کو دہلی سے نکلنے دیجئے تو پھر آپ اور سب لوگ دیکھ لیں گے کہ میں کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ قاعدہ ہی کہ وطن میں آدمی بے قدر رہتا ہی چنانچہ آپکے نزدیک بھی یہ بات ثابت ہی کہ مجھ کو گھر سے نکلنے پر بھیک مانگی نہیں ملے گی۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہی آپ کا فرزند نالائق و ناخلف ہو گا اور کسی امیر کی مصاحبۃ ہو گی یا کسی ریاستہ کی وزارۃ۔ میں ایسا بھی احمق نہیں ہوں کہ آپ پر

[۱] تھو [۲] صورتوں [۳] آسائش

نامہربانی کی تہمت لگاؤں۔ آپ وہی بات فرماتے ہیں جو آپ میرے حق میں بہتر سمجھتے ہیں۔
لیکن میری بے ادبی اور گستاخی معاف میں اپنے تئیں محتاجِ تعلیم وہدایت نہیں سمجھتا۔ رہا گھر
سو اُس میں صرف اِسی شرط سے چل سکتا ہوں کہ آپ میرے نیک و بد سے بحث میرے بھلے
بُرے سے تعرض نہ کرنے کا قولِ واثق اور وعدۂ حتمی کریں۔ نصوح۔ اس کا یہ مطلب کہ تم نے
مجھ کو منصبِ پدری سے معزول کیا۔ کلیم۔ نہیں آپ نے مجھ کو فرزندی سے عاق فرمایا۔
اس کے بعد نصوح گھر میں آنے کی نیت سے اُٹھا اور اس کا ارادہ تھا کہ طوعاً کرہاً جس طرح ممکن ہو
کلیم کو ساتھ لوا جائے۔ مگر کلیم نہیں معلوم کیوں کر نصوح کے بطون کو تاڑ گیا کہ اس کو اُٹھتا
دیکھ چبوترے سے جست کی تو صحن میں تھا اور صحن سے تڑپا تو احاطے کے باہر۔ لوگوں نے
دوڑ کر دیکھا تو وہ بازار کے پرلے سرے جا چکا تھا۔ یہ دیکھ کر نصوح ہکا بکا سا ہو کر رہ گیا۔
اور جس طرح اُس نے بیٹے کو سپاہیوں کے ہاتھوں میں گرفتار دیکھ کر انا للہ کہا تھا اب بیٹے سے
جدا ہوتے وقت بھی وہ انا للہ کہہ کر چپ ہو رہا۔ غرض کلیم نہ گھر گیا اور نہ گھر سے اُس کو کوئی چیز لینی
نصیب ہوئی اُسی طرح اُلٹے پاؤں پھر کر چلا گیا۔ نصوح کے پہنچتے پہنچتے یہ تمام ماجرا کسی نے گھر میں
جا کہا اور مستورات میں بیٹھے بٹھائے ایک کہرام مچ گیا۔ فہمیدہ بے تاب ہو کر باولوں کی طرح دروازے میں آ کھڑی
ہوئی اور قریب تھا کہ پردے سے باہر نکل آئے کہ نصوح جا پہنچا۔ بی بی کو دروازے میں کھڑا دیکھ حیران ہو کر پوچھا
کہ خیر تو ہے کہاں کھڑی ہو۔ فہمیدہ میاں کو دیکھ کر بلک گئی اور گھبرا کر پوچھا کہ میرا کلیم کہاں ہے۔ نصوح۔ میرا کلیم
اگر کلیم تمہارا ہوتا تو تمہارے گھر میں ہوتا اور تمہارے اور باپ اور بھائی کے اتنے اصرار اور اتنے سمجھانے اور اتنی
منت اور اتنی خوشامد پر بے پوچھے بے کہے گھر سے نہ چلا جاتا۔ فہمیدہ۔ اچھی خدا کے لئے ذرا مجھ کو اُس کی صورت

دکھا دو میں نے سُنا ہے کہ سر سے ننگا ہے پاؤں میں جوتی نہیں اُس نے کا ہے کو کبھی زمین پر
پاؤں رکھا تھا کنکر تلوؤں میں بہت چبھتے ہوں گے۔ کوتوال وہ موئے سپاہی مجھے میرے بچے کے
پکڑنے والے۔ گھوڑا ہوتا تو آگے دیتے بھوئیں۔ ہاتھ لگایا ہو تو خدا کرے پور پور پھٹکے۔ میں
صدقے واری تھے وہ سپاہی اور قربان کیا تھا وہ کوتوال میرا بچہ اور چوری کرنے جاتا۔ نصوح۔
کیسی بدعقلی کی باتیں کرتی ہو چلو گھر میں چل کر بیٹھو باہر گلی میں تمہاری آواز جاتی ہے۔
تمہاری اسی بے تابی کی محبت نے اولاد کو دنیا اور دین دونوں سے تو کھو دیا اب دیکھئے کیا
کرے گی۔ فہمیدہ۔ اچھا پھر کلیم گیا تو کہاں گیا۔ نصوح۔ جانے میری جوتی کہاں گیا مجھ سے
پوچھ کر گیا ہو تو بتاؤں۔ نہیں معلوم خدائی خوار کہاں تھا اور کیسے لوگوں میں تھا کہ جو برائی
ہفتاد پشت سے نہیں ہوئی تھی وہ اس مردک کی وجہ سے ہوئی۔ اب مجھ کو قسم ہے تو منہ
دکھانا مشکل ہے۔ یا تو خدا اُس کو نیک ہدایت دے۔ یا میں اُس کو تو کیا بددعا دوں مجھ کو ایمان سے
اُٹھا لے کہ ان بکھیڑوں سے مجھ کو نجات ہو۔ فہمیدہ۔ کیوں کر تمہارے دل نے صبر کیا اور کن
آنکھوں سے تم نے بیٹے کو اس حالت میں دیکھا۔ نصوح۔ جس طرح اُس کی اُس گستاخی پر صبر
کیا تھا کہ میں نے بار بار بلایا اور وہ نہ آیا اُسی طرح میں نے اُس کی وہ حالت دیکھ کر صبر کیا۔ اور جن
آنکھوں سے تم اُس خلوت خانۂ عشرت منزل اور کتب خانے کی رسوائی اور خرابی اور تفضیح کو دیکھا
تھا اُن ہی آنکھوں سے اُس کو کھلے سر ننگے پاؤں چور بنا ہوا سپاہیوں کی حراست میں دیکھا۔ ع
جو کچھ خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا۔ فہمیدہ۔ تم سے اتنا نہ ہو سکا کہ اُس کو مجھ تک لے آتے۔ نصوح۔ اگر میں
اُس کو تم تک نہ لا سکا تو مجھ سے پہلے تم اُس کو مجھ تک نہیں لا سکیں ورنہ تم اُس کو جانے سے روک سکیں

فہمیدہ۔ کہاں تم مرد کہاں میں عورۃ۔ نصوح۔ تو کیا تمھاری مرضی یہ تھی کہ میں اُس سے کُشتی لڑتا۔ بس ایسے اخلاص[۱] سے مجھ کو معاف رکھئے۔ غرض نصوح سمجھا بُجھا کر بی بی کو گھر میں لے گیا اور یہ بات اُس کے ذہن نشین کر دی کہ رونے اور رنج کرنے سے مطلق فائدہ نہیں۔ البتہ خدا سے اُس کے حق میں زار نالی[۲] کے ساتھ دعا کرنی چاہیئے کہ بامراد اُس کو واپس لائے۔

اُدھر کلیم نے خالہ کے یہاں جانے کا ارادہ کیا۔ مگر اس وقت تک اُس کو نعیمہ کا حال معلوم نہ تھا۔ اگر کہیں خالہ کے یہاں چلا گیا ہوتا تو سب سے بہتر بات تھی۔ سر دست اُس کی ہمدردی کرنے کو نعیمہ وہاں موجود تھی اور چوں کہ اُس کی خالہ کا سارا خاندان نیک اور دین دار تھا کلیم کو نصوح کے خیالات سے مانوس[۳] کرنے کے لئے وہاں ہر طرح کا موقع تھا لیکن عصیان[۴] خدا کا وبال و عقوق[۵] والدین کی شامت ابھی بہت سی گردشیں اس کی تقدیر میں تھیں۔ جوں گلی کے باہر نکلا کہ میاں فطرۃ[۶] اس کو مل گئے۔ یہ حضرۃ نصوح کے چچا زاد بھائیوں میں تھے۔ اور اُن سے اور نصوح سے موروثی عداوۃ تھی جیسی کہ دنیادار خاندانوں میں اکثر ہوا کرتی ہے۔ رشتہ داری کی وجہ سے ایک کے حالات دوسرے سے مخفی[۷] نہ تھے۔ فطرۃ سُن چکا تھا کہ نصوح کو دین داری کا نیا خبط اچھلا ہے جس کی وجہ سے اُس کے تمام خاندان میں ایک کھلبلی[۸] مچ رہی ہے۔ جو دقتیں بے چارے نصوح کو اصلاح خاندان میں پیش آتی تھیں فطرۃ کو سب کی خبر لگتی تھی اور یہاں کے تذکروں کا ایک مضحکہ[۹] ہوتا تھا۔ کلیم کی عادۃ سے تو واقف تھا ہی فطرۃ اپنے یہاں کہا کرتا تھا کہ میاں نصوح لاکھ دین داری جتائیں مگر جب جانیں کہ بڑے بیٹے کو اپنی راہ پر لائیں۔ کلیم کو جو ننگے سر ننگے پاؤں سر بازار جاتے ہوئے دیکھا تو فطرۃ نے چھیڑ کر پوچھا کیا میاں کلیم تم نے ابھی سے احرام[۱۰] حج باندھ لیا۔ کلیم۔ احرام حج نہیں احرام ہجرۃ[۱۱]۔ فطرۃ۔ وہی تو کہوں مجھ کو تمھاری وضع داری اور دانشمندی

[۱] ایسے اخلاص = پیار
[۲] زار نالی = رو رو کر
[۳] مانوس = ہلا ملا
[۴] عصیان = نافرمانی
[۵] عقوق = ماں باپ کا ستانا
[۶] فطرۃ = پیدائش، جبلّت، یہاں نام
[۷] مخفی = پوشیدہ
[۸] کھلبلی = ہل چل
[۹] مضحکہ = ہنسی
[۱۰] احرام = حاجی لوگ حرم کعبہ کی سرحد پر پہنچ کر سلے ہوئے کپڑے اُتار کر ایک چادر باندھ لیتے اور ایک اوڑھ لیا کرتے ہیں اسی کو احرام کہتے ہیں
[۱۱] ہجرۃ = ترک وطن کر کے غربت میں جا بسنا

سے شیخِ وقت کی تقلید نہایت مستبعد معلوم ہوتی تھی۔ کلیم۔ جی نہیں۔ شیخ کی خدمت میں جیسی ارادت شاعروں کو ہے معلوم۔ فطرت۔ بس یہی دیکھ لو کہ بھائی نصوح کا اپنی اولاد کے ساتھ اور اولاد میں بھی تمہارے ساتھ کہ آج ماشاء اللہ فخرِ خاندان ہو یہ طرزِ مدارات ہے۔ ہم لوگ تو خیر کہنے کو اجنبی اور غیر ہیں۔ ایسی ہی بد مزاجیوں نے کنبے والوں سے میل ملاپ چھڑایا۔ ورنہ انصاف شرط ہے ہمارا ان کا کیا بانٹے۔ اپنا کھانا۔ اپنا پھننا۔ لڑائی کس لئے اور جھگڑا کیوں۔ اور طرہ یہ ہے کہ جس قدر حضرت سن رسیدہ ہوتے جاتے ہیں مزاج جوان ہوتا جاتا ہے۔ بھائی صد آفرین ہے تمہاری والدہ کو۔ نہیں معلوم ایسے آتش مزاج بے مروت آدمی کے ساتھ اس نیک بخت نے کیوں کر نباہ کیا۔ مگر عورت ذات موذی کے پنجۂ غضب میں گرفتار ہے کرے تو کیا کرے۔ میاں کلیم تم اس کو سچ جاننا کہ تم لوگوں کی مصیبت کو خیال کر کر کے بھائی ہمارا تو گھر بھر بے چین رہتا ہے۔ یہ خون کا جوش ہے ورنہ ملنا ملانا ترک۔ آنا جانا موقوف۔ سلام پیام مسدود۔ کیا کریں کچھ بس نہیں چلتا۔ بھلا پھر اس حالت سے تم جاتے کہاں ہو۔ کلیم۔ خالہ جان کے یہاں جانے کا ارادہ ہے فطرت۔ تمہارے باپ کے ڈر سے دیکھا ہی چاہئے کہ گھر میں گھسنے دیں۔ کلیم۔ نہیں۔ ان سے تو ایسی توقع نہیں۔ فطرت۔ مگر ذاتِ شریف خود نہ تشریف لے جائیں اس کی کیا روک ہے۔ کلیم۔ اس کا خدشہ تو ضرور ہے ؎ دیوار پھاندنے میں دیکھو گے کام میرا ؛ جب دھم سے آ کہوں گا حضرت سلام میرا ؛ فطرت۔ میں کہہ تو نہیں سکتا لیکن سمجھو تو ہم بھی خدانہ خواستہ کوئی تمہارے یا بھائی نصوح کے دشمن نہیں ہیں۔ ارے میاں رشتہ داروں ہی میں کھٹ پٹ بھی ہوا کرتی ہے شکوہ غیر کا نہیں کرتے۔ گلہ اوپری سے نہیں ہوتا۔ جو ہم کو تمہارا اور تم کو ہمارا درد ہوگا۔

۱؎ مرادِ پیر جو لوگوں کو مرید کرے ۱۲ ۲؎ پیروی ۱۲ ۳؎ بعید از عقل۔ خلاف قیاس ۱۲ ۴؎ عقیدہ ۱۲ ۵؎ یعنی شاعر لوگ ہمیشہ شیخ کی برائی کرتے ہیں۔ شیخ کی آڑ میں شاعروں کو دین ہی کی باتوں کی ہنسی اڑانی منظور ہوتی ہے ۱۲ ۶؎ اور مزید بر آن یہ ہوا ۱۲ ۷؎ بوڑھے ۱۲ ۸؎ بند ۱۲ ۹؎ یعنی نصوح ۱۲ ۱۰؎ شعر ہے کلیم کا ۱۲ ۱۱؎ یہ بھی بر اہ شرارت کہا ۱۲ ۱۲؎ لڑائی جھگڑا ۱۲ ۱۳؎ اجنبی ۱۲

خالہ خالو کو نہیں ہو سکتا۔ بھائی نصوح ابھی جب وبا میں بیمار پڑے خدا شاہد ہی دونو وقت میں خود محلے میں آ کر خبر لے جاتا تھا۔ ہماری اماں جان ہمیشہ حلال خوری سے تمھارے یہاں کے حالات پوچھا کرتی ہیں۔ مجھ سے تو یہ رسوائی گوارا نہیں ہو سکتی کہ تم اس حالت سے ایسے بے وقت خالہ کے یہاں جاؤ۔ چلو شب کو ہمارے یہاں آرام کرو ایسا ہی ہو گا تو صبح کو خالہ کے یہاں بھی ہو آنا۔ لو یہ میرا دوپٹہ تو سر کو لپیٹ لو۔ لوگ آتے جاتے ہیں۔ اور چلو پاس کے پاس اسی چھتے سے ہو کر نکل چلیں۔ غرض میاں فطرۃ للو پتو کر کے کلیم کو اپنے گھر لے گئے اور نصوح کی جلن سے اُس کی ایسی بزرگ داشت کی کہ کسی کے گھر والے بھی نہ کرتے ہوں گے۔ کلیم نے جب سے دین داری اور اصلاحِ وضع کی چھیڑ چھاڑ سُنی تھی کیا ماں کیا باپ کیا بھائی سب کو اپنی رائے سے برخلاف پایا۔ اب جو فطرۃ نے بغرض اُس کی دل جوئی اور خاطر داری کی اُس کی ہاں میں ہاں ملائی اور نصوح کو مجنون اور بد مزاج اور سخت گیر ٹھیرایا یہ احمق سمجھا کہ بس فطرۃ اور اُس کے گھر والوں سے بڑھ کر کوئی اس کا خیر خواہ نہیں۔ اب تک تو وہ باپ سے صرف اختلاف رائے رکھتا تھا اب اُس کو باپ سے ایک نفرۃ و عداوۃ پیدا ہوئی۔ فطرۃ نے جلی کٹی باتیں لگا کر یہ خیال اُس کے دل سے بالکل دور کر دیا کہ نصوح کو اُس کے تدین نے اولاد کے ساتھ روک ٹوک کرنے پر مجبور کیا ہی۔ اور چوں کہ کلیم اپنے پندار میں یہی سمجھتا تھا کہ اس وقت تک میں ہی اکیلا گھر سے نکالا ہوں فطرۃ کے بہکا دینے سے اُس کو یقین ہو گیا کہ دین داری اور خدا پرستی کا حیلہ تھا۔ ورنہ فی الاصل باپ کو اس کا گھر سے نکال دینا مرکوزِ خاطر تھا۔ کلیم اِس وقت دو مخالفوں کی کشمکش میں تھا۔ باپ اُس کو صراطِ مستقیم کی طرف کھینچتا تھا اور فطرۃ گم راہی اور ضلالۃ کی طرف۔ لیکن فطرۃ حریفِ

حاشیہ: گوارا ۱۲ — خوش آمد ۱۲ — خاطر داری ۱۲ — برادرانہ ۱۲ یعنی اُس کی مرضی کے مطابق ۱۲ — اور بد اُس نہیں — سبب ۱۲ — دین داری ۱۲ — اصل میں ۱۲ — سیدھی راہ ۱۲ — بمقابل ۱۲

کلیم تو مترددتھا کہ کس سبیل سے کتابیں منگوائے۔ مگر فطرۃ ازبس کہ عیاری اور چالاکی کے موکل
اُس کے سطیع تھے خود بول اُٹھا کہ اجی یہ کون سی بڑی بات ہی مجھ سے کہیے تو بھائی نصوح کی چارپائی
اُٹھوا منگوا دوں اور اُن کے فرشتوں کو خبر نہ ہو۔ غرض فطرۃ نصوح کے گھر گیا اور کسی ڈھب سے
اُس نے سارا حال معلوم کیا اور وہ آگ جو نصوح نے کلیم کی کتابوں میں لگائی تھی فطرۃ نے کلیم
سے جا لگائی۔ ایک تو خانہ ویرانی اُس پر فطرۃ کی آتش بیانی کلیم پر اس آتش زنی کی خبر نے وہ اثر
کیا جو حضرۃ موسیٰ پر آتش طور نے کیا تھا۔ سنتے کے ساتھ ایسا بےخود ہو گیا کہ گویا بجلی
گری۔ آپے میں آیا تو مزاج ایسا برافروختہ تھا کہ شاید نصوح اُس وقت موجود ہوتا تو یہ مردک
دست و گریباں ہو کر لپٹ جاتا۔ کوئی ناگفتنی جلی کٹی بات اُس نے اُٹھا نہیں رکھی۔ مگر لال پیلا
ہو کر خاموش ہو رہا۔ اور اس بات کے درپے ہوا کہ باپ سے اس کا انتقام لے۔ کلیم نے جو طریقے
انتقام کے سوچے تھے وہ سخت بیہودہ تھے۔ جب اس نے اپنی تدبیروں کو فطرۃ پر عرض کیا تو
اُس نے سب کی تحمیق کی اور کہا کہ ابھی تم نرے صاحبزادے ہو۔ میں تم کو ایسی تدبیر
بتاؤں کہ ہم کبینہ و ہم خرینہ۔ کلیم۔ وہ کیا۔ فطرۃ۔ گاؤں پر آخر تمھارا نام چڑھا ہوا ہی اُس پر
دخل کر دو۔ کلیم۔ ع ایں خیال ست و محال ست و جنوں۔ اُن کے متعدد کارندے اور نوکر چاکر
اُس پر مسلط ہیں۔ فطرۃ۔ گاؤں تمھارا ہی تو نوکر اور کارندے تمھارے یا اُن کے۔ کلیم۔ لیکن میں صرف
اسم فرضی ہوں۔ فطرۃ۔ اس کا ثبوت۔ کلیم۔ ثبوت اُن کا قبض و دخل اور اُن کے روپے سے گاؤں کا
خرید ہونا۔ فطرۃ۔ اُن کا قبض و دخل عین تمھارا قبض و دخل اور اُن کا روپیہ عین تمھارا روپیہ ہی۔ بائع
نے تمھارے نام سے رسید دی گاؤں میں پٹہ قبولیت تمھارے نام سے ہوتا ہی۔ خزانۂ سرکار میں

غالب تھا۔ اِس واسطے کہ اول تو خود کلیم کا میلان طبع اُس کی جانب تھا۔ دوسرے نصوح ایک نئی اور نامانوس اور دشوار گزار راہ پر اُس کو لے جانا چاہتا تھا جس میں زہد و ریاضۃ اور اتقا اور نفس کشی اور انکسار اور فروتنی اور خوفِ عاقبۃ کی چند در چند تکلیفیں اور مصیبتیں درپیش تھیں۔ اس راہ میں کلیم کو بدرقۂ راہ ملتا تو خیر رفیق اور ہم سفر کا ملنا بھی مشکل تھا۔ برخلاف اس کے فطرۃ اُس کو ایک شارعِ عام دکھاتا تھا ایسا آباد کہ گویا اس سرے سے اُس سرے تک بازار لگا ہی۔ اور نہ صرف منزل بمنزل بلکہ قدم بقدم تن آسانی اور عیاشی اور خود پسندی اور کبر اور بے فکری اور مطلق العنانی طرح طرح کی آسائشیں اور انواع و اقسام کی راحتیں موجود و مہیا تھیں۔ اِس راہ میں کلیم کو سیلے کا حظ یعنی سفر میں حضر کا لطف حاصل تھا۔ غرض کلیم میاں فطرۃ سے شیر و شکر کی طرح ملا۔ نصوح نے جب یہ خبر سُنی تو سخت افسوس کیا۔ نہ اس وجہ سے کہ وہ فطرۃ سے عداوۃ رکھتا تھا کیوں کہ عداوۃ تو دین داری کے اعتبار سے بڑا گناہ ہی اور نصوح سے اُس کے ارتکاب کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ لیکن اُس کا یہ خدشہ کچھ بے جا نہ تھا کہ فطرۃ اصلاح میں کوشش نہیں کرے گا۔ فطرۃ کے یہاں کلیم کو اَور تو کسی طرح کی تکلیف نہ تھی مگر اُس کی مرضی کی کتابیں یہاں نہیں ملتی تھیں۔ تب اُس نے فطرۃ سے بیان کیا کہ دن بھر خالی بیٹھے بیٹھے طبیعۃ گھبرایا کرتی ہی۔ اگرچہ میں نے اپنے حالات میں ایک مثنوی کہنی شروع کردی ہی اور سو سوا سو شعر ہو بھی گئے ہیں مگر فکرِ سخن بے اطمینانِ خاطر بن نہیں پڑتا۔ اگر آپ صلاح دیں تو میں اپنی چند کتابیں گھر سے منگوا بھیجوں۔ فطرۃ۔ مجھ کو بھائی نصوح سے توقع نہیں کہ وہ اتنی رعایۃ بھی تمہارے حق میں جائز رکھیں خصوصاً اس حال میں کہ تم میرے گھر ہو۔ میرے نزدیک تمہارا یہ جرم اُن کے مذہب میں تکفیر کے لئے کافی ہی۔ مگر ہاں اپنی والدہ سے کہلا بھیجو اُن کا قابو چلے گا تو البتہ دریغ نہ کریں گی۔

زہد: دنیا کو ترک کرنا۔ ریاضۃ: مشقت، یہاں مراد عبادات و روزہ وغیرہ۔ اتقا: پرہیزگاری۔ نفس کشی: نفس کو مارنا، دنیا کی لذتوں سے دست کش ہونا۔ انکسار: عاجزی۔ مطلق العنانی: آزادی۔ بدرقہ: راہنما۔ شارع: راستہ۔ مثنوی: شعر کی ایک قسم جس میں ہر شعر کے دونوں مصرعوں کا قافیہ الگ الگ ہو۔

مال گزاری تمہارے نام سے سیاہہ[۱] ہوتی ہے۔ کلیم۔ جب سرے سے اسم فرضی ہوں تو نام کا ہونا میرے حق میں کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتا۔ فطرۃ۔ لیکن اگر اسم فرضی ہونے سے انکار کیا جائے تو اُس کی تردید[۲] کچھ آسان نہیں ہے۔ کلیم۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ کیوں کر ایک امر واقعی کی تکذیب[۳] ہو سکتی ہے۔ فطرۃ۔ ہاں یہ شاعری نہیں ہے۔ دنیا داری ہے۔ اس کو ایک خاص سلیقہ درکار ہے۔ کلیم۔ غرض اس تدبیر کا پیش رفت ہونا تو ممکن نہیں معلوم ہوتا کوئی اَور بات سوچئے۔ فطرۃ۔ جب تم سے ایسے سہل کام کا سرانجام نہیں ہو سکتا تو گھر سے نکلنے کا حوصلہ تم نے ناحق کیا۔ یہی اسم فرضی کا حق مجھ کو حاصل ہوتا تو سیر دکھاتا۔ کلیم۔ فرض کر لیجئے کہ آپ کو حاصل ہے۔ فطرۃ۔ کیوں کر فرض کر لوں جیسے تم اسم فرضی مالک ہو ویسا ہی ایک فرضی بیع نامہ میرے نام کر دو تو البتہ میں فرض کر سکتا ہوں۔ کلیم۔ اگر ملکیتِ فرضی کا بیع نامہ کچھ بکار آمد ہو سکتا ہے تو گاؤں کی کیا حقیقت ہے میں تو سلطنتِ روم کا بیع نامہ آپ کے نام لکھ دوں۔

ع بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را[۴]۔ فطرۃ۔ بھلا گاؤں تم کتنے پر بیع کرو گے۔ کلیم۔ کسی فرضی قیمت پر۔ فطرۃ۔ بھلا اُس کا اندازہ بھی۔ کلیم۔ فرض کیجئے کہ سو روپئے۔ فطرۃ۔ مجھ سے ہزار نقد لیجئے۔ کلیم سچ۔ فطرۃ۔ سچ۔ کلیم۔ واللہ بیچا۔ فطرۃ۔ واللہ لیا۔ کلیم کو فطرۃ کی قسم پر بھی اعتبار نہ ہوتا تھا۔ فطرۃ نے گھر میں جا ہزار روپئے کا توڑا لا سامنے رکھ دیا۔ اُدھر روپئے گنے گئے اور ادھر بیع نامہ لکھ پڑھ کر طیار ہو گیا۔ کلیم نے سوچا کہ میں نے یہ سودا کیا کیا ایک غنیمتِ[۵] بارِدہ مفت ہاتھ آئی۔ اس وقت تو بات کی بچھ کر کے فطرۃ نے روپیہ دے دیا ہے ایسا نہ ہو پھر حیلہ[۶] کرے۔ بہتر ہے کہ چل دیجئے۔ یہ سوچ روپئے کا توڑا بغل میں دا اب کلیم رخصت ہوا تو سیدھا چاندنی چوک

۱؎ یعنی تمہارے نام سے سرکار میں جمع ہوتی ہے ۱۲

۲؎ رد کرنا ۱۲

۳؎ جھوٹا کر دینا ۱۲

۴؎ خواجہ حافظ شیرازی کی غزل کا مصرع ہے یعنی معشوق کے تل کے بدلے سمرقند اور بخارا کا مالک بخش دوں ۱۲

۵؎ لوٹ کا مال ۱۲

۶؎ کسی ناحق کی گٹھری جیب سے نکال ۱۲

میں آیا۔ مجمل دار خاں کا کمرہ اُسی روز خالی ہوا تھا کہ اس نے سر قفلی[1] جا دی۔ دہلی جیسا شہر اور کلیم
جیسا ناعاقبت اندیش[2] اور مسرف[3] اور اس طرح کا مالِ مفت بات کی بات میں فرش فروش
جھاڑ فانوس۔ ساز و سامان۔ نوکر چاکر سب کچھ موجود ہو گیا۔ یہاں تک کہ اگلے ہی دن پہلے
مشاعرے کی محفل اُس کے بعد ناچ کا جلسہ ٹھیر ٹھیرا جتنے یار آشنا تھے سب کے نام رقعے تقسیم ہوئے
اور کلیم کے سارے شیاطین الانس پھر بدستور جمع ہو گئے۔ حتیٰ[4] کہ وہ مرزا ظاہر دار بیگ بھی اتنے
بڑے بے غیرۃ کہ خبر سُن کر دوڑے آئے اور کلیم اتنا بڑا احمق کہ ایسا دھوکھا کھا کر پھر ان سے صاف
ہو گیا۔ جس کیفیۃ سے کلیم نے دو مہینے گزارے ناگفتہ بہ[5] ہے۔ وہ بدکرداری کی تپ[6] کہنہ رکھتا تھا۔
اب یہ دو مہینے گویا بحران[7] کے تھے۔ ہزار روپے کی کل جمع پونجی اور ایسا بے دریغ خرچ تیسرا مہینا شروع
نہیں ہوا تھا کہ ہزار تمام ہوئے پہلے سے بھی بزاز۔ درزی۔ حلوائی۔ کبابی۔ نان بائی۔ میوہ فروش۔
گندھی۔ بساطی وغیرہ کا حساب باقی تھا۔ نوکروں کا دو ماہہ چڑھ چکا تھا۔ اب آٹا دال تک اُدھار
آنے لگا۔ شدہ شدہ ہر طرف سے طلب و تقاضا شروع ہوا۔ استعمال سے پہلے اسباب خانہ داری کے بکنے کی
نوبت پونہچی تو کلیم خواب غفلت سے بیدار ہوا۔ لیکن اب اُس کا تنبہ[8] کچھ چنداں سودمند نہ تھا۔ اُس کے یار دوست
دستور کے موافق اُس کے پاس کا آنا جانا قاطبۃً[9] ترک کر چکے تھے۔ نوکر چاکر بھی گھر بیٹھ رہے تھے۔ اور جو تھے
تنخواہ کے نہ ملنے سے ایسے گستاخ ہو گئے تھے کہ کا خدمت تو درکنار رو در رو جواب دیتے تھے۔ جو چیز جس کی
تحویل[10] میں تھی ہیکڑی سے اُس کو اپنا مال سمجھتا تھا۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ دو چار قرض خواہ اس کے
درِ دولت[11] پر نہ ہوں۔ کلیم نے چاہا کہ چپکے سے چل دے۔ مگر اُس کے بغلی دشمنوں یعنی نوکروں کی وجہ سے
اُس کا منصوبہ فاش[12] ہو گیا۔ اور جوں پہر رات گئے نوکروں کا لباس بدل کر باہر نکلا تھا

[1] کرایہ دار تھوڑا سا کرایہ پیشگی دے کر سر خط لکھوا دیا کرتا ہے اُس کو سر قفلی کہتے ہیں جب [illegible] تالا کھولا جاتا ہے ۱۲
[2] انجام [illegible] ۱۲
[3] فضول خرچ ۱۲ نہ سوچنے والا ۱۲
[4] یہاں تک ۱۲
[5] اُس کا کہنا [illegible]
[6] [illegible] ۱۲
[7] [illegible] بخار ۱۲
[8] آگاہ ہونا ۱۲ جاگنا
[9] قطعاً ۱۲
[10] سپردگی ۱۲
[11] طنز کی راہ سے دروازہ مراد ہے ۱۲
[12] ظاہر۔ آشکارا ۱۲

کہ سرہنگانِ دیوانی کے پنجۂ غضب میں گرفتار ہوگیا۔ اس غفلت شعار کو اب معلوم ہوا کہ کیسی
ڈگریاں یک طرفہ اس پر جاری ہیں۔ ان پیادوں کی حراست میں جس کیفیت سے کلیم نے
رات گزاری ایسی سخت و ناگوار تھی کہ اس کو بار بار ظاہر دار بیگ کی مسجد کا اعتکافِ شبینہ حسرت
کے ساتھ یاد آتا تھا۔ اگلے دن کچہری کے وقت پیادوں نے کلیم کو لے جا حاکمِ عدالت کے روبرو
حاضر کیا۔ احاطۂ کچہری میں پہنچتے ہی پہلے نصوح سے مٹ بھیڑ ہوئی۔ کلیم باپ کو دیکھ کر بے اختیار
رو دیا۔ مگر پیادوں کے خوف اور اپنی ندامت کے سبب کچھ کہہ نہ سکا۔ نصوح کا کچہری میں آنا بھی ان ہی
حضرت کی وجہ سے تھا۔ فطرت نے اس بیع نامۂ فرضی کا ایک طومار بنا کھڑا کیا۔ دو چار نمک حرام
کارندوں کو گانٹھا اور چند کاشت کاروں کو بہکا، پیچھے دو دو چار چار آنے کی کمی کر کے استمراری پٹے
کر دئے۔ دلی شہر کے چند بازاری آب و باختہ غنڈے ساتھ لے گاؤں پر زبردستی دخل کر لیا۔ نوبت
بعدالت پہنچی۔ مقدمے میں کچھ ایسے پیچ پڑتے گئے کہ دروغ کو فروغ ہوگیا۔ کلیم نے تو اپنے نزدیک ایک
کھیل کیا تھا۔ نصوح بے چارے کو مفت میں پانچ چھ ہزار کا گاؤں ہارنا پڑا۔ اسی تقریب سے نصوح
حاضرِ کچہری تھا کہ کلیم اس کو دوسری مرتبہ سرکاری پیادوں کے ہاتھ میں گرفتار نظر آیا۔ گو باپ بیٹوں میں
بالمشافہہ بات چیت تو درکنار دعا سلام کا بھی اتفاق نہیں ہوا لیکن ایک کو دوسرے کی کیفیت معلوم
ہوگئی۔ باپ نے ابھی کچہری کے احاطے سے پاؤں باہر نہیں رکھا تھا کہ بیٹا جیل خانے جا داخل ہوا۔ کلیم نے
ہر چند شاعری اور امیرزادگی کے چند در چند استحقاق ثابت کئے مگر ارکانِ مجلس نے ایک نہ مانی اور اس کو
ایسا ایسا رگیدا کہ دوسرے ہی دن چیں بول گیا۔ اس بے کسی میں کلیم کو باپ یاد آیا اور اگرچہ اپنی حرکات پر نظر کرنے سے
اس کو بالکل ناامیدی تھی مگر اَلْغَرِیْقُ یَتَشَبَّثُ بِالْحَشِیْشِ مرتا کیا نہ کرتا بے غیرتی کا ٹھیکرا

آنکھوں پر رکھ کر باپ کو یہ خط لکھا- مجھ کو حیرۃ ہی کہ میں کون ہوں اور کس کو یہ خط لکھتا ہوں- اور یقین ہی کہ اس خط کے پہنچنے پر مجھ سے زیادہ حیرۃ آپ کو ہو گی- اتنی گستاخی- اتنی نافرمانی- اتنی بے حیائی- اتنی مخالفۃ پر جو مجھ نالائق نابکار- ناہنجار- کشتنی- گردن زدنی- ننگ خاندان- ع بدنام کنندۂ نکو نامے چند، سے سرزد ہوئی ہیں کیا کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ مجھ کو آپ کے ساتھ نسبۃ فرزندی باقی رہی- پس نہ تو یہ خط خط ہی- اور نہ بیٹے کی طرف سے ہی- اور نہ باپ کے نام ہی- بلکہ معذرۃ نامہ ہی- عرضیِ اعتراف ہی- توبہ کا وثیقہ اور استغفار کی دست آویز- ندامۃ کا اقرار اور حاجۃ مندی کا اظہار ہی- گنہ گار- روسیہ- شرم سار- ظالم- جفاکار- تبہ روزگار کلیم کی طرف سے- صاحبِ کرم عمیم و خلق عظیم بردبار و حلیم- رؤف و رحیم- محسن و ولی نعمۃ- مہربانِ سراپا شفقۃ- نیکوکار- کم آزار- خیرخواہِ بلا اشتباہ کے نام- ہر چند میری رسوائی یہاں تک پہنچی کہ جب سے مردود و مطرود ہوا طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا اور انواع و اقسام کی ذلتوں میں گرفتار ہوں لیکن یہ سمجھنا کہ میں نے جیسا کیا ویسا پایا بے جا اور غلط ہی- کیا ہزار تو پایا ایک- کیا من تو بھگتا چھٹانک- بلکہ ایک اور چھٹانک بھی نہیں- حاشا نہیں- زینہار نہیں- ہر چند میں معذرۃ کرتا ہوں اور جو کچھ میرے دل میں ہی کہیں زیادہ ہی اُس سے جو عبارۃ میں ہی- لیکن خود مجھ کو اپنی توبہ سے تشفی اور ندامۃ سے تسلی نہیں- اس واسطے کہ میری توبہ درماندگی کی توبہ اور ندامۃ حالۃِ ابتلا کی ندامۃ ہی- توطیہ بر طرف تمہید یکسو- نہ مجھ کو توبہ پر تکیہ نہ ندامۃ پر ناز- خدا کو جس کا میں آپ سے بڑھ کر گنہ گار ہوں اپنا شفیع قرار دیتا ہوں ع اور دیکھتا ہوں تا کرم او چہا کند

الْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ

قطعہ

شاہا ز کرم بر من درویش نگر ۔ بر حال من خستۂ و دل ریش نگر
ہر چند نیم لائق بخشائش تو ۔ بر من منگر بر کرم خویش نگر

سلیم کے رساکٹوں میں اتفاق سے ایک جملہ مجھ کو نظر پڑا اور پسند آیا وہ یہ تھا کہ توبہ ربڑ ہی اور گناہ پنسل کی تحریر۔ پس جب کہ توبہ و ندامت نے مجھ کو آلودگیِ گناہ سے پاک کر دیا تو پھر میں آپ کا برخوردار ہوں اور آپ میرے والدِ بزرگوار مجھ کو آپ سے ہر طرح کا دعویٰ اور آپ کو مجھ سے ہر قسم کی توقع۔ سات سو روپے کی عوض اس وقت میری جان پر بنی ہی۔ آپ مجھ کو اگر للہ۔ صدقہ۔ زکوٰۃ۔ خیرات جان کر نہ دیں تو قرض حسنا دیں۔ قیدی کے چھڑانے۔ غلام کے آزاد کرنے کا ثواب آپ پر مخفی نہیں۔ اگر روپیہ کل تک نہیں آتا تو میری زندگی دشوار ہی۔ کلیم شاعر تو تھا ہی باتوں کا جادو بنانے کی اُس نے یہاں تک مشق بہم پونہچائی تھی کہ اُس کے جھوٹے ڈھکوسلوں پر تمام مجلس کو وجد ہوتا تھا۔ باپ کے لئے اُس نے توبہ ریائی کا ایسا مضمون سوچا کہ اُس کا خط گویا سات سو روپے کی درشنی ہنڈی تھی۔ جانے کی دیر تھی اور روپے ملنے کی دیر نہ تھی۔ لیکن مشکل یہ درپیش تھی کہ قاصد نہیں نامہ بر نہیں خط جائے تو کیسے جائے۔ ہانسی حصار کی طرف کا ایک سپاہی کچھ حرف آشنا سا تھا اور جب اُس کو پہرے وغیرہ سے فراغت ہوتی تو وہ قصۂ شاہ روم۔ سپاہی زادہ۔ بنجارہ نامہ۔ کنز المصلی منظوم اس قسم کے اُردو کے رسالے نثر کو پریشان نظم کو ناموزوں کر کے اپنی کرخت سنگلاخ بولی میں پڑھا کرتا تھا۔ کلیم کو شاعری کے ذریعے سے اُس سپاہی کے ساتھ تعارف پیدا کر لینا کچھ دشوار نہ تھا۔ منت سماجت سے کلیم نے اُس کو خط پونہچا دینے پر آمادہ کیا۔ اور اُجرت یہ ٹھیری کہ کلیم اُس کے

اور اُس کے دو بیٹوں کے نام کے سجعے بنادے۔ نام ان کم بختوں کے اتفاق سے ایسے ٹیڑھے تھے کہ بیچارہ کلیم ہزار غور کرتا تھا کسی ڈھب سے نہیں کھپتے تھے۔ اور واقع میں ننھے خاں چمن خاں بدھو خاں کے ناموں کے سجعے کوئی کہے تو کیا کہے۔ اُس پر خرابی یہ کہ ننھے خاں جاہل کندۂ ناتراش پسند کرنے والا سخن فہم۔ کلیم بہتر سے بہتر سجع کہہ کر لے جاتا وہ سُن کر ہنس دیتا اور کہتا کہ بھائی یہہ تو ٹھیک نہیں بیٹھا۔ بڑی بڑی خرابیوں سے کوئی چھ سات دن میں کلیم نے ننھے خاں کی فرمائش پوری کی۔ غرض کلیم کا خط باپ تک پونہچا۔ وہ اس طرح کی طلب نہ تھی کہ اس میں امروز فردا کی گنجائش ہو۔ نصوح نے خط پڑھتے کے ساتھ ساتوں کے ساتوں سو روپئے بے عذر گن دئے۔ کلیم اس مرتبہ بھی باپ سے نچو کا ضرورۃ تھی پان سو کی اور منگوائے سات سو۔ پان سو دے کر تو رہائی پائی۔ باقی بچے دو سو اُس میں کھڑے کھڑے سامانِ سفر درست کر اُسی وقت دولۃ آباد کا رستہ لیا

کلیم نوکری کی جستجو میں دولۃ آباد گیا اور فوج میں بھرتی ہو گیا۔ لڑائی میں زخمی ہوا اور مُردوں کی طرح چار کہاروں پر لد کر دہلی آیا۔

یہ ایک چھوٹی سی ہندوستانی ریاستہ ہے۔ البتہ کوئی پانچ چھ لاکھ روپئے سال کا محاصل اُس میں ہو سکتا تھا۔ لیکن ایک نوجوان ناتجربہ کار مسند نشین ہوا۔ خوش آمدی صلاح کار لچے مصاحب موقع پا کر آجمع ہوئے اور دولۃ آباد کو چھوٹا لکھنؤ بنا دیا۔ جہاں جہاں اس مذاق کے لوگ تھے سب کو فری مَسن کی طرح ریاستہ دولۃ آباد کے حالات معلوم تھے۔ کلیم بھی سُن سُن کر دولۃ آباد کا ایسا مشتاق تھا جیسے زاہد مرتاض جنۃ کا۔ غرض کلیم

دو منزلہ طے کرتا ہوا دولت آباد پونہچا اور قبل اس کے کہ کسی سے تعارف پیدا کرے اس نے اپنا سامانِ ظاہر درست کر پھر ایک مرتبہ سرا ے میں امیری ٹھاٹھ لگا دئے۔ مدحِ رئیس میں قصیدہ تو اِس نے سفر ہی میں کہنا شروع کر دیا تھا۔ صرف عرضِ حال و رقطعہ دُعائیہ باقی تھا جلدی جلدی تمام کر اُسی قصیدے کو ذریعہ تقریب قرار دے درِ دولت پر جا حاضر ہوا۔ مگر شامتِ اعمال اور باپ کی ناخوشی کا وبال اس کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہونے دیتا تھا اس کے دولت آباد میں چند روز پونہچنے سے پہلے یہاں بساط اُلٹ چکا تھا۔ بدنظمی ریاستہ کی خبریں صاحب رزیڈنٹ کو پونہچیں۔ اور اُنھوں نے بذاتِ خاص دولت آباد پونہچ کر رئیس سے کل اختیارات منتزع کر کے امورِ ریاستہ کا اہتمام ایک کمیٹی کو تفویض کیا جس میں ریاستہ کے چند قدیم نمک خوار تھے جو رئیس کی بے اعتدالیاں دیکھ کر ترکِ خدمت کر کے گھر بیٹھ رہے تھے۔ اور اس کمیٹی کے میر مجلس انتظام الدولہ مدبر الملک نواب بیدار دل خاں بہادر والیِ عافیت نگر قرار دئے گئے۔ کہ رشتے میں رئیس دولت آباد کے ماموں بھی ہوتے تھے اور اُن کا حسنِ انتظام اُن اطراف میں ضرب المثل تھا۔ اور خود صاحب رزیڈنٹ بہادر بھی بلا ناغہ ماہ بماہ اپنی شرکت سے کمیٹی کی آب رو افزائی کیا کرتے تھے رئیس کو مصارف ضروری کے لئے کمیٹی سے دست بردا شتہ کچھ روپیہ ملتا تھا۔ نابکار مصاحب ایک ایک کر کے نکالے جا چکے تھے۔ غرض جس چاٹ پر کلیم دوڑا آیا تھا وہ بات اب باقی نہ تھی۔ ناواقفیت کی وجہ سے کلیم نے اطلاع کرائی تو فوراً صلا کی طرح طلبی آئی۔ یہ تو اس توقع سے خوشی خوشی اندر گیا کہ بانکے ٹیڑھے رنگیلے۔ سجیلے۔ وضع دار لوگ دیکھنے میں آئیں گے۔ مگر جا کر دیکھتا ہی تو بڑے بڑے ریشائیل مولوی پگڑ اور عمامے باندھے بیٹھے ہیں۔ کوئی درس دے رہا ہی کوئی کتاب دیکھ رہا ہی۔ کوئی اوراد میں مصروف ہی۔ اندر قدم رکھتے ہی کلیم نے یہ برجستہ مطلع پڑھا

۱ دو منزلیں ایک دن میں چل کر یعنی دو دن کی راہ ایک دن میں چل کر ۱۲
۲ سامان یعنی ٹھاٹھ ۱۲
۳ کہاوت ہو گئی تھی یعنی اُس کی مثال دی جاتی تھی ۱۲
۴ یعنی رزیڈنٹ بھی کمیٹی کی آبرو زیادہ کرنے کے لئے شریک ہوتے تھے ۱۲
۵ خرچ ۱۲
۶ یعنی کمیٹی سے ہاتھ اُٹھا کر دے دیا ۱۲
۷ مکان سے لوٹ کر
۸ سرسری طور پر یا بند آواز جو سننے والوں کو اس آنے کا حصہ ہو
۹ بڑی بڑی داڑھی والے ۱۲
۱۰ وظائف ۱۲
۱۱ فی البدیہہ یعنی موقع کے مناسب ۱۲

جاتے تھے جستجوے بتِ خانہ و صنم میں ؎ بھکے تو جاکے نکلے ہم بھی کہاں حرم میں ؎ مولویوں کی شکل دیکھ کر قریب تھا کہ کلیم اس طرح بھاگ کھڑا ہو جیسے لاحول سے شیطان۔ مگر اُس کو خیال ہوا کہ امیروں کے کارخانے ہیں عجب کیا ہے کہ کوئی خانقاہ بھی ہو۔ ع مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے ؎ چلو ذرا حال تو دریافت کریں۔ بارے قریب جاکر اُس نے ایک پیر مرد کو مجرا عرض کرتا ہوں کہہ کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ لفظ مجرا سن کر اُن بزرگ کے کان کھڑے ہوئے اور فوراً آنکھ سے عینک اُتار سیدھے ہو کر کلیم کو دیکھنے لگے۔ تب اس نے زائد از رکوع جھک کر ان کو سلام کیا یعنی اپنا مجرا دکھایا۔ اُس بزرگ نے فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مِنْ اَیْنَ اَنْتَ فِیْ اِذْ فَالِکَ اَنْجَاکَ اللّٰہُ عَنِ الْمَھَالِکِ۔ کلیم۔ حضرۃ قبلہ میں فہم عربی سے قاصر ہوں۔ مولوی صاحب۔ کہاں سے اتفاق مجیٔ ہوا۔ کلیم۔ دہلی سے۔ مولوی صاحب۔ تقریب کلیم۔ امتحانِ بخت اور آزمائشِ نصیب۔ مولوی صاحب۔ علم وعمل۔ کلیم۔ مدحت طرازی اربابِ دوَل۔ مولوی صاحب۔ غرض وغایۃ۔ کلیم۔ تحصیل جاہ وثروۃ۔ تب اُس بزرگ نے مختصر طور پر کلیم کو وہاں کے حالات سے مطلع کر دیا اور کہا کہ رئیس لاشیٔ محض ہے وہ بھی لابشرط شئ نہیں بلکہ بشرط لاشیٔ اور بے اجازۃ خاص حضرۃ مولانا صدر اعظم کے کسی کو اُس تک پہونچنے کا امکان نہیں کلیم۔ صدر اعظم صاحب کہاں تشریف رکھتے ہیں۔ مولوی صاحب۔ دیکھو یہیں کہیں ہوں گے کلیم۔ ان کی شناخت۔ مولوی صاحب۔ سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ کلیم۔ میں نہیں سمجھا۔ مولوی صاحب۔ ایک بڈھے منحنی سے آدمی ہیں نیلی لنگی اوڑھے ہوئے حجرۂ شمالی کے صحن میں طلبہ کو درس دے رہے ہوں گے یا فصلِ خصومات میں

مصروف ہوں گے۔ کلیم۔ ان کو کیا خدمۃ ہی۔ مولوی صاحب۔ جیسے حرف ندا لفظ ادعو کا قائم مقام ہوتا ہی اسی طرح مولانا صاحب ادام اللہ فیوضہم نائب الرئیس ہیں۔ کلیم۔ میں اُن کی خدمۃ میں جا سکتا ہوں۔ مولوی صاحب۔ لا باس بہ۔ غرض کلیم صدر اعظم صاحب کی خدمۃ میں گیا۔ تو وہ اس کی نظر میں کچھ بھی نہ جنچے۔ یہ سمجھا تھا کہ وزیر اعظم اور نائب الرئیس ہیں تو بڑے کرّ و فرّ کے ساتھ ہوں گے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ولایتی ملّا ایک بڈّھے سے مولوی ہیں وراثۃ کا ایک جھگڑا اُن کے روبرو در پیش ہی اور بیٹھے اپنے ہاتھ سے حساب مناسخہ لگا رہے ہیں۔ کلیم کو ایک اجنبی صورۃ دیکھ کر اُنھوں نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کہا کہ ان لوگوں سے فارغ ہو لوں تو آپ سے بات کروں۔ جب تک مقدمہ پیش رہا کلیم غور سے دیکھتا اور سنتا رہا۔ مولوی صاحب بلا کی موشگافیاں کر رہے تھے۔ تب تو کلیم نے سمجھا کہ واقع میں یہ شخص بڑی پایہ گاہ کا آدمی اور منصب وزارۃ کے قابل ہی۔ بارے جب مقدمہ طی ہو چکا تو صدر اعظم صاحب کلیم کی طرف مخاطب ہوئے کہ ہاں حضرۃ فرمائیے۔ کلیم۔ بندہ ایک غریب الوطن ہی رئیس کی جود و سخا کا شہرہ سن کر مدۃ سے مشتاق تھا۔ یہ حال ہی باقی میری صورۃ سوال ہی۔ صدر اعظم۔ آپ کی سماعۃ صحیح لیکن اگرچہ جود صفۃ محمود ہی مگر اعتدال شرط ہی۔ شامۃ اسراف سے غنی باقی نہ رہا۔ فرنگیوں نے حفظ ریاستہ کی نظر سے رئیس کو ممنوع التصرفات مسلوب الاختیارات کر رکھا ہی۔ کلیم۔ میں

طالب گنجینہ نہیں سائل خزینہ نہیں ○ صدف کو چاہئے کیا ایک قطرۂ چشمۂ یم سے
بجھا لیتا ہی اپنی پیاس کام غنچۂ شبنم سے ○

کلیم نے اس طرح کڑک کر بے دھڑک شعر پڑھا کہ تمام حاضرین اُس کی یہ حرکۃ خارج از سیاق ادب دیکھ کر متعجب ہوئے۔ صدر اعظم صاحب کا منصب۔ اُن کا علم و فضل۔ اُن کی پیری

اور وہ ہیبۃ جو اُن کی تہذیب کو لازم تھی یعنی صدر اعظم صاحب کی حالۃ مجموعی اور اُس سے قطع نظر خود کلیم کی حالۃ اُس کی مقتضی تھی کہ وہ پاسِ ادب ملحوظ رکھتا۔ مگر وہ ایسی ہی بے باکی کو ہنرِ لسّانی اور صفۃ حاضر جوابی سمجھتا تھا۔ شعر اُس کا تکیہ کلام تھا۔ بات کہتا تو مقفّی۔ کلام کرتا تو موزون۔ گفتگوے روزمرّہ میں بھی اُس کی یہی کیفیۃ تھی۔ اور جو کوئی کبھی اُس کو ٹوکتا تو وہ جواب دیتا کہ ع شاعری تو شعار ہی اپنا۔ کلیم کو صدر اعظم کے حضور میں بے باکانہ شعر پڑھتے ہوئے دیکھ کر لوگوں کو حیرۃ ہوئی لیکن جو امر اُن کی حیرۃ کا موجب تھا وہی ان کو کلیم کے روکنے سے بھی مانع تھا یعنی صدر اعظم صاحب کی ہیبۃ۔ لوگوں سے زیادہ صدر اعظم صاحب کو حیرۃ ہوئی ہوگی۔ مگر ان کی تہذیب اس درجے کی تھی کہ اُنھوں نے کلیم کو نظر بھر کر بھی تو نہیں دیکھا اظہار ناخوشی و ناپسندیدگی تو بڑی بات ہی۔ صدر اعظم۔ رئیس سے تو توقع عبث ہی۔ مگر انتظام جدید درپیش ہی اگر میں سمجھوں کہ کوئی خدمۃ آپ انجام دے سکیں گے تو ان شاء اللہ مجلس شوریٰ میں جس کو لوگ کمیٹی منتظم ریاستہ کہتے ہیں آپ کے استحقاق پیش کر دیئے جائیں گے اور غالب ہی کہ کوئی خدمۃ بھی آپ کو مفوض ہو جائے۔ متعدد مناصب خالی ہیں خصوصًا انتظام فوج داری حدود ریاستہ میں۔ کلیم۔ چندے حضور مجھ کو اپنی خدمۃِ خاص میں رکھیں اور اس نالائق کی ہنرمندی اور بے ہنری حضور پر منکشف ہو جائے پھر جس خدمۃ کے لئے ارشاد ہوگا بسر و چشم اُس کو بجا لائے گا۔ اگرچہ خدمۃ فوج داری ہی کیوں نہ ہو ع طالب ہوں علم کا کہ علم سے ہی ہم رقم۔ نیزہ سمجھ کے لیتا ہوں میں ہاتھ میں قلم۔ صدر اعظم۔ فرنگیوں نے جو انتظام کیا ہی وہ ایسی تنگ ورزی کے ساتھ کیا ہی کہ اُس میں بہت تھوڑی گنجائش ہی۔ پس قبل اس کے کہ میں آپ کو اپنے پاس کی کوئی خدمۃ

---

۵۳ ہنر لسّانی = زبان آوری ۱۲ مراد
۵۴ ہیئۃ = رعب ۱۲
۵۵ شعار = عادت ۱۲
۵۶ مقفّی = قافیہ والا ۱۲
ہر شعر موزوں ۱۲
مجلس شوریٰ = وہ مجلس جس میں انتظام و مشورہ و صلاح ہوتا ہے ۱۲
مفوض = سپرد ۱۲
متعدد = بہت ۱۲
مناصب = عہدے ۱۲
۵۹ شاعر کہتا ہی کہ میں سپاہی مزاج آدمی ہوں اور علم کو جو طلب کرتا ہوں تو اسی وجہ سے کہ علم جس کے معنی جھنڈے کے ہیں اور علم دونوں ایک صورۃ سے لکھے جاتے ہیں اور قلم کی پور کو بھی نیزہ کے ہاتھ میں لیتا ہوں ۱۲

دوں مجھ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ کس کام کی انجام دہی پر قدرۃ رکھتے ہیں۔ کلیم۔ بقول غالب ؎ آج مجھ سا نہیں زمانے میں ؛ شاعرِ نغز گو و خوش گفتار ؛ صدرِ اعظم۔ لیکن انتظام جدید کے مطابق ریاستہ میں کوئی خدمتہ شاعری باقی نہیں۔ کلیم۔ ؎ گر سخن گو نہیں تو خاک نہیں ؛ سلطنتہ ہی عروس بے زینتہ ؛ صدر اعظم۔ جو کچھ آپ سمجھیں کلیم۔ لیکن ریاستہ پر کیا منحصر ہی حضور بھی تو وزیر اعظم اور نائب الرئیس ہیں آپ کی سرکار میں کیا کمی ہی۔ ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ؛ صدر اعظم نَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْمَنَّانِ مِنْ اٰفَاتِ اللِّسَانِ۔ میں بے چارہ نام کا نائب الرئیس اور وزیر ہوں ورنہ فی الحقیقہ ایک ذرۂ حقیر ہوں۔ کلیم۔ یہ حضور کا کسرِ نفس ہی بقول ظہوری ؎ سر خدمتہ بر آستاں دارد ؛ پایۂ رفعتہ بر آسماں دارد ؛ میں بھی اس بلادِ دور دست اور دیارِ اجنبی میں اتفاق سے آنکلا ہوں اور میں دیکھتا ہوں تو آپ کی سرکارِ با اقتدار میں ایک شاعر کی ضرورۃ بھی ہی۔ جو آپ کے محامد اوصاف کو مشتہر کر کے خیر خواہانِ دولۃ کو راسخ العقیدۃ اور دشمنانِ روسیاہ کو مبتلا ہیبۃ کرتا رہے۔ صدرِ اعظم۔ یہ آپ کی کریم النفسی ہی ورنہ من آنم کہ من دانم۔ مجھ کو اگر ضرورۃ ہی تو ایسے شخص کی ہی جو مجھ کو میرے عیوب پر مطلع کیا کرے۔ کلیم۔ اگر مدح و ستائش پسند نہیں تو بندہ وصل و ہجر و شوق و انتظار و ناز و نیاز و واسوخت و رباعی و تاریخ و سجع و چیستان و معاملہ بندی و تضمین و محاکمہ و رزم و بزم و تشبیہ و استعارات و تجنیس و تمثیلات و سراپا ہر طرح کے مضامین پر قادر ہی۔ جو طرز مرغوب طبع ہو اُس میں طبع آزمائی کرے گا ؎ رکھتا اگرچہ عیبِ تعلّی سے عار ہوں ؛ بس مغتنم ہوں منتخب روزگار ہوں ؛ صدر اعظم۔ آپ کے ہنر مند بے نظیر و بے مانند ہونے میں شک نہیں لیکن افسوس ہی

نادر شعر ۱۷ لکھنؤ ۱۲ یعنی شاعر کے ۲۰ سلطنت کا سنگار ۲۰۰ دلہن ہی ۱۳ الغرض ۱۵ بعد بہ سبب ۱۴ اسلامی

خدا کے کریم زبان کی آفتوں سے بچاوے ۱۲ خاک ساری، تواضع ۱۲ رتبہ کی بلندی کے اعتبار سے آسمان پر پاؤں رکھتا ہو ۱۲ درجہ کی بڑائی کی وجہ سے آسمان پر پاؤں رکھتا ہے یعنی تواضع اس درجہ کی ہے کہ جو کوئی اس کے در پر سر دھرتا ہے ۱۲ عمدہ تعریفیں ۱۲ جو شہرت پائیں ۱۲ یعنی جو لوگ نیک خواہ ہیں اُن کی خیر خواہی اور بھی پکّی اور مستحکم ہو جائے ۱۲ یعنی جو اپنے بدکار دشمن ہیں

خدا اُن کا منہ کالا کرے وہ زیادہ ڈرنے لگیں ۱۲ یہ آپ کی طبیعت کی مہربانی ہی یعنی آپ مہربانی سے ایسا خیال کرتے ہیں ورنہ میں ایسا نہیں ۱۲ اس کے بعد ایک ایسا شعر ہے ۱۲ ایک چیز کو دوسری چیز سے ملانا ۱۲ تشبیہ ۱۲ مثالیں ۱۲ معشوق کے اعضا کی تعریف ۱۲

کہ مجھ کو اس فن کی طرف رغبۃ نہین - کلیم - حضور جیسے عالم باکمال کا ایسے فن شریف سے
ع کہ ہم حظِ نفس است و ہم قوتِ روح ؛ رغبۃ نہ رکھنا - ع میری قسمۃ کی نارسائی
ہی - صدر اعظم - اگرچہ مین اپنے نفس مین انواع و اقسام کی خباثتیں پاتا ہون لیکن
خداوند کریم کا اتنا شکر گزار ہوں کہ اب تو خیر ایسی باتوں سے محترز رہنے کی میری عمر ہی
نہین عنفوانِ شباب مین بھی خدا کے فضل سے مین ایسی باتون کو نہایۃ ناپسند کرتا تھا -
کلیم - ع سبب کیا وجہ کیا موجب جہۃ کیا ؛ صدر اعظم - جہان تک مین سمجھتا ہوں
ایسے مضامین مین اشتغال و انہماک رکھنے سے ذہول و غفلۃ - استخفافِ معصیۃ -
استحسانِ لہو و لعب - اختیار مالایعنی کے سوائے کچھ اور بھی حاصل ہی - کلیم - اب
اِس خصوص مین کچھ عرض کرنا سوءِ ادب ہی - وہی خدمۃ فوج داری مجھ کو تفویض فرمائی
جاے - صدر اعظم - مجھ کو کچھ عذر نہین - مگر آپ مجھ سے استشارہ کرین - تو بحکم
اَلمُستَشَارُ مُؤتَمَنٌ مَیں صلاح نہیں دے سکتا - اس واسطے کہ رئیس کے ضعفِ حکومۃ
نے اُن ٹھاکرون کو جو مستقر الریاستہ سے دور رہتے ہیں ایسا عسیر الانقیاد کر رکھا ہی
کہ کوئی قسط بے جنگ وجدال وصول نہیں ہوتی اور ملازمانِ فوج داری کو ہمیشہ
اُن کے ساتھ معرکہ آرائی کرنی پڑتی ہی - آپ کے ذمے ریاستہ کے حقوقِ سوابقِ نعمۃ
ثابت نہیں - کیا ضرورۃ ہی کہ ابتداءً ایسی خطرناک خدمۃ اختیار کی جاے - کلیم -
حالتِ اضطرار کو کیا کیا جاے - صدر اعظم - اگر اضطرار ہی تو بیس روپئے ماہانہ کا
جمع خرچ نویسِ مداخل ایک منصبِ جدید ہونے والا ہی چندے آپ اُس پر قناعۃ

کریں۔ میرے نزدیک کنجِ عافیت کے یہ بیس فوجداری کے پچاس پر ترجیح رکھتے ہیں۔ کلیم
یہ حضور کی مسافر نوازی ہے۔ لیکن بندہ اس خدمت سے معاف رکھا جائے۔ ع
ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ یہ کچھ لالہ بھائیو ہی کو زیبا ہے۔ صدر اعظم۔ میں اتماماً للحجۃ
پھر آپ سے کہتا ہوں کہ جس خدمت کے آپ خواستگار ہیں فی نفسہ خصوصاً اس وقت میں
محلِ خطر ہے۔ کلیم۔ ع از خطر نیندیشد ہر کہ ہمتش عالی ست۔ صدر اعظم۔ اچھا تو آپ
مالِ کار کی نسبت تامل صحیح کر لیجئے پھر دیکھا جائے گا۔ غرض کلیم صدر اعظم سے رخصت ہو کر اپنی
جگہ واپس آیا مگر حصولِ مطلب سے مایوس۔ صدرِ اعظم سے بدعقیدہ۔ یہاں سرائے میں
بعض لوگوں نے اُس سے صدر اعظم کی ملاقات کی کیفیت پوچھی تو اُس نے نہایت حقارت سے کہا اجی
بس شعر فہمی عالمِ بالا معلوم شد۔ آوازِ دہلِ دور۔ چوں دم برداشتم مادہ خر برآمد۔ کور مغز۔
جسد بے روح۔ جماد بے حس۔ افسردہ۔ دلِ مردہ ع سگ نشیند بجائے گیائی؛
زمانۂ ناہنجار کے انقلاب دیکھئے ایوان ریاست کیا ہی فتح پوری کی مسجد ہے۔ اگرچہ کلیم کو ایسی
دل برداشتگی بہم پہنچی تھی کہ وہ کسی طرح ایسی ریاست کی نوکری پسند نہیں کرتا تھا مگر مجبوری
یہ تھی کہ اُس کے پاس اتنا خرچ نہ تھا کہ کسی دوسری جگہ کا قصد کرے۔ حاجت اُس کو صدر اعظم
کے پاس جانے پر مجبور کرتی تھی مگر مخالفت رائے اُس کو مانع ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ اسی
حیص بیص میں پورے دس دن گزر گئے اور کمیٹی منتظم ریاست کے انعقاد کا وقت آ پہنچا
لیکن اسی بندۂ خدا نے صدر اعظم کی طرف رخ نہ کیا۔ بارے یکایک نہیں معلوم کیا خیال
اُس کے دل میں آیا کہ سپاہیانہ لباس پہن ہتھیار لگا مونچھوں پر تاؤ دے خدمت فوجداری

کا امید وار بن کر کمیٹی کے روبرو جا کھڑا ہوا۔ آدمی تھا ماشاءاللہ وجیہ اور اُس پر لسّان ایک دم فوج کا کپتان مقرر ہو گیا۔ شاعروں کو ایک پھٹکار یہ ہوتی ہی کہ اکثر خود پسند ہوتے ہیں کیونکہ ہمیشہ تعریف و آفرین اور داد و تحسین کے امیدوار رہتے ہیں۔ کلیم بھی اسی مرض میں مبتلا تھا۔ اب جو اُس کو دفعۃً منصب کپتانی مل گیا تو اُس کی نخوۃ کو تائید مزید پونہچی بقول میر

ع سمندِ ناز پہ ایک اَور تازیانہ ہوا۔ جب دیکھو اور دلی میں دس پندرہ سوار شہر میں گھوڑے کُداتے پڑے پھر رہے ہیں۔ چار پانچ مہینے کلیم نے بڑے چین میں گزارے۔ اور چونکہ باپ کو چھیڑنا منظور تھا دلی میں دوست آشناؤں کے پاس کپتان صاحب کے خط پر خط چلے آتے تھے۔ یہاں تک کہ زورآور سنگھ ایک ٹھاکر نے اپنے علاقے کی قسط وقت پر نہ ادا کی۔ تنگ طلبی ہوئی تو وہ پھر بیٹھا۔ اُس کی سرکوبی کے واسطے دولۃ آباد سے فوج روانہ ہوئی اُس میں کلیم بھی تھا۔ جوانی کی عمر نئی نئی نوکری مزاج میں بے باکی و تہوّر۔ پہلے ہی حملے میں میاں زخمی ہوے تو کیسے سخت کہ دستِ بخیر گھٹنے کی چپنی پر گولی بیٹھی تو اندر ہی اندر بُنِ ران تک تیر گئی۔ نہیں معلوم نسوں میں کس طرح کا تعلق خداے تعالے نے رکھا ہی کہ ایک پاؤں کے مجروح ہونے سے سارے کا سارا دھڑ بے کار ہو گیا۔ قاعدۂ فوج کے مطابق میدانِ جنگ سے لوتھ کو اُٹھا کر دارالشفا میں پونہچایا۔ جراحوں نے زخم کو دیکھا تو ایسا کاری پایا کہ فوراً پاؤں کا کاٹنا لازم آیا۔ اگرچہ اُس وقت تک جرّاحوں نے پاؤں کو جان کا فدیہ تجویز کیا۔ لیکن کلیم بے چارہ ناز و نعمۃ کا پلا ہوا تھا اُس صدمے کا متحمل نہ ہو سکا اور روز بروز اُس کی حالۃ ردی ہوتی گئی۔ تپ آنے لگی۔ زخم بگڑا۔ ناسور پڑے۔ اتنا بڑا ڈھو جوان ایک ہی مہینے

۱ امیدوار ۱۲ ۲ شان ۱۲ ۳ غرور ۱۲ ۴ زیادہ ۱۲ ۵ گھوڑا ۱۲ ۶ باغی ہو گیا ۱۲ ۷ سزا ۱۲ ۸ جرأۃ ۱۲ ۹ ران کی جڑ ۱۲ ۱۰ رگوں ۱۲ ۱۱ شدید ۱۲ ۱۲ صدقہ ۱۲ ۱۳ بھاری ۱۲

میں گھل گھل کر پلنگ سے لگ گیا۔ جب پاؤں کی طرح اُس کی زیست کی امید منقطع ہوگئی
تو ناچار لوگوں نے اُس کو دہلی میں پونہچانے کی صلاح کی۔ اور یہ بھی خیال ہوا کہ گھر کے جانے کی
مسرّۃ اور تبدیل آب و ہوا کی فرحۃ سے عجب نہیں کہ اُس کے دل کو تقویۃ پونہچے۔ صدر اعظم صاحب
حسبۃً للہ متکفّل مصارف ہوئے اور دولۃ آباد سے دہلی تک برابر کہاروں کی ڈاک
بیٹھ گئی۔ کلیم دہلی میں پونہچا تو گو راہ میں اُنیس بیس کا فرق اس کی حالۃ میں ہو گیا مگر ناتوانی
اس درجے کی تھی کہ دن رات میں سات پہر بےہوشی میں گزرتے تھے۔ جب کہاروں نے اُس کی
ڈولی نصوح کے دروازے پر جا اُتاری تو اُس پر غشی طاری تھی۔ نصوح بالاخانے پر مصروف
عبادۃ تھا۔ پہلے زنان خانے میں خبر ہوئی۔ فہمیدہ بے تاب ہو کر بے حجاب باہر نکل آئی
جوں پالکی کے پٹ کھول کر دیکھا تو بیٹے پر مُردنی چھائی ہوئی تھی۔ اس طرح بلک کر روئی
کہ سُننے والوں کے کلیجے ہل گئے۔ فہمیدہ نے اُس بے قراری میں جو بیان کئے اُن کے لکھنے سے
پہلے قلم کا سینہ شق ہے اور چشم دوات سے اشک جاری ہیں۔ خلاصہ یہ کہ فہمیدہ کے قلق
و اضطراب نے محلے میں حشر برپا کر دیا۔ اگرچہ نصوح گریہ و بکا کی آواز سُن کر کھٹکا تھا مگر وہ
اس طرح کا مستقل مزاج اور ضابطہ آدمی تھا کہ اُسی ترتیل کے ساتھ معمولی تلاوۃ کو پورا کیا۔
اُس کے بعد نیچے اُتر کر باہر پالکی کے پاس آیا۔ فہمیدہ کا رونا سُن کر اور بیٹے کی ردی حالۃ
دیکھ کر بے اختیار اُس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو چلے جاتے تھے اور بار بار ٹھنڈے ٹھنڈے
سانس بھرتا تھا مگر نہ کچھ بولتا تھا نہ چالتا تھا۔ آدھ گھنٹے کامل اس کی یہی کیفیۃ رہی۔ اس کے
بعد اُس نے اپنے آنسو پونچھے اور کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ

اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ اِنَّمَآ اَشْکُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ۔ اَللّٰھُمَّ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا۔ اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْہِ سَکَرَاتِہٖ وَکَفِّرْ عَنْہُ سَیِّاٰتِہٖ۔

اس کے بعد بی بی کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں تم کو رنج کرنے سے منع نہیں کرتا۔ تمھارا رنج اقتضائے طبیعت ہی کہ انسان اُس میں مجبور ہی لیکن مجھ کو تمھارا اضطرار دیکھ کر اس بات کا خوف ہوتا ہی کہ مبادا تمھارے خیالات منجر[۱] بکفران ہو جائیں۔ اگر مصیبت کے وقت انسان کے دل میں نعوذ باللہ بوئے نارضامندی بھی خداوندِ بے نیاز کی طرف سے پیدا ہو تو پھر کہیں اُس کا ٹھکانا نہیں خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ۔ کیا ہم نئے آدمی اور یہ انوکھی مصیبت ہی۔ بزرگانِ دین پر اس سے کہیں زیادہ مصیبتیں نازل ہوئیں زندہ دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دئے گئے۔ سر پر آرے چلے۔ سولی چڑھے۔ قتل ہوئے۔ قید رہے ماریں پڑیں۔ کوڑے سہے۔ گالیاں کھائیں۔ بیگاریں بھگتیں۔ ذلّتیں اُٹھائیں۔ رسوائیاں جھیلیں اگر خدا اُن کو جزائے خیر دے کیسے سچے بندے تھے کہ رضا و تسلیم کے حبلِ متین[۵] کو ہاتھ سے نہ دیا۔ یہ کچھ مصیبت اور دل رضا جوے حضرۃِ ربوبیۃ[۶]۔ یہ کچھ ایذا اور زبان سپاس گزار[۷] منّۃ۔ شکر کا مقام ہی کہ خداوند کریم نے ہمارے ضعف پر رحم فرما کر ہم کو امتحانِ سخت میں مبتلا نہیں کیا۔ اگر بندہ صرف تیسر[۸] و رفاہ[۹] کی حالۃ میں خدا سے راضی ہی اور تکلیف واذیۃ میں شاکی تو وہ بندہ بندۂ خدا نہیں بلکہ بندۂ غرض اور مطلب پرست ہی۔ ای بی بی رنج کرو لیکن صبر کے ساتھ اور مصیبۃ پر رو مگر شانِ عبودیۃ[۱۰] لئے ہوئے۔ دنیا میں جتنی ایذا اور جتنی مصیبۃ ہی یاداش[۱۱] گناہ و وبالِ معصیۃ ہی۔ اسی واسطے توبہ و استغفار کو لکھا ہی کہ اس سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔

---

[۱] یعنی ایسا نہ ہو کہ تمھارے خیالات ناشکری کی طرف پہنچنے والے بنیں۔ [۲] یعنی جا پہنچیں ۱۲ [۳] خدا کی پناہ ۱۲ [۴] دنیا اور آخرت دونوں کا زیان اور یہی کھلا ہوا زیان ہی ۱۲ [۵] رضا و تسلیم کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ ہوا اور ہو اس کو خدا کے حکم سے ہوا اور ہونیوالا سمجھنا اور اسی پر رضامند ہونا اور نارضامندی نہ کرنا ۱۲ مضبوط رسّی ۱۲ [۶] حضرۃِ ربوبیۃ سے مراد ہی خدا ۱۲ [۷] یعنی زبان احسان کی شکرگزار ۱۲ [۸] فارغ البالی ۱۲ [۹] خوش حالی ۱۲ [۱۰] یعنی بندگی کی شان لئے ہوئے اور بندگی کی شان کیا ہی کہ جو مالک نے چاہا کیا اُس پر اعتراض نہیں اُس سے نارضامندی نہیں ۱۲

سب سے بہتر ہم دردی جو ہم اس شخص کی اس تباہ حالۃ میں کرسکتے ہیں یہ ہی کہ اس کے گناہوں
کی معافی کے لئے خداوندِ کریم کے حضور میں بمنۃ وسماجۃ دعا کریں۔ یہ شخص تم بھی اس بات
کو تسلیم کروگی اپنے ہاتھوں اس نوبۃ کو پونہچا کہ جو اس کو دیکھے گا باقتضاے انسانیۃ تاسف
کرے گا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں تمام دنیا کا رحم خدا کی رحمۃِ کاملہ کے آگے ھزارواں
لاکھواں حصہ بھی نہیں ہی۔ اگرچہ ہم لوگوں کے دیکھنے میں اس کی حالۃ بہت ہی زبون ہی
لیکن کوئی شخص اس سے بڑھ کر خوش قسمۃ نہیں اگر اس کی یہ تکلیفیں عند اللہ اس کے گناہوں کا
کفارہ[1] سمجھی جائیں۔ نصوح کے وعظ کا سحرِ حلال ایسا نہ تھا کہ کوئی اُس کو سُنے اور مُتاثر
نہ ہو۔ فہمیدہ فوراً مُونہ پونچھ سیدھی ہو بیٹھی۔ اور اب میاں بی بی لگے آپس میں صلاح
کرنے کہ کیا کیا جائے۔ نصوح۔ اس کو محلے کے شفاخانے میں پونہچا دینا چاہیئے۔ ہر وقت
ڈاکٹر کے پیش نظر رہے گا۔ مکان بہت پُر فضا[2] ہی۔ اس کی طبیعۃ کو بھی تفریح[3] ہوگی۔ فہمیدہ۔
ہے ہے اور میرا دل کیوں کر صبر کرے گا۔ نصوح۔ یہ تمہارا کہنا بھی واجب۔ مگر بیمار کی حالۃ
ایسی ردی ہی کہ کسی وقت اس سے طبیب کا مفارقۃ[4] کرنا مناسب نہیں۔ فہمیدہ۔ حکیم جی
شوق سے آئیں جائیں میں سہ دری میں پردہ کئے بیٹھی ہوں گی۔ نصوح۔ زخموں کا علاج
کچھ ڈاکٹروں ہی سے خوب بن پڑتا ہی۔ یونانی طبیب تو اس کوچے سے محض نابلد[5] ہیں۔
رہے جرّاح اِن کو دو چار مرہم ضرور معلوم ہیں مگر تشریح[6] سے جیسے یونانی طبیب بے خبر
ویسے ہی جرّاح ناواقف۔ بہتر ہوگا کہ اس کو نعیمہ کے گھر لے چلیں سرکاری شفاخانہ بھی قریب
ہی اور میاں عیسی کہ اس وقت ہندوستانی جرّاحوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتے دیوار بیچ

[1] گناہ کا بدل یعنی یہ تکلیفات اس کے گناہوں کی سزا ہوں اور عاقبۃ میں مواخذہ نہ ہو ۱۲
[2] کشادہ ۱۲
[3] خوشی بحالی ۱۲
[4] یعنی طبیب سے جدا رہنا ۱۲
[5] ناواقف ۱۲
[6] انسان کے بدن کی بناوٹ کا علم ۱۲

اُن کا گھر ہی - فہمیدہ نے بھی اس صلاح کو پسند کیا - اور کیسا سامان اور کس کی طیاری گھر کا گھر کلیم کی پالکی کے پیچھے پیچھے ہو لیا - یہاں سے کوئی چھ سات پیسے ڈولی نعیمہ کی سسرال تھی کہاروں نے پالکی اُٹھائی تو کہیں کندھا تک نہیں بدلا دھر نعیمہ کے گھر جا اُتاری - یاد ہو گا کہ نعیمہ ماں سے لڑ کر بے ملے صالحہ کے ساتھ خالہ کے یہاں چلی گئی تھی - پھر چار مہینے وہاں رہی - نیک لوگوں کے ساتھ رہنے کی برکت خدا نے اُس کو ہدایت دی اور وہ بھی نیک بن گئی سگِ اصحابِ کہف روزے چند ؛ پئے نیکاں گرفت و مردم شد ؛ نیک بنے پیچھے ممکن نہ تھا کہ وہ ماں باپ کی نارضامندی گوارا کرتی - اُس نے ماں باپ کو شاد اور خدا نے اُس کو اپنے گھر میں آباد کیا - اُس کو سسرال گئے دوسرا مہینا تھا کہ کلیم کو چار کہاروں کے کندھوں پر لاد کر اُس کے گھر لے گئے - چوں کہ نعیمہ کے گھر آباد ہونے کا تذکرہ آ گیا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے نعیمہ کا حال لکھا جائے اور کلیم کو جو دنیا میں اب مہمانِ چند روزہ ہے پیچھے دیکھ لیا جائے گا

نعیمہ خالہ کے یہاں رہ کر خود بخود درست ہو گئی - اس نے ماں باپ سے اپنی خطا معاف کرائی اور خدا نے اُس کا مدتوں کا اُجڑا ہوا گھر پھر آباد کیا - کلیم نے بہن کے گھر وفات پائی قصے کا خاتمہ

نعیمہ اور کلیم اس اعتبار سے دونوں کی کچھ ایک ہی سی کیفیت تھی کہ زیادہ عمر ہو جانے کی وجہ سے عادتیں دونوں کی راسخ ہو چکی تھیں - بیاہے ہوئے اور صاحبِ اولاد دونوں تھے - کلیم کو بی بی سے

۵ سگ کہف کے معنی غار کے ہیں اور کہف ایک پہاڑ ہے جس کے غار میں چند خدا پرست لوگ بادشاہ کے خوف سے بھاگ کر چھپ گئے تھے اور ایک کتا بھی ان کے ساتھ ہو لیا تھا ان سب کو خدا نے ...

فصل ۱۱ اس بات کا بیان کہ کلیم کس طرح نعیمہ کے گھر گیا اور اس کے بعد کیا ہوا ... اشارہ ہے اصحاب کہف کا کتا چند روز کے لئے نیک لوگوں کے پیچھے لگ لیا اور ان کی برکت سے آدمی بن گیا ۱۲

۲ پکی جمی ہوئی ۱۲

کچھ اُنس نہ تھا تو نعیمہ کا شوہر سے بگاڑ تھا۔ نعیمہ اگرچہ کلیم کی طرح سب میں بڑی نہ تھی مگر بڑی بیٹی تھی۔ لیکن پھر بھی کلیم فولاد تھا تو نعیمہ کو اُس کے مقابلے میں سیسہ بلکہ رانگا سمجھنا چاہیئے۔ کلیم مرد تھا قسیّ القلب[1]۔ نعیمہ عورۃ نرم دل۔ کلیم باہر کا چلنے پھرنے والا سیکڑوں آدمیوں سے تعارف[2] ہزاروں سے جان پہچان۔ نعیمہ بے چاری پردے کے رہنے والی میل ملاپ سمجھو تو اور پیار اخلاص سمجھو تو ماں بہن۔ خالہ۔ نانی۔ کنبے کی عورتوں سے وہ بھی گنتی کی۔ کلیم اور نعیمہ دل دونو کے بیمار تھے۔ لیکن کلیم کے دل کو ذاتی روگ کے علاوہ صدہا بیماریاں اُس قسم کی تھیں جو متعدی کہلاتی ہیں یعنی ایک سے اُڑکر دوسرے کو لگ جاتی ہیں۔ پس کلیم کے مزاج میں چند در چند خرابیاں تھیں جو اُس نے بُری صحبتوں میں بیٹھ کر اپنے پیچھے لگالی تھیں۔ نعیمہ میں جو کچھ بُرائی تھی وہ ماں باپ کے لاڈ پیار علم کی ناداری اور عقل کی کوتاہی کی وجہ سے تھی۔ کلیم دلیر و بے باک اور عیّار[3] و چالاک تھا۔ نعیمہ بے وقوف بھولی اور ڈرپوک دل کی بودی۔ کلیم کے سر پر ایک سخت بلا مسلط[4] تھی یعنی اُس کے جلیس[5] و ہم نشین۔ اور نعیمہ اس سے بالکل محفوظ تھی۔ کلیم میں اس قسم کے بیہودہ عیوب تھے جن میں آج کل کے کم بخت نوجوان شریف زادے کثرۃ سے مبتلا پائے جاتے ہیں یعنی عورتوں کی طرح درپئے تحسین[6] رہنا اور بناؤ سنگھار رکھنا۔ پہر دن چڑھے سو کر اُٹھے ضرورتوں سے فارغ ہو کر آئینے کی تلاوۃ شروع ہوئی تو دوپہر کر دیا۔ اگرچہ رات کو مانگ اور پٹیوں کے لحاظ سے رومال باندھ کر اور سر کو الگ تھلگ رکھ کر سوئے تھے مگر آئینے میں مُونہ دیکھا تو زلف کی پریشانی پر اس قدر تاسف کیا کہ سر اسحاق نیوٹن[7] صاحب نے بھی اپنے اوراق کی ابتری پر اتنا افسوس نہ کیا ہوگا۔ بارے اگر اصلاح کا دن نہ ہوا تو گھنٹوں کی محنۃ

[1] سخت دل
[2] جان پہچان
[3] ہوشیار۔ سیانا
[4] سر پر سوار
[5] پاس کے بیٹھنے والے
[6] بناؤ سنگھار کا
[7] انگلستان کا مشہور حکیم گزرا ہے کہ وہ ایک کتاب لکھ رہا تھا اُس نے بہت عمر کی محنت سے لکھی تھی۔ اتفاقاً اُس کی کتاب کے ورقوں پر موم بتی گر پڑی اور وہ جل گئے۔ بیس برس کی محنت جل کر ضائع ہو گئی

میں وہ بھی اپنے اکیلے کی نہیں بال ٹھکانے لگے اور مانگ درست ہوئی۔ اور اگر کہیں اصلاح کا روزِ منحوس
ہوا تو سارا دن گزر گیا ایک وضع خاص پر سر جھکائے جھکائے گردن شل ہوگئی ڈاڑھی اور مونچھوں
کے ترشوانے میں مُونہ کو لقوہ مار گیا حجام کی آنکھوں کے تلے اندھیرا آنے لگا مگر پھر بھی ان کا خط خاطر خواہ
نہ بنا۔ کپڑے بدلنے کی نوبت پونہچی ٹوپی قالب سے اُتر کر آئی تو سر پیٹ لیا مگر ایسی احتیاط سے کہ بال
نہ بگڑیں۔ اس کے بعد انگرکھے کی چُنٹ پر چین بجبیں ہوئے پھر تو ادھر انگرکھے کی آستینوں اور اُدھر
پاے جامے کی تنگ موہریوں کے ساتھ ہاتھا پائی ہونی شروع ہوئی۔ مشکل یہ آکر پڑی کہ کپڑا مہین
کشاکش کا متحمل نہیں ذرا زور پڑا اور مسکا۔ اور ہاتھ پاوں کہتے ہیں کہ ہم ان چیونٹی کے بلوں میں
گھُسنے کے نہیں حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِی سَمِّ الْخِیَاطِ۔ بارے کاغذ کے سہارے سے ہولے ہولے
پھسلاتے پھسلاتے کہیں پہروں میں جاکر مشکل آسان ہوئی۔ اب ملبوسِ خاص زیب تن تو
ہوا مگر کس کیفیت سے کہ تنگی اور چُستی کے مارے مُشکیں الگ کسی ہوئی ہیں پاوں علی حدہ جکڑے ہوے
ہیں اور سارا بدن گویا شکنجے میں ہے۔ کھانسنا چھینکنا جمائی۔ انگڑائی تو درکنار گھُنڈی تکمے کے
لحاظ بندوں کے پاسِ خاطر سے اچھی طرح سانس بھی نہیں لے سکتے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ لباس
سے غرض اصلی بدن کا ڈھانکنا اور آسائش پونہچانا ہے۔ اُس میں کبر و نخوۃ کو دخل دے کر کیا ناس
مارا ہے کہ غرضِ اصلی گئی گزری ہوئی اور تکلیف و ایذا اُلٹی گلے مڑھی گئی۔ مقصود تھی پردہ پوشی ان
بزرگ ذات نے اِس میں خراش تراش اور وضع داری کو ایسا شامل کیا کہ کپڑوں نے اندرونِ دل
تک کا لفافہ اُدھیڑ کر رکھ دیا۔ اب اُن کے حالات لکھنے کی ضرورۃ نہیں۔ صورۃ ببیں حالش
مپرس۔ کلیم بھی ایک اسی طرح کا چھیلا تھا بد وضع آوارہ۔ جس کے اطوار و عادات جا بجا لکھے جا چکے ہیں

اس خصوص میں نعیمہ شرفا کی بہو بیٹیوں کی طرح کا لدّر المکنون محفوظ و مصئون تھی۔ اُس میں اور کلیم میں بے مبالغہ فرشتے اور شیطان کی نسبت سمجھنی چاہیئے۔ غرض نعیمہ کا رو براہ ہونا دشوار ضرور تھا مگر نہ کلیم کی طرح محال۔ مشکل البتہ تھا لیکن نہ کلیم کے مانند متعذر۔ خالہ کے یہاں ڈولی سے اُتری تو جوں خالہ کی شکل دور سے نظر پڑی کہ بھوں بھوں رونا شروع کیا۔ دیہات کی مستورات کا تو یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی مہمان یا مسافر بہت دنوں کے بعد آتا ہے تو اس سے مل کر رونے لگتے ہیں۔ اس واسطے کہ اُس وقت اُن کو مفارقہ کی سختیاں اور تکلیفیں اور یادگاری و انتظار کی زحمتیں یاد آتی ہیں۔ مگر دلی کا یہ دستور نہیں ہے۔ یہاں کی عورتیں اُسی حالۃ میں روتی ہیں جب کہ طرفین میں سے کسی کا کوئی عزیز و قریب زمانِ جدائی میں مر گیا ہو۔ ورنہ یوں مہمان و مسافر کے آنے پر رونا دلّی والیاں منحوس سمجھتی ہیں۔ گو خالہ کو دیکھ کر نعیمہ کے دل میں جوش پیدا ہوا تھا مگر اُس کو ضبط کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن نہ تو نعیمہ کو اتنی عقل تھی کہ اتنی بات سمجھتی اور شاید سمجھی بھی ہوتا ہم وہ دل پر اس قدر ضابطہ نہ تھی۔ خالہ نے جو اُس کو روتے دیکھا سخت تعجب کیا۔ بھانجی کی عادۃ سے واقف تھیں سمجھ تو گئیں کہ ماں سے روٹھ کر آئی ہے اُسی کا یہ رونا ہے لیکن جلدی سے دوڑ بھانجی کو گلے لگا لیا اور پیار چمکار کر بہت کچھ تسلّی دی اور سمجھایا کہ اللہ کھیے بیٹے کی ماں ہوئیں اب تمھاری عمر بچوں کی طرح رونے کی نہیں ہے ہم سائے کی عورتیں سنیں گی تو کیا کہیں گی۔ جانے دو۔ بس کرو۔ طبیعۃ کو سنبھالو۔ جی کو مضبوط رکھو۔ نعیمہ۔ اماں نے مجھے مارا اوں اوں۔ خالہ۔ مار تو کیا ہوا ماں باپ ہزار بار دُلار کرتے ہیں تو نصیحۃ کے واسطے مار بھی بیٹھتے ہیں۔ ماں باپ کی مار مار نہیں سنوار ہے۔ تمھاری نانی خدا جنۃ نصیب کرے بڑی منہ چھٹ

احتیاط سے دکھا ہوا موتی ۱۲ محفوظ اور مصون یعنی پوشیدہ ۱۲ رونے کی آواز کی نقل ۱۲ رونا

سسکی کی نقل ہے ۱۲ لاڈ پیار ۱۲ یعنی اُن کا ہاتھ مارنے پر خوب چھوٹا ہوا تھا ۱۲

نھیں۔ تم اس بات کو سچ ماننا کہ اب ہم اُن کی مار کو ترستے ہیں۔ ماں باپ کی مار کیا ہر ایک کو نصیب ہوتی ہے جنھیں خدا کو بہتر کرنا منظور ہوتا ہے وہ ماں باپ کی مار کھاتے ہیں۔ بھلا تم نے اس بات کا خیال کیا ہوش میں آؤ۔ لو دیکھو تمھارا بیٹا بھی تمھارے رونے پر ہنستا ہے۔ ننھے بچے کی طرف مخاطب ہو کر کیوں جی بڑے میاں تم کچھ اپنی اماں جان کو نہیں سمجھاتے۔ بچہ۔ آغوں۔ خالہ۔ آغوں غوٹے دودھ پی پی کر میاں ہوے موٹے۔ غرض خالہ نے نعیمہ کے رونے کو باتوں میں ٹال دیا۔ چندے نعیمہ جھینپتی سی رہی مگر پھر تو ہنسی خوشی رہنے لگی۔ اگرچہ خالہ نے بھانجی سے رونے کا سبب مصلحتہً نہیں دریافت کیا مگر موقع سے صالحہ کو الگ لے جا کر ساری حقیقت پوچھی اور جب اس کو بہن کے گھر دین داری کی چھیڑ چھاڑ کا ہونا معلوم ہوا تو اُس کو اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان میں نہیں آسکتی اور اُس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ جب تک نعیمہ کو پکی دین دار نہ بنا دے گھر سے رخصت نہ کرے۔ خالہ کے گھر رہ کر نعیمہ کی عادتوں کا خود بخود درست ہو جانا عمدہ مثال ہے اس کی کہ صحبت سے بڑھ کر تعلیم کا کوئی اچھا طریقہ نہیں۔ ماں کے گھر چند خاص باتیں نعیمہ کی اصلاح میں خلل انداز تھیں۔ اول تو اُس نے ماں اور تمام خاندان کو بے دینی کی حالت میں مدتوں زندگی بسر کرتے ہوے دیکھا تھا۔ پس بالضرور اُن کی نصیحت کو وہ وقعت نہیں ہو سکتی تھی جو یہاں خالہ کی باتوں کو تھی۔ دوسرے ماں کے گھر بھائی بہن نوکر چاکر پاس پڑوس والے کتنے لوگ تھے جو نعیمہ کو ابتدائے عمر سے ایک طرز خاص پر دیکھ چکے تھے۔ نعیمہ کو اُن کے روبرو طرز جدید بھی کیسا کہ طرزِ سابق سے مخالف اختیار کرتے ہوئے عار آتی تھی۔ تیسرے یاں کے یہاں اتفاق سے اُس کو ایک سختی بھی پیش آگئی تھی اور وہ سختی اُس کی حالت کے کسی طرح مناسب نہ تھی۔

چوتھے اُس کو ماں پر بڑا ناز تھا۔ یعنی ان کی خدمت میں شدۃ سے گستاخ تھی اور اُن کے کہنے کی مطلق پروا نہیں کرتی تھی۔ خالہ کے یہاں آکر رہی تو کسی نے بھول کر بھی اُس سے تذکرہ نہ کیا کہ دین داری بھی کوئی چیز ہے یا خدا کی پرستش بھی انسان کا ایک فرض ہے۔ مگر تھا کیا کہ چھوٹے بڑے ایک رنگ میں تھے صِبْغَةَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَةً اور اُن کے تمام حرکات وسکنات شانِ دین داری لئے ہوئے تھے۔ اُن کی نشست وبرخاست۔ اُن کی رفتار وگفتار اُن کا قول وفعل اُن کی بات چیت۔ اُن کا میل جول۔ اُن کا لڑائی جھگڑا۔ اُن کا کھانا پینا۔ اُن کی خوشی۔ ان کا رنج کوئی ادا ہو وہ ایک نرالی دین دارانہ ادا تھی۔ نعیمہ کو خالہ کا گھر ایک نئی دنیا معلوم ہوتا تھا۔ اگرچہ ابتداءً وہ یہاں کے اوضاع کو حقارۃ سے دیکھتی تھی۔ لیکن جوں جوں وہ ان دستورات سے مانوس ہوتی گئی اُن کی عمدگی اور بہتری اُس کے ذہن میں بیٹھتی گئی۔ آخر اُس کو ثابت ہوا کہ بے دین زندگی محض ایک بے اطمینان بے سہارے زندگی ہے۔ اگر رنج وایذا ہے تو کوئی وجہ تسلی کوئی ذریعہ تشفی نہیں۔ اور اگر آرام وخوشی ہے تو اُس کو ثبات وقرار نہیں۔ فاقہ ہے تو صبر نہیں۔ کھانا ہے تو سیری نہیں۔ بدی کی سزا نہیں۔ نیکی کی جزا نہیں۔ بے دین آدمی ایسا ہی جیسے بے نکیل کا اونٹ۔ بے ناتھ کا بیل۔ بے لگام کا گھوڑا۔ بے ملاح کی ناو۔ بے رگیولیٹر کی گھڑی۔ بے شوہر کی عورۃ۔ بے باپ کا بچہ۔ بے تھیوے کی انگوٹھی۔ بے لالی کی سنہدی۔ بے خوشبو کا عطر۔ بے باس کا پھول۔ بے طبیب کا بیمار۔ بے آئینے کا سنگھار۔ یعنی دین نہیں تو دنیا اور مافیہا سب ہیچ اور عبث اور فضول اور پوچ اور لچر ہے۔ نعیمہ نے رفتہ رفتہ خود بخود خالہ کی تقلید شروع کی۔ وہ ہمیشہ پہر سوا پہر دن چڑھے سو کر اُٹھتی تھی اور یہاں گھر بھر چھوٹے بڑے مُنہ

خدا کا رنگ اور اس رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہو گا ۱۲

نہیں صبر نہیں سیری ۱۲
پھیر۔ رسی ۱۲

اندھیرے اُٹھ ضرورتوں سے فارغ ہو عبادۃِ الٰہی میں مصروف ہوتے تھے۔ گھر بھر کا اُٹھنا
اور وہ بھی نرا اُٹھنا اور چارپائیوں پر لدے بیٹھے رہنا نہیں بلکہ چلنا پھرنا کام کاج کرنا۔ ہرچند
نعیمہ کی وجہ سے احتیاط کی جاتی تھی مگر کہاں تک کچھ نہ کچھ آہٹ آواز ہوتی ہی تھی۔ بعد چندے
نعیمہ کی آنکھ بھی سب کے ساتھ کھلنے لگی اور جاگی تو ممکن نہ تھا کہ اُس کو اپنی حالۃ پر تنبّہ ف۱ نہ ہو۔
اس واسطے کہ وہ اپنے تئیں دیکھتی تھی کہ بچے کی نجاستہ میں لتھڑی ہوئی پڑی انگڑائیاں لے رہی
ہی سست اُداس مضمحل نیند کے خمار ف۲ سے کسل مند۔ اور دوسرے ہیں کہ چاق چوبند
چُست و چالاک تازہ دم پاک صاف خدا کی درگاہ میں شکر کے سجدے کر رہے ہیں کہ رات
امن چین سے کٹی اور دعائیں مانگ رہے ہیں کہ بار الٰہا ہم کو روزی دے اتنی کہ فراغۃ سے
کھائیں۔ رزق دے ایسا کہ دوسرے کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں حاجتہ نہ لے جائیں۔ بارخدایا
بیماروں کو شفا۔ گم راہوں کو ہدایۃ۔ قیدیوں کو رہائی ف۳۔ مسافروں کو امن۔ بھوکوں کو
روزی۔ قحط زدوں کو ارزانی ف۴۔ تشنہ کاموں ف۵ کو پانی۔ مایوسوں ف۶ کو امید۔ ناکاموں کو
کام یابی کی نوید۔ مفلسوں کو قناعۃ۔ تونگروں کو سخاوۃ۔ بے اولادوں کو اولاد۔ نامرادوں کو
مراد۔ جاہلوں کو علم۔ عالموں کو عمل۔ زاہدوں کو اخلاص۔ حاکمِ وقت کو توفیقِ عدل ف۷ وداد۔
رعیۃ شاد۔ ملک آباد۔ کیا اپنے کیا غیر کل جہان کی خیر۔ تنبہ ہوتے پیچھے نعیمہ کی اصلاح ہوئی ہوائی تھی
تھوڑے دنوں میں وہ دین دار خداپرست بن گئی۔ نماز روزے کی پابند۔ وعظ و نصیحۃ کی دل دادہ ف۸۔
منکسر ف۹ متواضع۔ ملن سار صلح جو۔ نیک خو۔ شائستہ ف۱۰۔ باوجودے کہ نعیمہ ایک آسودہ حال گھر کی بیٹی
تھی اور اُس نے نازو نعمۃ میں پرورش پائی تھی اور ماں باپ کو اُس کی دل جوئی اور خاطر داری

ف۱ آگہی ۱۲
ف۲ نیند کے اثر ۱۲
ف۳ خلاص ۱۲ کا لقیہ ۱۲
ف۴ سستا ہونا ۱۲
ف۵ کام کے معنی تالو کے یعنی پیاسوں کو ۱۲
ف۶ ناامیدوں ۱۲
ف۷ انصاف ۱۲
ف۸ ریجھی ہوئی ۱۲
ف۹ غریب۔ مسکین ۱۲
ف۱۰ مہذب۔ بھلی مانس ۱۲

ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی باایں ہمہ وہ اپنے مزاج اپنے عادات اپنے خیالات کے پیچھے سدا ناخوش
رہا کرتی تھی۔ اور چوں کہ طبیعۃ میں برداشت مطلق نہ تھی ذرا سی تکلیف کو وہ مصیبۃ کا پہاڑ
بنا لیتی۔ اگر کسی نوکر نے مرضی کے مطابق کوئی چھوٹا سا کام نہ کیا۔ مثلاً کھانے میں نمک پھیکا یا تیز ہو گیا
یا روٹی کو چتی لگ گئی یا کپڑے کی سلائی اس کی خاطر خواہ نہ ہوئی۔ یا بچہ کسی وقت رونے لگا ان میں سے
ایک ایک بات کا سارے سارے دن اس کو جھگڑا لگ جاتا تھا۔ اور جو کہیں خدا نخواستہ خود اس کی
طبیعۃ یوں ہی سی علیل ہو گئی یا اس کو اپنی خانہ ویرانی کا کبھی خیال آ گیا تو ہفتوں گھر بھر کا عیش[۵۱] منغص ہوا۔
اب خیالات دین داری کے ساتھ اس کو عافیۃ اور اطمینان کا مزا ملا۔ دنیوی کوئی تکلیف نہ تھی
جو اس کو ایذا دیتی ہو۔ مگر ماں باپ کی نارضامندی اس کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی
تھی اور ایک ایک لمحہ اس پر شاق[۵۲] تھا۔ اسی اثنا میں خدا نے اپنے فضل سے نعیمہ کی خانہ آبادی
کی صورۃ بھی نکال دی۔ نعیمہ کا شوہر بڑا دین دار تھا اور اس کو بی بی ملی نعیمہ جو ان دنوں دین سے مطلق
بے بہرہ اور خدا پرستی سے کلیۃً[۵۳] بے نصیب تھی۔ ہر چند وہ نعیمہ کے حسن صورۃ پر فریفتہ تھا مگر اختلاف عادۃ
اختلاف عقائد ایک ایسا پردہ تھا کہ وہ دونوں میں اتحاد پیدا ہونے کا مانع تھا۔ ساس نندیں
میاں بی بی کی اتنی ناموافقۃ کا سہارا پا کر ایسی بے طرح ہوئیں کہ نعیمہ کا رہنا دشوار کر دیا۔ اب نعیمہ
کی تبدیل حالۃ کے تھوڑے ہی دن بعد صالحہ کے چچا کے گھر شادی کی تقریب پیش آئی۔ نعیمہ کو
دوہرا ابتلا آیا ایک تو صالحہ کے رشتے سے۔ دوسرا سسرال کی طرف سے کہ صالحہ کی چچازاد بہن
اور نعیمہ دیورانی اور جٹھانی بھی تھیں۔ شادی کے مجمع میں اور عورتوں نے اپنی رات گیت گانے
اور لایعنی[۵۴] باتیں بنانے میں ضائع کی اور نعیمہ نے نماز عشا سے فارغ ہو کر جو صلوٰۃ التسبیح[۵۵] کی نیۃ باندھی

تو آدھی رات ہو گئی۔ پھر تھوڑی دیر سو کر تہجد پڑھنے کھڑی ہوئی تو صبح کر دی۔ نعیمہ کی شب بیداری اور تہجد گزاری کی خبر جب اُس کے شوہر نے سُنی تو غایۃ درجہ محظوظ ہوا۔ اور اگرچہ وہ کبھی کبھی سُسرال آتا جاتا اور اپنی ذات سے بی بی کا بڑا خیال رکھتا تھا لیکن بی بی کے بے دین ہونے کی وجہ سے اُس کو اپنی ماں بہنوں کے مقابلے میں بی بی کی طرف داری کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اب جو اس نے بی بی کا دین دار ہونا سُنا تو ڈولی لے کر دوڑا ہوا سُسرال آیا۔ نعیمہ ماں کے رضامند کرنے کے لئے بے تاب تو تھی ہی شادی میں دونو ایک جگہ جمع ہوئیں تو نعیمہ دور سے ماں کو دیکھ دوڑ کر قدموں پر گر پڑی۔ اُدھر فہمیدہ باقتضائے مہر مادری من جانے کے لئے بہانہ ڈھونڈھتی تھی۔ بیٹی کو جھکتے دیکھ جلدی سے اُٹھ گلے لگا لیا۔ اور جب بہن اور بھانجی سے نعیمہ کا حال سُنا اور رات کے وقت اس کو خشوع وخضوع کے ساتھ عبادۂ الٰہی کرتے دیکھا تو اُس نے نہ صرف بیٹی کی خطا سے درگزر کی بلکہ پہلے سے زیادہ ریجھ کر اُس کو پیار کیا۔ اور جب شادی کے مہمان رخصت ہوئے تو بہن بھانجی کا بہت بہت شکریہ ادا کر کے بیٹی کو اپنے ساتھ گھر لوا لائی اور محلے کی بیبیوں کو جمع کر کے ایک ایک سے اُس کو رِملوایا۔ ادھر نعیمہ ساری بیبیوں بیچ کشادہ پیشانی اپنے قصور کا اظہار کر کر کے کبھی تو ماں کے پاؤں پر سر رکھ دیتی تھی اور کبھی حمیدہ کو گود میں لے کر پیار کرتی اور اُس کی پیشانی پر جہاں کیل کا داغ تھا بوسے دیتی تھی۔ کبھی بیدار کو بلا بلا کر پاس بٹھاتی اور دُولتی کے بدلے دونو ہاتھ اُس کے سامنے جوڑتی تھی۔ آج شام کو تو نعیمہ ماں کے گھر آئی اگلے دن بڑے سویرے اُس کا میاں ڈولی لے آموجود ہوا۔ نعیمہ چند سے سُسرال جا کر رہی تو نہ صرف میاں بلکہ ساس نندیں سارے کا سارا کنبہ اُس کی نیکی کا مرید و معتقد تھا۔ نعیمہ کو اپنے گھر آئے دوسرا مہینا

ع نماز نفل جو آدھی رات کے بعد پڑھی جاتی ہے ۱۲
سع خوش ۱۲
سع عاجزی ۱۲
سع نعیمہ نے حمیدہ کو لات ماری تھی
کو دھکیل دیا تھا اور تخت کی کیل لگ گئی تھی بہت سا خون نکلا تھا اُسی کا داغ تھا ۱۲ — منہ

تھا کہ کلیم اُس حالت سے کہ اوپر بیان کی گئی بہن کے یہاں پونہچا۔ بھائی کی ایسی ردی حالت دیکھ کر بہن پر اور بہن بھی کیسی خداترس جو صدمہ ہوا قابل بیان نہیں۔ کلیم اُسی کیفیت سے بہن کے گھر رہا۔ ایک چھوڑ دو دو ڈاکٹر شہر کے نامی جرّاح مل کر اُس کا علاج کرتے تھے مگر اُس کے زخموں کا بگاڑ کم نہ ہوتا تھا۔ صبح و شام تھوڑی دیر کے لئے کبھی کبھی اُس کو ہوش آجاتا تھا اور ضرور اس نے سمجھا ہوگا کہ کہاں ہی اور کون لوگ اُس کی تیمارداری کر رہے ہیں لیکن اُس کی ناتوانی اور نقاہت دیکھ کر کوئی اس سے کسی قسم کا تذکرہ نہیں کرتا تھا۔ باتیں کرتے بھی تھے تو تسلّی و تشفی کی۔ یہاں تک کہ زخموں کا فساد انتہا کو پونہچ گیا اور اُس کی مدۃ حیاۃ پوری ہوچکی مرنے سے ایک دن پہلے اُس کی حالت یکایک ایسی بہتر ہوگئی کہ وہ اچھی خاصی طرح آپ سے آپ اُٹھ کر بیٹھ گیا اور خلافِ عادۃ اُس نے فرمائش کر کے دو گوشتہ پلاؤ پکوایا اور تن درستوں کی طرح کھایا۔ وہ گھر والوں کے ساتھ بہت دیر تک پکار پکار کر باتیں کرتا رہا۔ اُس نے اپنے تمام حالات جب سے کہ وہ گھر سے نکلا اور جب تک کہ وہ مجروح ہو کر پھر دہلی آیا ذرا ذرا بیان کئے۔ اور بھائی بہن ایک ایک کر کے سب کا حال پوچھا۔ اُس وقت وہ اپنے افعال پر تاسف کر کے اتنا رویا اتنا رویا کہ اُس کو غش آگیا۔ بڑی دیر کے بعد ہوش میں آیا تو اُس نے ماں سے کہا کہ آج کی غیر معمولی توانائی جو تم مجھ میں دیکھتی ہو میں خوب سمجھتا ہوں کہ یہ میری آخری توانائی ہی۔ خون جو مدارِ حیاۃ ہی مطلق میرے بدن میں باقی نہیں رہا۔ بلکہ میں جانتا ہوں کہ شاید میری ہڈیوں کے اندر کا گودا بھی پگھل پگھل کر فنا ہوچکا ہی۔ گو تم لوگ میری تقویۃ کی نظر سے تسلّی اور تشفی کی باتیں کرتے ہو مگر میں سمجھ چکا ہوں کہ میں اس مرض سے

جاں بر ہونے والا نہیں۔ میں اپنے مرنے کو ترجیح دیتا ہوں اُس نالائق زندگی پر جو میں نے بسر کی۔ اگرچہ میں نے اپنی زندگی خرابی۔ اور رسوائی اور فضیحت۔ اور والدین کی نارضامندی۔ اور خدا کی نافرمانی میں کاٹی اور ایسی ایسی ہزاروں لاکھوں زندگیاں ہوں تو بھی اُس نقصان کی تلافی کی امید نہیں جو اس چند روزہ زندگی میں مجھ کو اپنی بدکرداری سے پونہچا۔ مگر مجھ کو تین طرح کی تسلّی ہے۔ اوّل یہ کہ میں مرتا ہوں تائب۔ نادم۔ خجل۔ پشیمان۔ متاسف۔ دوسری یہ کہ سفرِ عاقبت شروع کرتے وقت ایسے لوگوں میں ہوں جو اس راہ کے منزل شناس اور میرے دل سوز اور ہمدرد اور شفیق اور مہربان حال ہیں۔ تیسری یہ کہ غالباً میری زندگی دوسروں کے لئے نمونۂ عبرت ہوگی کہ اس صورت میں گو اپنی زندگی سے میں خود مستفید نہیں ہوا لیکن اگر دوسروں کو کچھ نفع پونہچے تو میں اپنی زندگی کو رائگاں اور عبث نہیں کہہ سکتا ع من نکردم شما حذر بکنید۔ اب مجھ کو دنیا میں سوائے اس کے کوئی آرزو باقی نہیں کہ میں ابا جان سے اپنا قصور معاف کرالوں۔ یہ کہہ کر اُس پر بڑے زور کی رقت طاری ہوئی۔ بے چارے کی طاقت تو مدتوں سے سلب ہو ہی چکی تھی رونا تھا کہ بے ہوش ہوگیا اور اُسی بے ہوشی میں اُس کا سانس اُکھڑ گیا اور لگا ہاتھ پاؤں توڑنے نبضیں چھوٹ گئیں ہچکیاں لینے لگا ناک کا بانسا پھر گیا۔ عورتیں تو یہ حال دیکھ کر رونے پیٹنے لگیں۔ باہر مردانے سے نصوح دوڑا آیا اور عورتوں کو علیحدہ کر کے جزع و فزع نامشروع سے منع کیا۔ اور صبرِ جمیل کی تلقین کی اور بیٹے کے سرہانے بیٹھ کر یٰس پڑھنی شروع کی۔ مُونہ میں شربت ٹپکایا۔ اور اُس کو قبلہ رو لٹایا۔ کلمہ پڑھ کر سُنایا۔ شربت کا حلق سے اُترنا تھا کہ کلیم نے آنکھیں کھول دیں اور باپ کو نگاہِ حسرت آلود سے دیکھ کر اُس نے ہاتھ جوڑے اور اسی حالت میں اس نے جان بحق تسلیم کی۔

ملتا ہے ۱۲ تسلیم ۱۲ یعنی یٰسین قرآن کی ایک سورۃ ہے اُس کو مرنے والے کے سرہانے جان کنی کے وقت پڑھنے سے آسانی کے ساتھ جان نکلتی ہے ۱۲

حسرت کی بھری ہوئی یعنی اُس کی آنکھوں سے حسرت ظاہر ہوتی تھی ۱۲

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر کلیم بچ جاتا تو وہ نیکی اور دین داری میں اپنے سب بھائی بہنوں پر سبقت[۱] لے جاتا۔ اس نے مصیبتیں اُٹھا کر اپنی رائے کو بدلا تھا اور آفتیں جھیل کر تنبّہ حاصل کیا تھا۔ پس وہ مجتہد[۲] تھا اور دوسرے مقلد[۳]۔ وہ محقق[۴] تھا اور دوسرے ناقل[۵]۔ اُس کا سا انجام خدا سب کو نصیب کرے۔ کلیم کا جوان مرنا ایک ایسی بھاری موت تھی کہ ماں باپ تو دونو گویا اُس کے ساتھ زندہ در گور ہو گئے۔ بھائیوں کا بازو ٹوٹ گیا۔ بہنوں کے سر سے ایک بڑا سرپرست اُٹھ گیا۔ لیکن بتقاضاے دین داری سب نے صبرِ جمیل کیا اور ہر شخص نے بجاے خود عبرۃ پکڑی۔ کلیم کے ساتھ نصوح کی وہ کوششیں بھی تمام ہوئیں جو اُس کو اصلاحِ خاندان کے لئے کرنی پڑتی تھیں۔ کیوں کہ کلیمِ مرحوم کے سوا چھوٹے بڑے سب اُس کی رائے میں آ چکے تھے۔ یا تو ابتداءً علیم کے انٹرنس پاس کرنے کے لالے پڑے تھے یا اُس نے بی اے[۶] پاس کیا۔ ایک سے ایک عمدہ نوکری گھر بیٹھے اُس کے لئے چلی آتی تھی۔ مگر اُس نے اپنی نیک نہادی[۷] کی وجہ سے سررشتہ تعلیم کو یہ سمجھ کر پسند کیا کہ ہم وطنوں کو نفع پونہچانے کا قابو ملے۔ سلیم بڑا ہو کر طبیب ہوا تو کیسا حاذق[۸] کہ آج جو دلّی کے بڑے نامی طبیب ہیں اسی کی بیاض کے نسخوں سے مطب کرتے ہیں۔ رہی ولیہ در زاد حمیدہ قرآن اس نے حفظ کیا حدیث اُس نے پڑھی اور اگر سچ پوچھئے تو شہر کی مستورات میں جو کہیں کہیں لکھنے پڑھنے کا چرچا ہے یا عورتیں خدا رسول کے نام سے واقف ہیں یہ سب بی حمیدہ کی بدولت۔

جَزَاهَا اللّٰهُ عَنَّا خَيْرَ الْجَزَاءِ[۹]

تمت

[۱] آگے بڑھ جاتا ۱۲
[۲] یعنی دلیل کے ساتھ ایک بات کا قائل ہو ۱۲
[۳] بے دلیل دوسرے کی پیروی کرنے والا ۱۲
[۴] صاحبِ تحقیق
[۵] نقل کرنے والا ۱۲
[۶] سررشتہ انگریزی کی فضیلت کا پہلا درجہ ۱۲
[۷] نیک ذاتی ۱۲
[۸] لائق تشخیص جس کی خطا نہ کرے ۱۲
[۹] خدا اس کو ہم لوگوں کی طرف سے بہتر بدلہ دے ۱۲

فہرست کتب بلا محصول موجودہ دوکان نذیر حسین کتب فروش دہلی بازار دریبہ کلان

احسن المواعظ ۱۰ر
گلدستہ کرامات ۸ر
ضمان الفردوس ۱ر
ترغیب الفرقان ۱۴ر
مجربات دیربی ۱۲ر
تاحر العشاق ۱۴ر
ارمغان حکمت اردو ۸ر
تذکرہ رسول اکبر ۲ر
کمالات عزیزی ۲ر
شفاء الامراض ۱۴ر
اکسیر بارہ حصہ اول ۶ر
اکسیر بارہ حصہ دوم ۸ر
تدبیر احسن معالجہ مستورات ۱۲ر
تریاق اکبر ۳ر
زبدۃ الحکمت ۱۰ر
علاج الامراض عہ
معالجات احسانی ۵ر
قرابادین قادری اردو عہ
تریاق سموم ۲ر
امرت ساگر اردو عہ
طب نبوی ۲ر
رموز الحکمت
تشریح الاسباب عہ

رسالہ آتشک ۱۸ر
تحفہ الاطبا ۱۰ر
علاج الحمی ۱ر
اکسیر الصبیان ۳ر
رسالہ قارورہ ۱ر
رسالہ علم کیمیای مشرقی در بیان کشتجات ۵ر
فرس نامہ رنگین ۱ر
زینت الخیل ۹
مفردات رزاقی ۱۲ر
علاج المواشی ۴ر
منظر العلاج ۸ر
علاج الامراض فارسی مطبع دہلی صحت خاص جناب حکیم محمود خانصاحب سے طبع ہوا للعہ
قرابادین اعظم عہ
اکسیر اعظم عہ
نیر اعظم ۶ر
رکن اعظم ۶ر
رموز اعظم حصہ
قرابادین قاکی فارسی ۱۲ر
کفایہ منصوری ۷ر

نفیسی عہ
میزان طب فارسی ۷ر
طب اکبر فارسی عہ
تالیف شریفی ۱۰ر
ناصر المعالجین ۸ر
مفردات ناصری ۳ر
مخازن التعلم ۱۴ر
جامع شفائیہ سے
مجربات رضائی ۲ر
دستور العلاج ۳ر
ام العلاج ۴ر
تکشیف الحکمت ۴ر
عجالہ نافعہ ۱۴ر
مخزن الادویہ سے

اشتہار تصنیف جناب حکیم محمد اعظم خانصاحب المخاطب بناظم جہان

رموز اعظم ہر دو جلد جلد اول میں امراض سر سے معدہ تک اور جلد دوم میں امراض کبد سے پاے تک اور انکے لئے استعمال ادویہ کا طریقہ اور ہر مرض کی تشخیص و معالجہ کا بیان کیا گیا ہے- اور ہر فصل کے آخر مین عجیب و غریب حکایات درج ہین جنکے دیکھنے اور غور کرنے سے بلا مدد اُستاد مطب مین بآسانی نگاہ اور دوا کے کم و بیش کرنے مین دستگاہ کامل حاصل ہو سکتی ہے- اس فن کی کتابون مین آجتک اسکا ثانی نہین ہوا جسوقت شائقین ملاحظہ فرمائینگے فوراً معلوم ہو جائیگا کہ جو بات اکسیر اعظم وغیرہ چند کتب دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے وہ اِس تنہا سے پیدا ہے- **قیمت** ہر دو جلد کاغذ سفید حصہ بلا محصول ڈاک- کاغذ حنائی للعہ بلا محصول ڈاک- المشتہر محمد نذیر حسین کتب فروش دہلی

تہذیب النسوان عہ
حزب الاعظم ۷ر
تفسیر عزیزی پارہ عم اردو ۱۴ر
تفسیر قادری ترجمہ
تفسیر حسینی اردو للعہ
تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق حصہ
مظاہر الحق ۵عہ

اعلان

مین مدة سے نہایة شکر گزاری اور خوشی کے ساتھ دیکھ رہا ہوں کہ عام وخاص میری کتابوں کی استحقاق سے بہت زیادہ قدر کرتے ہین لیکن اس کے ساتھ مجھ کو سخت تاسف بھی ہوتا ہی کہ عبارة کی غلطی کتابة کی درآوردگی کاغذ کی بُرائی چھاپے کی خرابی نے عام بے دلی پیدا کر رکھی ہی۔ اب تک مین عدیم الفرصتی بلکہ بے پروائی کی وجہ سے اس طرف ملتفت نہیں ہوا۔ اب مین نے مصمم ارادہ کرلیا ہی کہ اپنی کتابون کو بگڑنے نہ دوں چنانچہ مین نے اپنی تمام کتابین ترمیم اور نظر ثانی کے بعد ازسر نو رجسٹری کراکے بسعی مولوی تلطف حسین صاحب مطبع انصاری دہلی مین چھپوانی شروع کردی ہیں۔ اور مولوی تلطف حسین صاحب نے محمد نذیر حسین تاجر کتب سے میری رائے کے موافق خاص طور پر معاہدہ کرلیا ہی کوئی شخص کسے باشد کسی حیلے سے میری کتابوں کے چھاپنے چھپوانے کا قصد نہ کرے ورنہ خسارة وتاوان دونوں بھگتنے پڑیں گے۔ اور جس شخص کو کتابوں کا لین دین کرنا ہو محمد نذیر حسین تاجر کتب دہلی دریبہ کلاں سے کرے۔

العبد
محمد نذیر احمد وفقه الله التنزو دلغد